بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

ناولٹ

مکمل ناول

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! نومبر 2014ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

اس ماہ سے نئے اسلامی سال کا آغاز ہو رہا ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ اسلامی سال کا آغاز اور اختتام دونوں ہی قربانی کے عظیم واقعات سے ہوتا ہے۔ قربانی کا یہ عظیم فلسفہ ہی اسلامی تعلیمات کی بنیاد ہے، کہ مسلمان اللہ کی رضا کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ واقعہ کربلا حق گوئی، بہادری اور صبر و استقامت کا ایک ایسا عظیم واقعہ ہے، جس کا پیغام ظلم و جبر کا خاتمہ اور عدل و انصاف پر مبنی نظام کا قیام ہے۔ امام عالی مقامؓ اللہ کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے نظام کے نفاذ کے لئے اپنے گھر سے نکلے تھے۔ آپؓ چاہتے تو باطل قوتوں سے مفاہمت کر کے اپنی اور اپنے رفقاء کی جانیں بچا لیتے مگر آپؓ نے بادشاہت اور آمریت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ اپنے مقصد کی خاطر اپنی اور اپنے رفقاء کی قربانی دے کر قربانی کی وہ مثال قائم کی، جس کی عظمت کو پوری دنیا نے تسلیم کیا اور جو تا قیامت راہ حق پر چلنے والوں کے لئے راہنما اور مشعل راہ بنی رہے گی۔

اس شمارے میں:۔ ایک دن حنا کے نام عابی ناز اپنے شب و روز کے ساتھ، مدیحہ تبسم، سعدیہ عابد اور ثمینہ بٹ کے مکمل ناول، عائزہ خالد اور مبشرہ انصاری کے ناولٹ، قرۃ العین خرم ہاشمی، تسکین زاہد خان، ارم حنیف اور روبینہ سعید کے افسانے، سدرۃ المنتہیٰ اور اُم مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

زمیں تیری فلک تیرا، تو مالک ہے بہاروں کا
تری قدرت سے سارا سلسلہ ہے کھلتے پھولوں کا

جو تو چاہے تو شاخوں کو ملیں پتے نئی رت میں
جو تو چاہے تو اجڑا باغ مہکے پھر گلابوں کا

جو تو چاہے تو مٹی بھی بنے سونا زمانے میں
جو تو چاہے تو جاگ اٹھے مقدر تیرہ بختوں کا

جو تو چاہے تو قطرے کو کرے اک گوہر تاباں
جو تو چاہے عطا ہو مرتبہ ذروں کا تاروں کا

جو تو چاہے تو چشمہ ریگ زاروں سے نکل آئے
جو تو چاہے تو جاری سلسلہ ہو آبشاروں کا

جو تو چاہے تو بھر جائے مری امید کا دامن
جو تو چاہے تو ہو آباد میرا شہر خوابوں کا

آسی خانپوری

یہ کون طائر سدرہ سے ہم کلام آیا
جہان خاک کو پھر عرش کا سلام آیا
جبیں بھی سجدہ طلب ہے یہ کیا مقام آیا
زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

خط جبیں ترا ام الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تیری نظیر
دکھاؤں پیکر الفاظ میں تیری تصویر
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

کہاں وہ پیکر نوری، کہاں قبائے غزل
کہاں وہ عرش مکیں اور کہاں نوائے غزل
کہاں وہ جلوۂ معنی، کہاں روائے غزل
بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لئے

ناصر کاظمی

پیارے نبی کی پیاری باتیں

سیدہ اختر ناز

حق خاندان و معاشرت

انسانی معاشرت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام کے رشتہ ازدواج سے چلا اور پھیلتا ہوا وسیع کائنات ارضی میں کروڑوں خاندانوں پر محیط ہوگیا ہے، قرآن مجید میں انسانی معاشرت کی توضیح کچھ اس طرح کی گئی۔

''اے انسانو! تم سب کو اللہ نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو خاندان، قبیلہ صرف اس لئے بنادیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (الحجرات:13)

اور اس طرح پتا چلا، عائلی زندگی، انسانی معاشرت کا بنیادی ادارہ ہے اور میاں بیوی اس ادارہ کے بنیادی ستون ہیں اور میاں بیوی کا اختلاط اور اجتماع ہی خاندان کو جنم دیتا ہے، جو اولاد کے وجود سے پھلتا پھولتا اور پھیلتا ہے۔

خاندان معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، جس طرح قطرہ قطرہ مل کر بارش بنتا ہے، ایسی طرح کئی خاندان مل کر معاشرے کا وجود تشکیل دیتے ہیں، امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام نے چار وجوہ کے باعث اولاد کی پرورش و پرداخت پر زور دیا ہے۔

۱۔ اللہ کی مخلوق باقی رہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ امت کی کثرت کے باعث فخر کروں گا۔

۳۔ اولاد صدقہ جاریہ ہے۔

۴۔ بچپن میں مر جائے تو والدین کی شفاعت کرے گی۔

نسل انسانی کی بقا کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاندان کی تشکیل مرد و زن میں نکاح کے ذریعے فرمائی، نکاح کی ضرورت کیوں ہوئی، نکاح کا مقصد صرف آئندہ نسلوں کو دنیا میں لے آنا ہی نہیں بلکہ ان کی حفاظت اور تعلیم و تربیت بھی ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ مرد و زن، جنسی اختلاط کے شوق سے ہٹ کر اس کے ثمرات کو اپنے لئے عطیہ، خداوندی سمجھیں اور پیدا ہونے والی اولاد کے مالک اور وارث بن کر ان کو محبت و پیار کے ساتھ ساتھ اچھا انسان بنانے کے لئے اچھی تعلیم و تربیت دیں، نکاح اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے دونوں میاں بیوی کو ذمہ دار بناتا ہے اور معاشرہ اسی نکاح کے وجود سے ان کے جنسی اختلاط کو قبول کر کے اس کے ثمرات کو اپنانے کا پابند ہوتا ہے۔

حقوق الزوجین

عورت اور مرد کے ازدواجی تعلق کا بہتر سطح پر استوار ہونا پورے معاشرے کی زندگی کے لئے ضروری ہے، اسلام نے اسی وجہ سے عورت و مرد کے دائرہ ہائے کار کو منظم اخلاقیات و قانونی حقوق و فرائض کی بنیادوں پر استوار کیا ہے، جسمانی طور پر مرد قوی اور عورت نازک و دلدار قسم کی مخلوق ہے، اس لئے اسلام نے مرد کو عورت کی

کفالت اور اس کے ساتھ معروف طریقوں سے پیش آنے کا حکم دیا ہے، سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

''وہ (میاں بیوی) اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے۔'' (آیت 23)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

''اور ان (عورتوں) کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔'' (النساء 19)

معاشی ذمہ داریوں میں بھی زیادہ ذمہ داری مرد پر ڈالی کیونکہ وہ اس کی نسل کی بقاء کے فریضہ میں اس کی خدمت پر مامور ہے، سورہ النساء میں ارشاد خداوندی ہے۔

''مرد عورتوں کے محافظ (قوام) ہیں، اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک (یعنی مرد) کو دوسرے (یعنی عورت) پر فضیلت دی اور یہ اس بناء پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ (آیت 34)

اس سے پہلے اسی سورت میں ارشاد فرمایا ''جو کچھ مردوں نے کمایا، اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے، اس کے مطابق ان کا حصہ ہے، ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو۔ (النساء 32)

شوہر کی ذمہ داریاں

غرض اس طرح اسلام مندرجہ ذیل پہلوؤں کے حوالہ سے مرد پر بیوی کے سلسلے میں ذمہ داریاں ڈالتا ہے۔

۱۔ مرد بیوی کے ساتھ معروف اور بھلے طریقے سے تعلق نبھائے

۲۔ تفریح اور دل بستگی کے جائز مواقع مہیا کرے۔

۳۔ بیوی کی معاشی ضروریات کی کفالت کرے۔

۴۔ ازدواجی معاملات میں بیوی کے ساتھ عدل و توازن کو برقرار رکھے۔

۵۔ بیوی کے اعزا و اقرباء کا احسان مند رہے اور انہیں احترام دے۔

۶۔ بیوی کی اولاد کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے مشاورت کو پوری پوری اہمیت دے۔

۷۔ خاوند اور بیوی ایک دوسرے کے ستر پوش ہیں، اس لئے خاوند کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کے ساتھ اپنے تعلقات کو محبوب اور محترم رکھے اور ان کی ستر پوشی کرے۔

سب سے بہتر

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تم میں بہتر اور سب سے زیادہ بااخلاق وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہے۔''

بیوی سے محبت کرنا

بیوی کے ساتھ جذبہ محبت مرد پر فرض ہے، اس لئے مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس میں خیانت نہ کرے۔

بیوی کی بدصورتی پر صبر کرنا

بیوی کی بدصورتی یا سخت طبیعت پر صبر کرے، شاید کہ اللہ اس کی اس آزمائش کے بدلے میں اس سے زیادہ اچھی اولاد عطا کر دے، کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

''پھر اگر تم (کسی وجہ سے) ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو مگر اللہ نے تمہارے لئے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ چھوڑی ہو۔'' (النساء 9)

بیوی سے سلوک

بیوی اگر بدکاری یا حرام کاری کا ارتکاب کر بیٹھے تو خاوند کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اس کی خامی کی نشاندہی کر کے اسے اصلاح کی طرف مائل کرے، نصیحت و حکمت سے اگر وہ مان جائے تو بہتر، ورنہ اسے اپنے سے علیحدہ کرنے کی دھمکی دے دے، لیکن اگر وہ پھر بھی اپنی روش نہ بدلے تو بھلے طریقے سے اس سے علیحدگی اختیار کر لے۔

بیوی پر تنقید کرنا

بیوی کی جاسوسی کرنا، بہتان لگانا یا اس کی غیر حاضری میں لوگوں کے سامنے بد تعریفی یا لوگوں کے سامنے اس کی بے عزتی کرنا مرد کے لئے قطعاً روا نہیں ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بڑا ہی حکمت خیز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو توڑ ڈالو گے، اس لئے اس کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھاتے رہو۔'' (بخاری کتاب الانبیاء)

بیوی کی کمائی

عورتیں اگر گھریلو ذمہ داری کے ساتھ ساتھ خاندان کی کفالت میں اپنی ملازمت سے، کاروبار سے یا کسی اور ہنر مندی کے کام سے معاشی کفالت کا باعث بنتی ہوں تو ان کا یہ قوی حق ہے کہ معاشرہ عام طور پر اور شوہر خاص طور پر اس کے آرام، طعام اور معاشی و سماجی ضروریات کا انتظام کرے۔

گھر کے کاموں میں بیوی کی مدد

گھریلو کام کاج میں بیوی کی مدد کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پوشاک خود دھو لیتے، پیوند لگا لیتے، رفو کر لیتے، بکری کا دودھ دوہتے، ناقہ باندھ لیتے اور گھر کی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے، اگرچہ خود کتنی ہی تکلیف انہیں برداشت کرنی پڑتی۔

بیوی کے حقوق

گھر کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے، عورت کا کام یہ ہے کہ وہ خوش اسلوبی سے معاملات خانہ داری کو سنبھال رکھے، اہل و عیال کے اخراجات کے لئے حلال روزی کما لانا شوہر کا فرض ہے، ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کسی شخص کی بیوی کا اس کے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اس کا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے پہنائے، اس کے چہرے پر کبھی نہ مارے، اس کو بددعا کے الفاظ نہ کہے اور اگر اس سے ترک تعلق کرے تو صرف گھر میں کرے۔''

گھر کا خرچ

گھر پر کیا جانے والا خرچ اعتدال کی راہ پر ہونا چاہیے کیونکہ اعتدال کا راستہ سب سے اچھا ہے اور سورہ الاعراف میں ہے، کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو، (آیت 31)
اور دوسری جگہ سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ ''تو اپنا ہاتھ گردن سے نہ باندھ رکھ اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دے۔'' (آیت 29)
یعنی انسان نہ تو بخیل بن کر دولت کی گردش کو روک دے اور نہ فضول خرچ بن کر معاشی

وسائل ضائع کرے، اس کا حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کچھ اس طرح تھا جو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بقول کچھ اس طرح ہے کہ:
صحابہ کی کیفیت یہ تھی کہ انسانوں کے معاملہ میں تو زرخیز زمین کی طرح فیاض تھے، مگر گھر کے ساز و سامان اور لباس کے معاملہ میں کم پیداوار دینے والی زمین کی مانند تھے، یعنی اپنی ذات پر کم خرچ کرتے لیکن اہل و عیال اور دوسرے لوگوں پر کھلے دل سے خرچ کرتے۔

شوہر کا فرض

عورت کو اچھا لباس اور اچھی خوراک دینا شوہر کا فرض ہے، لیکن وسائل رزق کے معیار سے بڑھ کر نہیں، عورت کے لئے ریشم اور سونے کا استعمال جائز ہے، لیکن لازمی نہیں ہے، خاوند کی اقتصادی حالت اگر اسے اجازت دے تو اسے ریشمی لباس اور زیورات بنوا کر دے دے، اور اگر وسائل کم ہوں تو حالات کے مطابق جس قدر اچھا، خوش نما اور معیاری لباس یا زیور دیا جا سکتا ہو دے۔

مہر کی ادائیگی

نکاح کے بعد مرد پر سب سے پہلا جو عورت کا فرض بنتا ہے وہ مہر کی ادائیگی ہے، سورہ النساء میں ہے کہ ''عورتوں کے مہر انہیں خوش دلی سے ادا کر دو۔'' (آیت 40)
اور اگر عورت چاہے تو اپنی خوشی سے مہر کا کچھ حصہ یا سارے کا سارا معاف بھی کر سکتی ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے، ''البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔'' ایسا کرنے کے لئے عورت پر کوئی دباؤ نہیں ہونا چاہیے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں حکم دیا ہے کہ مہر کو حد اعتدال پر مقرر کرو۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔
''عورتوں کو مرد کے پلہ باندھنے کی کوشش کرو اور مہروں میں حد سے نہ بڑھو۔'' (بخاری، باب حقوق الزوجین)

بیوی کی کفالت

عورت کو اپنی ذاتی ضروریات کی کفالت کے لئے جس قدر رقم ضروری ہو، شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اس کی کفالت کرے اور معقول حد میں نان نفقہ ادا کرے، قرآن مجید میں ارشاد ہے۔
''خوشحال آدمی اپنی خوشی کے مطابق اور کم مال اپنی استطاعت کی حد تک اپنی بیوی پر خرچ کرے جو اس کو اللہ نے دیا ہے۔'' (الطلاق 7)

بیوی کی عزت

عورت مرد کی شریک زندگی ہے اور اس کے بچوں کی ماں اور اس کے خاندان کی عزت و ناموس ہے، اس کا احترام اس کا فرض ہے، اس لئے اس کی کسی طور پر بھی توہین یا ہتک نہ ہونے پائے۔
سورہ البقرہ میں ارشاد ہے۔
''اور ان کو ستانے اور زیادتی کرنے کے لئے نہ روک رکھو جو ایسا کرے گا، وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا، اللہ تعالیٰ کے احکام کو مذاق نہ بناؤ۔'' (آیت 231)
اس صورت میں ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

''جولوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا عزم کیا تو اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔'' (آیت 227,226)

دوسری شادی

معاشی حالات اور جسمانی تندرستی اگر ساتھ دیتی ہو اور پہلی بیوی کی دل آزاری مقصود نہ ہو بلکہ وہ برضا و رغبت اجازت دے دے تو مرد دوسری شادی کرنے کا روادار ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک پہلو بھی ناقص ہو تو اسے عورت پر ظلم و زیادتی تصور کیا جائے گا، سورہ النساء میں ارشاد ہے۔

''پھر اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو۔'' (آیت 3)

اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم مذکور ہے کہ ''شوہر کہیں ایک طرف نہ جھک جائے اور دوسری عورت کو معلق نہ رکھ چھوڑے۔ (النساء 129)

عورت کو کسی بھی ناانصافی کی صورت میں دادرسی کے لئے قانونی چارہ جوئی کرنے کی اجازت ہے۔

شوہر کے حقوق

عائلی زندگی میں جس طرح بیوی کے حقوق کی ادائیگی شوہر کے لئے پورے کرنا ذمہ داری کے زمرے میں آتا ہے، اس طرح شوہر کے حقوق کا بیوی کے لئے پورا کرنا اتنا ہی واجب ہے، گھر کی کامیاب زندگی دونوں کے باہمی اتفاق، تعاون، محبت اور احترام باہمی سے ہی ممکن ہے، گھر کے امور میں شوہر چونکہ جوابدہ ہے اس لئے اس کے اہل خانہ کو اس کی مدد کرنا ہوگی، تاکہ وہ کامیابی سے گھر کا نظام چلانے پر قادر رہ سکے، ذیل میں اس سلسلہ میں ان ذمہ واریوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو شوہر کے بیوی پر حقوق متصور کیے جاتے ہیں۔

بہتر عورت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی عورت کو بہتر کہا جا سکتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورت جسے جب اس کا شوہر دیکھے تو اسے خوشی حاصل ہو، جب اسے حکم دے تو بجا لائے اور کبھی اپنی ذات یا مال کے بارے میں کوئی ناگوار بات نہ کرے۔ (ابوداؤد)

اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو خوش اخلاق، اطاعت گزار اور دیانت دار و امین ہونا چاہیے۔

ضروری بستر بنا کر رکھنے کے متعلق

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

''ایک بستر آدمی کے لئے چاہیے اور ایک اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کا ہوگا۔'' (یعنی جو لوگوں کو دکھانے اور اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے بنایا جائے) (صحیح مسلم)

☆☆☆

☆☆☆

انشاء نامہ

ابن انشاء

پچھلے دنوں ہمارے دشمنوں کی یعنی ہماری اپنی طبیعت ناساز رہی تو یہ عقدہ کھلا کہ اب تک جو ہم خلق خدا کو تین قسموں میں تقسیم کرتے تھے، ڈاکٹر، بیمار اور تیمادار، یہ ناحق کا پھیلاؤ تھا، دنیا کی آبادی کو دو حصوں میں با آسانی بانٹا جا سکتا ہے، ایک بیمار، ایک معالج، کیونکہ تیمادار کوئی علیحدہ طبقہ نہیں، ان میں آدھے بیمار ہوتے ہیں، آدھے معالج ہوتے ہیں بلکہ ان کی بڑی تعداد تو ایک وقت بیمار اور معالج ہوتی ہے، خود کوزہ و خود کوزہ گر، خود گل کوزہ، ایک ذرا سی مثال دیتے چلیں، پچھلے دنوں حضرت طباشیر الحکمت حکیم عبد المنان اسبغول دہلوی بکریوں والے مشہور ہیں کیونکہ ان کے اجداد بکریوں کا علاج کرتے تھے، اپنے پتے کے علاج کے لئے ایک کلینک میں داخل ہوئے، پتے میں کیا خرابی تھی، ہمیں معلوم نہیں، دراصل پتہ مارتے بہت تھے، دن بھر مطب میں بیٹھتے، کام کرتے، نسخے اور غزلیں بناتے رہتے تھے، وہاں ان کا سابقہ ڈاکٹر ایم بی بی ایس بیگ ایم بی بی ایس سے پڑا، یہ ڈاکٹر صاحب اپنے سابقہ اور لاحقے دونوں طرف سے ڈاکٹر معلوم ہوتے ہیں جس طرح دومونہی کے دو منہ ہوں، لیکن فی الواقع ایم بی بی ایس کا مطلب مرزا باقر بن سلطان ہے، ڈاکٹری فقط انہیں لاحق ہوئی ہے، خیر کلینک میں ڈاکٹر بیگ بھی ہمارے حکیم صاحب کا اسٹیتھسکوپ سے امتحان کر رہے تھے کہ انہوں نے ان کی نبض پکڑ لی اور کہا۔

''آپ کو یرقان معلوم ہوتا ہے۔'' مزید اطمینان کے لئے حکیم صاحب کا قارورہ ڈاکٹر صاحب نے اور ڈاکٹر صاحب نے ان کے انجکشن لگایا، حکیم صاحب نے ان کی فصد کھولی، انہوں نے ان کو کیپسول کھلائے، انہوں نے معجون فلسفہ اور عرق گاؤ زبان سے تواضع کی، دونوں کو اللہ نے صحت دی، بل دونوں نے دیے، رقمیں برابر تھیں، لہٰذا یہ بھی خوش، وہ بھی خوش۔

خیر اس وقت بحث اپنی یا حکیم صاحب کی بیماری کی نہیں، تذکرہ تیمارداری کا تھا، ہوا یہ کہ پچھلے دنوں ہمارے ایک دوست کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، کسی پھڈے میں اڑا کر انہوں نے توڑ دی اس کے ذکر کا یہ موقع نہیں، بہرحال اسپتال میں داخل ہوئے، ڈاکٹر نے پلستر چڑھایا اور پیر چرخی سے باندھ دیا، ہم بھی انہیں دیکھنے گئے، ہمیں تیمارداری اور عیادت کا زیادہ تجربہ نہیں، لہٰذا ان کا حال پوچھا اور یہ کہہ کر ان کے پاس بیٹھ گئے کہ اچھا جس حال میں رہو، خوش رہو لیکن ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کئی اور لوگ ان سے ملنے آئے، جس سے کھلا کہ تیمارداری میں بھی باون بکسوئے لگتے ہیں، یہ بھی ایک طرح سے علم دریاؤ ہے، ایک تیماردار ان میں داروغہ جی تھے، موچھوں کو خضاب لگائے، کمبل اوڑھے ہائے ہائے کرتے ہوئے، تو وہ کیا ہمارے دوست کی خیریت پوچھتے، اس نے پوچھا۔

''داروغہ جی! کیسے ہیں آپ؟''

وہ ایک ہی کشتہ تیغ ستم نکلے، بولے۔

''کچھ نہ پوچھو، یک بیماری و صد آزار، چار

روٹی زیادہ کھا لوں تو معدے میں گرانی ہو جاتی ہے، سوتے وقت دو پیالے چائے کے زیادہ پی لوں تو نیند آتی ہے، پر نہیں آتی، کان الگ سائیں سائیں کرتے ہیں، سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر، ان سب امراض شاقہ پر مستزاد، آنکھ پر گوہا بجنی نکل آئی ہے، اس سے تو موت بھلی۔"

ہمارے دوست نے ان سے مناسب الفاظ میں ہمدردی کی، اتنے میں ایک اور غم خوار آ نکلے، ہانپتے کانپتے، ہاتھ میز پر رکھتے ہوئے بولے۔

"میاں! تمہیں دیکھنے آ گیا ہوں، ورنہ زندگی حرام ہے، چار کوس پیدل چل لوں تو سانس پھول جاتا ہے، اس بہتر سال کی عمر میں یہ حال ہے تو بڑھاپے میں تو جانے کیا ہوگا۔"

ہمارے دوست نے ان کو بھی تسلی دی، اب ایک اور بزرگ وارد ہوئے، کانپتے ہوئے، آتے ہی آواز لگایا۔

"کہو میاں! ٹانگ ٹوٹ گئی کیا؟" پھر جواب کا انتظار نہ کیا، اپنی کیفیت بیان کرنی شروع کر دی۔

"آج پانچواں دن ہے، زکام ہو رہا ہے، چھینکیں الگ آ رہی ہیں، گلا خراب ہو رہا ہے، جوشاندہ پیا لیکن مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی۔"

ہمارے دوست نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

"رب العزت! آپ کو جلد اچھا کرے۔"

انہوں نے ایک زور کی چھینک ماری اور آمین کہہ کر تیسری کرسی پر بیٹھ گئے، چوتھے صاحب نے آ کر اپنی داڑھ کی تکلیف بتائی اور ہمارے دوست سے خراج ہمدردی وصول کر کے کہنے لگے۔

"اپنی نرس سے ایک پیالہ سوپ کا میرے لئے منگا دیجئے کہ ڈاکٹر نے ٹھوس غذا سے منع کیا ہے۔" غرض کہ لوگ آتے گئے اور اپنی اپنی تکلیفوں کی شرح کرتے گئے، انہی میں کچھ ایسے تھے کہ ہمارے دوست کی ٹانگ پہ آ کر زور مارتے تھے اور جب ان کی چیخ نکلتی تو تعجب سے کہتے۔

"اچھا تکلیف ہوتی ہے، پلستر اتار دو، اس پر سوجی کا حلوا باندھو، مجرب ہے۔"

ایک نے لونگ کے تیل کی مالش بتائی، ایک نے جناب رئیس امروہوی صاحب کے مضامین پڑھنے اور تزکیہ نفس کا مشورہ دیا اور کہا۔

"اس سے ٹانگ خود بخود جڑ جائے گی۔"

ایک اور صاحب بولے۔

"نمک سلیمانی کے غرارے کرو، سوزش دور ہو جائے گی۔"

ایک نے تو باقاعدہ ان کو اسپتال سے بھاگ جانے کا مشورہ بھی دیا اور کہا کہ فلاں تکیے پر ایک اللہ والے درویش بیٹھتے ہیں، وہ راکھ کی چٹکی دیں گے، اس ٹانگ کے ٹوٹے ہوئے حصے پر چھڑک دینا، فوراً شفا ہو گی، تھوڑا سا گوند اس راکھ کی چٹکی میں ملانے سے تو کٹی ہوئی ٹانگ بھی جڑ جاتی ہے۔" یہی تو وہ مرحلہ ہے جہاں آ کر بیمار، تیماردار اور معالج سب ہی ایک ذات میں جمع ہو جاتے ہیں، سچ یہ ہے کہ تصوف سے تو ہمیں ایک زمانہ سے لگاؤ تھا اور قوالی کی محفلوں میں سر دھنتے اور لنگر کھاتے بھی ایک عمر ہوئی تھی لیکن وحدت الوجود کے معنی اس روز پہلی بار آشکار ہوئے۔

☆☆☆

ایک دن حنا کے ساتھ

عالی ناز

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

میرے سوہنے موہنے قارئین کرام اور حنا کے تمام سٹاف خصوصاً فوزیہ آپی کے لئے ڈھیروں ڈھیر دعائیں، بہت عرصے سے "ایک دن حنا کے نام" میں اپنے دن رات کے بارے میں لکھنے کا سوچ رہی تھی جیسا کہ شگفتہ شاہ صاحبہ نے کہا کہ فوزیہ آپی اتنے پیار اور خلوص سے لکھنے کا کہتی ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بندہ لکھنے بیٹھ جاتا ہے لیکن I am so sorry کہ اس بار میں بہت ہی لیٹ ہو گئی ہوں چاہ کر بھی اور آپ سب کی محبتوں اور اصرار کے باوجود بھی لکھ نہیں سکی تو وجہ میرے دن رات کی روٹین کا تضاد اور بے پناہ مصروفیت تھی، اجی اب آپ کو کیا بتائیں قارئین ہماری مصروفیات کیا تھی؟ ہم عجیب "ویلے مصروف" قسم کے بندے ہیں، (یعنی کہ بندی ہیں) میری روٹین کبھی ایک سی رہی ہی نہیں لیکن اس کے باوجود لگتا ہے کہ جیسے ہر دن تقریباً ایک جیسا ہی تھا، میری کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا کہاں سے لکھوں کیا لکھوں اور کیسے لکھوں، میں دن میں بالکل بھی فارغ نہیں ہوتی لیکن دیکھا جائے تو کچھ کرتی بھی خاص نہیں ہوں، سب سے پہلے آپ حضرات کو بتاتی چلوں کہ میں انتہائی غیر مستقل مزاج اور عجیب بے ڈھنگی سی نیچر کی لڑکی ہوں، حال ہی میں ایم اے اسلامیات سے فراغت پانے کے بعد اب "گوا چی گاں" کی طرح منہ اٹھائے گھر میں یہاں سے وہاں دوڑیں لگاتی رہتی ہوں، ارے خالی دوڑیں ہی نہیں لگاتی جناب کام بھی کرتی ہوں، کون سے کام؟ تو سنیں بتاتی ہوں آپ کو، میرے دن کا آغاز آنکھیں کھولنے سے ہوتا ہے، چونکہ آج کل گرمی کی وجہ سے چھت پر سوتے ہیں تو اٹھتے ہی پہلے میں اپنے گھر کے تمام افراد اور ان کی چارپائیاں چیک کرتی ہوں کہ کون کون اٹھ گیا ہے اور کون کون خواب غفلت میں ہے ابھی تک؟ چونکہ میری ماما نہیں ہیں اور بڑی دونوں آپیوں کی شادی ہو چکی ہے تیسری آپی ایم بی اے کرنے کے بعد جاب کرتی ہیں اس لئے اپنے بہن بھائیوں کو اٹھانے جگانے، سلانے، کھلانے، پلانے، پہنانے اوڑھانے اور تیاری کروانے غرض ہر قسم کی ذمہ داری مجھ پر ہے، تو اٹھتے ہی پہلے اپنی چارپائی سے ہی ہانکیں لگانا شروع کر دیتی ہوں۔

"اوئے ابرار، ندیم، کلیم (تینوں مجھ سے چھوٹے بھائی ہیں) اٹھ جاؤ، سورج کہاں چڑھ آیا ہے، دیکھو تو سہی آنکھیں کھولو ورنہ مار کھاؤ گے۔"

پھر جب تک یہ لوگ وہاں سے اٹھ نہیں جاتے میری صدائیں اور دھمکیاں مسلسل جاری رہتی ہیں، وہ الگ بات کہ یہ لوگ نیچے آ کر پھر سے سو جاتے ہیں مگر مجھے تسلی رہتی ہے کہ چلو ایک بار تو اٹھا دیا ناں میں نے، اس کے بعد میں سب بستر وغیرہ اٹھا کر اپنی چارپائی سے اپنی چیزیں یعنی موبائل، کلپ، بک اگر کوئی رکھی ہو تو اور پانی کی بوتل وغیرہ اٹھا کر لدی پھندی بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ نیچے آتی ہوں اور آتے ہی

شاور لینے باتھ روم میں گھس جاتی ہوں تب تک بڑی سسٹر ناظرہ اپنی تیاری مکمل کر چکی ہوتی ہے جاب پر جانے کے لئے پھر میں "ملک شیک" تیار کرکے اپنے بابا جانی اور ناظرہ کو ناشتہ کرواتی ہوں اس کے جانے کے بعد مجھے سب بچوں کے سکولز کے لئے نکل جانے کا شدت سے انتظار کرنا پڑتا ہے، سب بچوں سے میری مراد دو بھابیوں کے آٹھ عدد بچے ہے، مجھے لگتا ہے یہاں مجھے آپ کو اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتانا چاہیے، اصل میں ہم چار بہنیں اور ماشاء اللہ سات بھائی تھے، ایک بھائی کی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی تھی تو اب چھ بھائی ہیں، جن میں سے تین بھائی شادی شدہ اور ماشاء اللہ بال بچوں والے ہیں، ایک بھائی الگ اور دو اسی گھر میں ہمارے ساتھ ہی ہوتے ہیں، بس پورشن ذرا الگ الگ ہیں، تین بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں جن کا ذکر میں نے تھوڑی دیر پہلے کیا اور بہنوں کے بارے میں بھی آپ کو بتا چکی ہوں، تو جناب اب آگے بڑھتے ہیں ہاں جی تو مجھے سب بچوں کے لئے اپنے اپنے سکولز میں پہنچ جانے کا انتظار رہتا ہے تاکہ ان کے جانے کے بعد میں پرسکون انداز میں خراماں خراماں ٹہلتی ہوئی صفائی ستھرائی کا کام نمٹا سکوں، میں جلدی کام ہرگز نہیں کرتی بلکہ سست روی سے ٹھہر ٹھہر کر ہاتھ پاؤں ہلاتی ہوں، کیونکہ اس فزیکل کام کے ساتھ ساتھ مجھے علامہ اقبال اور قائداعظم کی طرح دور کی سوچ بچار کا کام بھی تو کرنا ہوتا ہے، پتہ نہیں کیوں کام کے وقت میں ہی کمبخت دنیا جہان کی سوچیں ذہن پر یلغار کرتی ہیں، (ہک ہاں)

خیر تقریباً آٹھ بجے میں ایک بار پھر ابرار اور ندیم جو کہ نچلے پورشن میں سو رہے ہوتے ہیں ان کے سروں پر مسلط ہو چکی ہوتی ہوں، انہیں سخت سست اور بے نقط سنانے کے بعد ان کا ناشتہ تیار کرنے کا سوچتی ہوں، ہاں جی صرف سوچتی ہی ہوں تیار نہیں کرتی کیونکہ ناشتہ تو وہ دس گیارہ بجے کرتے ہیں، تب تک بابا جانی دوکان سے واپس آجاتے ہیں تو ان کی ٹانگیں وغیرہ دبانے اور میڈیسن دے کر، تقریباً نو بجے ایک بار پھر گھر کی حالت دیکھ کر صفائی کا خیال کسی جن کی طرح آن چمٹتا ہے تو کمپیوٹر پر تلاوت، نعت یا Song چلا کر خود "لنگوٹا" کس لیتی ہوں، ارے؟ لنگوٹا کسنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ کام جلدی کروں گی، کام پھر بھی وہی ازلی سستی اور سج کے ساتھ ہی ہو گا، دس گیارہ بجے اس کڑی محنت کے بعد گھر جگمگا اٹھتا ہے تو دل کی گہرائیوں میں بے پناہ سکون اترتا محسوس کرتی ہوں اس دوران ابرار، ندیم کی ناشتہ، ناشتہ کی رٹ شروع ہو جاتی ہے تو فارغ ہوتے ہی ان کا ناشتہ تیار کرلیتی ہوں، اس کے بعد تقریباً ایک آدھ گھنٹہ اپنا ذاتی ہوتا ہے چاہے تو فون پر آپیوں یا کسی فرینڈ سے گپیں لڑا لوں چاہے سو جاؤں یا چاہے ٹی وی یا کمپیوٹر کے آگے بیٹھ جاؤں اس وقت میں کوئی ناول، ڈائجسٹ یا تحریر و بک وغیرہ پڑھنا مجھے بہت پسند ہے مگر کیا کروں کہ اس وقت میں بھی کبھی مجھے پراپر اپنے لئے ٹائم نہیں ملتا کیونکہ کبھی کوئی مہمان آجاتا ہے تو کبھی کوئی ہمسائی یا اگر کوئی اور نہ آئے تو مجھے بھابیوں کے ساتھ کہیں کسی کی عیادت یا تعزیت کے لئے جانا ہوتا ہے۔

ایک تو فیملی بڑی ہونے کی وجہ سے اور دوسرے ہم سب کے سوشل ریلیشن زیادہ ہونے کی وجہ سے گھر میں وقت بے وقت کوئی نہ کوئی مہمان ضرور آیا رہتا ہے، کبھی کبھی تو میں بے حد فیڈ اپ ہو جاتی ہوں، اس میزبانی اور مہمان نوازی سے، اسی دوران دوپہر کے کھانے کا بھی

بندوبست کرنا ہوتا ہے، اتنی شدید گرمی میں کچن کا کام کون سا آسان مرحلہ ہے؟ آپ تو جانتی ہی ہوں گی، آخر کو بھی صنف نازک ہی ہو ناں کچن سے واسطہ تو پڑتا ہی ہے۔

ابھی ہم دوپہر کے کھانے کی تیاریوں میں بری طرح غرق ہوتے ہیں کہ بچے (طوفان کی طرح) گھر پر حملہ کر دیتے ہیں۔

''اوئے جوتا اتار کے اندر آنا، یہ گندا مت کرو، وہ چیز یہاں نے پھینکو، یہ ریپر اٹھاؤ، گھر صاف رکھنا۔'' جیسی کئی صدائیں وقتاً فوقتاً ہمارے منہ سے بلند ہوتی رہتی ہیں مگر مجال ہے کوئی اثر ہے، بابا جانی اور بھابھیاں میری ان صداؤں سے بے حد بیزار رہتے ہیں کہ ''بچے تو آخر بچے ہوتے ہیں انہیں کھیلنے تو دو، یہ گھر گندا نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟ ہر بات پر نہ ٹوکا کرو۔'' مگر میں کیا کروں جناب اپنی دو گھنٹے کی محنت اور چمچماتی صفائی کا ''بیڑا غرق'' ہوتے دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں جاتا اور میری صداؤں میں کمی کی بجائے اور تیزی آ جاتی ہے، ندیم ابرار اور کلیم بھی کبھی مل کر ان کے ساتھ دھما چوکڑی مچاتے ہیں، تو میرا پارہ سوا نیزے پر پہنچ جاتا ہے اور دوپہر کے کھانے کے بعد میں انہیں گھر کے پچھلے کھلے صحن میں بھیج دیتی ہوں، (اب گرمی اور دھوپ کی وجہ سے یہ بھی ممکن نہیں رہا، بھابھیاں اور بچے سب ہمارے ہی پورشن میں ہوتے ہیں زیادہ تر) تب ذرا سکھ اور شانتی کا لمبا سانس ابھی بھرتی ہی ہوں کہ تین بجے ٹیوشن والے بچے آ دھمکتے ہیں، تین سے ساڑھے پانچ یا چھ بجے تک بچوں کو پڑھاتے وقت گزرتا ہے، دو تین مہمان تو اس وقت میں بھی نمٹانے پڑ جاتے ہیں اکثر، بچوں کے جاتے ہی شام کے کھانے کی فکر لاحق ہو جاتی ہے، شام کی کوکنگ کر رہی ہوتی ہوں جب ناظرہ کی واپسی ہوتی ہے، اسے دیکھ کر میری آدھی تھکن اتر جاتی ہے مگر شاید میری یہ آدھی تھکن بھی اتر کر اس کی طرف چلی جاتی ہے اس لئے وہ آتے ہی بیڈ پر ایسی دراز ہوتی ہے کہ رات کو آوازیں دینے پر بھی بمشکل اٹھتی ہے اور چند منٹ بابا جانی اور میرے پاس بیٹھ کر چھت پر سونے چلی جاتی ہے، تب میں فوراً سب کے بستر چھت پر سیٹ کرتی ہوں اور بابا جانی کو میڈیسن اور کھانا دینے کے بعد سونے سے پہلے انہیں اچھی طرح دبانا اور ان کی خدمت کرنا ہرگز نہیں بھولتی، ناظرہ اور چھوٹے بھائی بھی اس نیک کام میں میری مدد کرتے ہیں، اس کے بعد ایک بار پھر فون یا ٹی وی یا کچھ پڑھنے میں بزی ہو جاتی ہوں تا کہ ابرار اور ندیم لوگوں کے انتظار میں وقت کاٹنا مشکل نہ لگے، پہلے میرا یہ وقت ڈائری، کہانی یا شاعری لکھنے میں گزرتا تھا لیکن جیسا کہ میں نے پہلے ہی آپ کو بتایا کہ میں بے حد غیر مستقل مزاج ہوں اور ایک ہی روٹین یا کام مسلسل برقرار نہیں رکھ سکتی اس لئے اس وقت میں میرے مشاغل چند دن بعد بدلتے رہتے ہیں، چند دن اس وقت میں، میں ٹی وی دیکھتی ہوں۔

دس گیارہ اور کبھی بارہ بجے تک کچن سمیٹ کر میں بھی ناظرہ کے ساتھ بستر پر دراز ہو جاتی ہوں، لیکن سوتی مرضی سے ہی ہوں، رات کا کھانا ہم اکثر نہیں کھاتے بس بابا جانی یا کبھی کسی اور کا دل کرے تو وہ کھا لیتا ہے۔

نماز کی اتنی پابند نہیں ہوں، لیکن جب قائم کرتی ہوں تو اچھے طریقے سے ادا کرتی ہوں میری کیفیات، جذبات احساسات اور سوچ ہر دن بدلتی رہتی ہے اسی حساب سے میرے دن رات کی روٹین بھی چینج ہوتی رہتی ہے، کبھی کسی چیز کا شوق سر پر سوار ہو جاتا ہے، تو کبھی کسی چیز کا

ابھی تک ہم بڑی آزادی سے شتر بے مہار کی طرح ہر دم اچھلتے کودتے اور ہر کام میں پنگا لیتے ہیں، کیونکہ ابھی تک منگنی یا شادی نام کا کوئی پھندا ہمارے گلے نہیں پڑا، طریقہ سلیقہ زندگی کے لئے بے حد ضروری ہے لیکن پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ یہ بے ترتیبی بھی زندگی کے لئے بہت اہم ہے، تو جناب یہ تھی ہماری آج کل کے دنوں میں صبح سے شام اور شام سے پھر رات تک کی تفصیل، مجھے معلوم ہے میری روٹین پڑھ کر آپ لوگ بور تو نہیں ہوں گے البتہ کچھ عجیب سے لگے گا آپ کو، کہ باقی رائٹرز کی طرح کوئی طریقہ، ترتیب یا سوچ کی پختگی نہیں ہے، لیکن میں نے بتایا ناں کہ میری سوچ اور کیفیات ہر دم بدلتی رہتی ہیں، اگر ایک وقت میں، میں لاابالی اور بچوں جیسی نظر آتی ہوں تو دوسرے وقت میں ایک میچورڈ اور سمجھدار خاتون لگتی ہوں، یہ قول میری بہنوں کا ہے میرے متعلق جو آپ تک پہنچا رہی ہوں، میری بہنیں بھابھیاں اور فرینڈز کہتی ہیں کہ ''اس لڑکی کی ہمیں سمجھ نہیں آتی، یہ ہر کام میں ''پنگا'' لیتی ہے اور پھر ہمیں حیران کر دیتی ہے، ہم اس کی سمجھداری کی بھی قائل ہیں اور اس کی بے وقوفیوں کے بھی۔''

تو بس یہی تھی وہ روداد جو مجھے لکھنا مونٹ ایورسٹ سر کرنے کے برابر لگ رہا تھا، اصل میں اپنے بارے میں کچھ لکھنا بہت مشکل ہے، یا تو کچھ بھی نہ لکھوں یا پھر سب کچھ لکھ دوں، خیر چند ایک چیدہ چیدہ پوائنٹس آپ تک پہنچا دیئے ہیں، باقی آپ کو میری طرف سے کھلی اجازت ہے کہ آپ میرے بارے میں کچھ بھی قیاس لگا سکتی ہیں، ویسے شگفتہ شاہ کی زندگی کے بارے میں جان کر میں حیران بھی ہوئی اور ان کو پڑھ کر بہت اچھا بھی لگا۔

مئی کے شمارے میں سارا حیدر نے میرے نام خصوصی فرمائش بھیجی تھی، تو بس آپی فوزیہ اور آپ قارئین کی ان محبتوں کی وجہ سے میں اپنے بارے میں اتنا بتانے کی ہمت کر رہی ہوں، (کوئی چیز غلط لگے تو معذرت)

اوئے سنڈے کے دن کے بارے میں تو میں نے لکھا ہی نہیں، خیر اس دن تو بے احتیاطی بے ترتیبی اور...... اور بے نیازی بالکل ہی عروج پر ہوتی ہے اور کام پہلے سے بھی بڑھ کر کیونکہ مجھے ناظرہ کے ساتھ کہیں جانا بھی پڑ جاتا ہے اور کپڑے بھی دھونے ہوتے ہیں، کبھی ناظرہ یہ بیڑا اپنے سر اٹھا لیتی ہے تو کبھی میں جمعے کی روٹین بھی چینج ہوتی ہے مگر چھوڑیں اب آپ کہیں گے کہ یہ تو شروع ہی ہو گئی اور ہاں اگر میں اپنے آپ کو بے ترتیب اور لاپرواہ سا کہہ رہی ہوں تو خبردار آپ میرے متعلق یہ ہرگز گمان مت کیجئے گا کہ میں کوئی پھوہڑ، جاہل یا کاہل عورت ہوں، ارے بھئی یہ تو میں بس اپنی تعریف کر کے ''میاں مٹھو'' نہیں بننا چاہ رہی تھی اس لئے ایسا لکھا ورنہ اتنی بھی غیر ذمہ دار نہیں ہوں بلکہ لوگ اور رشتہ دار اکثر میری اور میرے سلیقے کی مثال دیتے ہیں، (ہاں)

اچھا بھئی بہت وقت لے لیا آپ کا، اگر ابھی اللہ حافظ نہ کہا تو شاید پورا ''حنا ڈائجسٹ'' میری ہی باتوں سے بھر جائے، اس لئے عالی ناز کو بلکہ ''اپنی'' عالی ناز کو اجازت دیں، اللہ نگہبان، شکریہ۔

☆☆☆

تم آخری جزیرہ ہو

ام مریم

چھتیسویں قسط کا خلاصہ

مسز آفریدی کو جہان کے نکاح کی خبر مشتعل کر دیتی ہے، شاہ ہاؤس میں آ کر وہ اچھا خاصا واویلا مچا کر ژالے کو ساتھ لے جانے پہ مصر ہوتی ہیں، مگر ژالے ان کی بجائے جہان کی طرفداری کر کے اپنی محبت اور وفا کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

آفس جاتے ہوئے معاذ کو نامعلوم افراد اغواء کر لیتے ہیں، یہ خبر پریتیاں کے ساتھ شاہ ہاؤس کے مکینوں پر بجلی بن کر گرنے والی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

سینتیسویں قسط

حسین رت میں گلاب چہرے
ہمیں بتاؤ اداس کیوں ہو؟
دلوں پہ بیتی ہوئی کہانی
مجھے بتاؤ اداس کیوں ہو؟
جو رنجشیں دل میں پل رہی ہیں
منافقت میں جو ڈھل رہی ہیں
بھلا کے شکوے مٹا کے دوری
گلے لگاؤ اداس کیوں ہو؟
کتاب دل کے ہر اک صفحے پر
لکھا ہے ہم نے لفظ محبت
ہمیں ہماری وفا کے بدلے
سزا سناؤ اداس کیوں ہو؟
فریب کھانا بھی مشغلہ ہے
فریب دینا بھی مشغلہ ہے
تو دل کے لٹنے پہ کیسا ماتم
خوشی مناؤ اداس کیوں ہو؟

جہان نے نظم مکمل کی پھر اسے دیکھا تھا، اس کا سر اس طرح جھکا ہوا تھا اور چہرے کی یاسیت چھپائے نہیں چھپتی تھی، افسردگی کا سوز کا یہ تاثر اسے مزید دلنشین بنا کر دکھلا رہا تھا، جہان کی نگاہ اس کے چہرے پہ اٹکنے لگی۔

''کیا بوریت ہے یار! تمہارے کہنے پر آنس نہیں گیا، تمہارا موڈ پھر بھی خراب ہے۔'' وہ ناچاہتے ہوئے بھی جھنجلانے لگا، زینب نے پلکیں اٹھا کر سنجیدہ سی نگاہ اس پہ ڈالی۔

''میری وجہ سے نہیں، آپ گاڑی کی وجہ سے نہیں گئے۔'' اس نے جتلانا ضروری سمجھا، خوشنما آنکھوں سے برہمی مترشح تھی۔

''گاڑی کا ٹائر محض پنکچر تھا، میں اسے سروس کرا سکتا تھا، میں صرف تمہاری وجہ سے رکا ہوا ہوں اوکے؟'' اس کی صبیح پیشانی پہ انگشت شہادت سے ٹھوکا لگا کر وہ بھی جواباً جتلانے سے باز نہیں آیا، انداز حتمی تھا، زینب فطری طور پہ خفیف ہوئی تھی، البتہ اظہار ضروری نہیں سمجھا۔

''بہت شکریہ اس نوازش کا۔'' زینب نے بے نیازی کا تاثر دیتے اٹھ کر وہاں سے جانا چاہا تھا کہ جہان نے نخوت کے اس اعلیٰ مظاہرے پہ قدرے غصے میں آتے اس کی کلائی پکڑ کر جھٹکا دیا، نتیجے میں وہ اس کے اوپر گرتے بچی تھی بھی تو اس کے ہی کاندھے کو دبوچ کر، دوسرا ہاتھ اس کے سینے پہ جما ہوا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے جے!'' اس کے اوسان واقعی خطا ہو گئے تھے، صرف جھنجلاہٹ نہیں تھی، اس کی قربت کے سحر نے بھی اثر دکھاتے اسے بوکھلا ڈالا تھا، گال تپے تپے سے تھے۔

''تم نے روکا تھا مجھے، خمیازہ تو بھگتنا پڑے گا، ادھر میرے پاس تو آؤ ذرا۔'' وہ اٹھ کر بیڈ پہ جا بیٹھا، اب اسے بلا رہا تھا، مقصد واضح تھا، زینب کی تو جیسے جان پہ بن آئی۔

وہ فطری طور پہ حجاب کے حصار میں گھر گئی، ساری طراری جیسے لمحوں میں ہوا ہوئی تھی، جہان کی نگاہوں میں اتنی چمک اور بھرپور تاثر تھا کہ زینب نے گھبرا کر نگاہیں جھکا دیں۔

''مم...... میں نے آپ کو اپنے نہیں ژالے کے لئے روکا تھا، سمجھ آئی آپ کو؟ اس کے پاس جائیے، کل رات جو کچھ ہوا، اس کے بعد کتنی اپ سیٹ ہے وہ، اندازہ تو ہو گا آپ کو۔'' اب کے وہ بولی تو اس کا لہجہ دبا ہوا ہی نہیں کترایا ہوا بھی تھا، اس کے رومینٹک موڈ سے جان چھڑانے کا اسے اس سے بہتر حل نظر نہیں آیا تھا، اسے متبسم نظروں سے دیکھتا جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''یار! کیسی سوتنیں ہو تم دونوں؟ ایک دوسرے کا اتنا خیال...... اور میری پرواہ کسی کو بھی نہیں۔'' آنکھوں میں ہلکا سا شکوہ بھی تھا اور ناراضگی بھی، زینب نے دانستہ اسے نہیں دیکھا۔

''بے فکر رہیں، ژالے کو آپ کی بہت پرواہ ہے۔'' اب کے اس کا لہجہ و انداز کسی حد تک طنز آمیز تھا، جہان آنکھوں میں خفگی سموئے اسے دیکھتا رہا۔

''مگر میں تم سے بھی ایسا ہی اظہار چاہتا ہوں زینی! اور میں سمجھتا ہوں یہ میرا حق ہے۔'' تکیہ بازوؤں میں دبوچے وہ قدرے ترچھا ہو کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اب پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا، زینب پہ اس قدر بے گانگی رکھائی اور جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی۔

''ژالے کو آپ سے محبت اس لئے ہے، کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں، مجھ سے کس حساب میں کر رہے ہیں یہ تقاضا......؟''

اس حد تک بدگمان اور بدمزا ہو رہی تھی وہ کہ آنکھیں نکال کر جہان کو گھورنے لگی، جہان نے جواباً گہرا سانس کھینچا تھا اور تکیہ بازوؤں سے نکال کر سائیڈ پہ ڈال دیا، پھر نچلا ہونٹ دبا کر ذومعنی متبسم نظروں سے اسے بہت غور سے دھیان سے دیکھتے ہوئے گمبھیر تر لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''اگر ایسی بات ہے تو پھر تمہیں مجھے ژالے سے دس گناہ بڑھ کر اہمیت و محبت سے نوازنا چاہیے کہ میں تمہیں......''

''مجھ سے غلط بیانی مت کیا کریں جے! سخت نفرت ہے مجھے جھوٹ سے......'' اس کی بات کاٹ کر اگر وہ چلائی تھی تو اس کی وجہ خود اپنے اندر کی کمزوری تھی، جہان کا آنچ دیتا لہجہ محبت سے لبریز نرم گرم انداز اس کی آواز کے بھاری پن میں کچھ ایسا تھا کہ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں، مختل حواسوں پہ قابو پانے کی کوشش میں اس کی آواز لرز اٹھی تھی، جہان کی قربتیں اسے خائف ہی نہیں کمزور بھی کر رہی تھیں، ہر مصلحت ہر خوف سے دامن چھڑا کر اس مہربان ساتھی کے سینے میں خود کو سمو دینے پہ اکسا رہی تھیں، وہ ایسا کر لینا چاہتی تھی، مگر تیمور کا خوف شدید خوف اس کی اذیت بھری بے بسی کا سب سے بڑا باعث تھا، وہ یہ سب کرنے پہ کس حد تک مجبور تھی، اتنی کہ اس کا دل رو رہا تھا، سسک سسک کر بے حال تھا، دوسری جانب جہان تھا جو ایک بار پھر اس کے رویوں کی بدصورتی کی آنچ سے جھلس رہا تھا، ہونٹ بھینچے سرخ ہوتے چہرے و آنکھوں کے ساتھ بے حد خاموش نظر آنے لگا تھا۔

”میں نہیں یہ چاہتا زینب! کہ ہمارا تعلق ہمیشہ ایسا ہی رہے، میں اسے بہتر اور خوشگوار بنانے کا متمنی ہوں۔“

کچھ تاخیر سے وہ بولا تو اس کی آواز میں اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کا ہلکا سا ہی تاثر چھلک سکا تھا، بلاشبہ اسے ہمیشہ خود پہ اپنے جذبات پہ بہت کنٹرول رہا تھا، مگر اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ زینب کے معاملے میں وہ اپنے دل کے ہاتھوں ہمیشہ بے بس لاچار اور مضطرب ہی رہا تھا، زینب نے بہت خفگی آمیز جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہوکر اسے دیکھا۔

”اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہونا چاہیے جے کہ آپ مجھ سے جھوٹ بولنے لگ جائیں۔“ وہ بے حد شاکی ہوکر کہہ گئی، اس کے انداز میں بہت واضح صدمہ اور تاسف بیک وقت در آیا تھا اور جہان پہلی بار اس کی کیفیت سمجھنے کی بجائے جذبات کی رو میں بہنے لگا، محبت سے لبریز احساسات سے مہکتا دل اس درجہ بدگمانی یا لاعلمی پہ ایک دم سے ویران ہوا، آنکھوں کی جوت بجھ گئی، اسے لگا وہ آج بھی وہی ہٹ دھرم ضدی نخوت سے بھری ہوئی زینب ہے، جسے اس کی پرواہ ہے نہ اس کے جذبات کی بس جس اپنی انا عزیز ہے، وہ آج بھی اس سے اتنی ہی غافل اتنی ہی لاتعلق اور بے نیاز ہے، وہ دکھ اور اذیت سے دوچار ہی نہیں ہوا، بری طرح سے تپا بھی اور شدید ترین جھنجھلاہٹ کا بھی شکار ہو گیا۔

”اچھا تو تمہیں لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟“ وہ برہم سا پھنکارا۔

”مجھے یقین دلانے کو، محبت کا ثبوت پیش کرنے کو تمہارے سامنے جذباتی اور تھرڈ کلاس عاشقوں کی طرح اپنی وین کاٹنی پڑے گی؟ یا دریا میں چھلانگ لگا کر تمہیں یقین دلاؤں کہ آگ میں کود دوں بتاؤ۔“

وہ اس قدر جھلایا تھا کہ شاید غصے میں آ کر بولتا گیا، زینب آنکھوں میں آنسو لئے خاموشی سے اس کی جھنجھلاہٹ اور شدید ترین خفگی ملاحظہ کرتی رہی، پھر اس درشتی و تلخی کا سارا زہر اندر اتار کر بولی تو گلا غم سے بھرا رہا تھا۔

”کچھ نہیں کرنا ہوگا، میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ میں اتنی ایبلٹی نہیں ہے کہ میرے لئے کچھ کرسکیں آف کورس میں ژالے نہیں ہوں، جسے آپ نے جتنوں سے حاصل کیا ہے، میں تو زینب ہوں، زینب، جس سے قسمت نے ایک بار آپ کی جان چھڑائی تو دوسری بار پھر نصیب کی گردش نے اسے آپ کے دامن میں زبردستی ڈال دیا، کاش اس وقت میں نے خودکشی ہی کرلی ہوتی جب میری کوئی سن رہا تھا نہ مان رہا تھا تو آج اس درجہ اذیت و تلخی کا شکار تو نہ ہوتی میں۔“ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر وہ اتنی بے قراری سے اتنی شدتوں سے روئی کہ جہان تو ششدر بیٹھا رہ گیا، زچ و تاسف ملال اضطراب، کتنے احساسات تھے جو اسے جکڑ چکے تھے مجرمانہ کیفیت کے ہمراہ، آنکھوں میں عجیب سی درماندگی اتر آئی۔

(تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے زینب! مجھ میں ہی اتنی ایبلٹی نہیں کہ کچھ کرسکوں، پہلے کی بات تو اور تھی، میں تو اب بھی تم پہ پورا استحقاق رکھتے ہوئے تمہیں اپنی محبت کی شدت سے اس کی گہرائی تک بتانے سے جتلانے سے قاصر رہا ہوں، اس سے بڑھ کر اور بے بسی کیا ہوسکتی ہے، اس سے

بڑھ کر اور ناکامی کیا ہوسکتی ہے)۔ اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں، وجود میں بے نام تھکن اتر رہی تھی، زینب کو روتے دیکھنا اس کے لئے ہمیشہ اعصاب شکن مراحلہ رہا تھا، اس کے آنسو ہمیشہ اس کمزور کرتے آئے تھے، وہ بھی اسے اس انداز میں ڈھارس نہیں دے سکتا تھا جسے خواہش رکھتا تھا، وہ اب بھی اسے چپ نہیں کرا سکا، یہاں تک کہ زینب رو رو کر نڈھال ہوئی اور خود ہی چپ بھی کر گئی، ہاتھ سے رگڑ کر آنکھوں سے پھسلتی نمی صاف کرتے اس نے کتنی دکھی کتنی شاکی نظروں سے جہان کے گم صم ساکن انداز کو دیکھا جو اسے غافل اور بے نیاز ہی محسوس ہوا تھا اور آہستگی سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی، جہان میں اتنی ہمت بھی ناپید تھی کہ اسے روک لیتا، اس کی غلط فہمی دور کر لیتا، اسے منا لیتا، قدم گھسیٹ کر چلتے آنکھ سے بہتے آنسو اس کے پیروں میں رلتے اپنی قدر کھو رہے تھے، اس نے ہونٹ بھینچے اور اپنے پیچھے بالکنی کا دروازہ بند کر کے خود کو ریلنگ کے سہارے پہ چھوڑ دیا، اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھیں سمندر میں آ جانے والی طغیانی کا منظر پیش کرتی تھیں، اس وقت اسے سب کچھ بھولا ہوا تھا، سوائے جہان کی بے رخی و بے اعتنائی کے، یہاں تک کہ تیمور اس کے خوفناک ارادے اس کی منحوس عزائم اور اپنی بے بسی تک، دل بس ایک ہی زیاں اور ملال کے ہمراہ صدیوں کی تڑپ اور بلک کے ہمراہ ہوک رہا تھا، جو پوری ہو کے نہ دیتی تھی، اسے یاد تھا، اسے آج بھی یاد تھا جب دل کے ہاتھوں پوری طرح بے بس ہوتے اس نے تحسین کی معاذ کی سجائی محفل میں جہان پہ اپنے الفاظ میں کچھ واضح کرنے یا پھر اسے کچھ بولنے پہ اکسانے کو یہ نظم پڑھی تھی۔

مدتوں سے یہی عالم ہے نہ توقع نہ امید
دل پکارے ہی چلا جاتا ہے جاناں جاناں!
آخر آخر تو یہ عالم تھا کہ اب یاد نہیں
رگ مینا سلگ اٹھی تھی کہ رگ جاناں
کس قدر جلد بدل جاتے ہیں نا انسان جاناں
دل سمجھتا تھا کہ شدید ہوا افسردہ تو بھی
دل کی کیا بات کریں دل تو ہے ناداں جاناں
مدتوں سے یہی عالم ہے نہ توقع نہ امید
دل پھر بھی پکارے چلا جاتا ہے جاناں جاناں!
زندگی تیری عطا تھی سو تیرے نام ہی کی
ہم نے جیسی بھی بسر کی تیرا احساں جاناں

کس قدر کھل گئی تھی وہ اس پل جہان پہ، پوری طرح عیاں، مگر جہان کو نظریں چراتے پا کر اس کا دل کیسے ڈوب گیا تھا، پھر وہ وہاں سے اٹھی تھی تو جتنا بھی ٹوٹ گئی تھی مگر فیصلے کی انی سینے میں خود اتار لی تھی، فیصلہ جو زندگی سے ناطہ توڑ کر عمر بھر مغلوب ہونے کا تھا، تیمور کو ہاں کہنے جہان سے عمر بھر کو دستبردار ہونے کا فیصلہ، اس نے جان لیا تھا، جہان اس کا نہیں ہو سکتا، نہیں بلکہ اس نے یہ جان لیا تھا، کہ جہان اس کا نہیں ہونا چاہتا، ورنہ کیا تھا عار ایک اقرار میں، ایک اظہار میں، وہ محبت

میں توحید کی قائل تھی اور ہر گز بخل سے کام نہیں لینا چاہتی تھی، لیکن اگر جہان اس کا جہان نہیں تھا تو پھر وہ کسی کی بھی ہو جاتی، یہ ناقدری جہان سے نہیں سہہ سکتی تھی کہ ان چاہی ہے، اسے ان چاہی ہونے سے نفرت تھی، وہ ان چاہی بننا نہیں چاہتی تھی مگر نصیب سے لڑا کیا جاتا ہے، وہ بھی ہار گئی تھی بالآخر۔

نصیب نے اسے جتلایا تھا کہ وہ ان چاہی ہے، چاہے وہ تیمور کے حوالے سے ہو یا جہان کے، اسے ان چاہی ہی رہنا تھا، ایک تنگ پھندا تھا جو اسے اپنی گردن کے گرد کستا محسوس ہو رہا تھا، لان میں نیچے آرائشی گلوب کی روشنی میں اداس درختوں کی گھنی قطار آج بھی ویسے ہی سر اٹھائے کھڑی تھی جیسے اس فیصلے کی شب اداسی سے اسے آنسو بہاتے دیکھتی رہی تھی، معاً اس کے پیچھے دروازے پہ آہٹ ہوئی تھی، اس قدر مایوس کن ماحول میں بھی اس کا دل خوش فہمی کا احساس سمیت دھڑکا، اس نے بے اختیار گردن اٹھائی اور نم بھیگی آنکھوں سے جہان کو دیکھا، براؤن مخملیں گاؤن میں ملبوس اس کی غضب کی دراز قامت بے حد نمایاں تھی، مغرور خوبرو چہرہ ازلی بے نیازی کے تاثر کے ہمراہ نظر آیا۔

''آ کر لیٹ جاؤ، ژالے کی طبیعت کچھ اپ سیٹ ہے، مجھے اس کے پاس جانا ہوگا، فاطمہ اکیلی ہے۔'' زینب بے وقعتی اور ذلت کے احساس سمیت دنگ سی گئی، خوش فہمی بھاپ بن کر اڑی اور اذیت کے ساتھ تمسخر کا روپ دھارے اسے دیکھنے لگی، وہ کچھ نہیں بولی اور تیزی سے رخ پھیر لیا، آنسو ہی اتنی شدتوں سے امڈ آئے تھے کہ اسے کوئی رعایت کوئی مہلت دینے پہ بھی آمادہ نہیں تھے گویا۔

ریلنگ کو مضبوطی سے تھام لینے کے باوجود وہ باقاعدہ لرزنے لگی، غم و غصے سبکی و ذلت کے شدید احساس کے ہمراہ وہ رو رہی تھی، وہ اس سے خفا تھی، جہان کو پرواہ نہیں تھی، وہ اس کے ساتھ تھا اسے تب بھی ژالے کی پرواہ ژالے کی فکر تھی، اس توہین و تذلیل نے اسے جتنا بھونچکا کیا اسی قدر تنفر سے بھر دیا، اس قدر سناٹے اندر اتار دیے، جہان چلا گیا، وہ وہیں اکیلی کھڑی روتی رہی، کل کی طرح آج بھی وہ اپنے دکھ میں تنہا تھی، ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ جہان کی توجہ التفات اور سب سے بڑھ کر مس انڈراسٹینڈ کرنے کی خواہش کی حسرت پہ نوحہ کناں تھی۔

☆☆☆

پرنیاں نے ایک بار پھر وال کلاک پہ نگاہ ڈالی تھی اور تشویش میں مبتلا ہوتے معاذ کا پھر نمبر ملایا، وہاں ہنوز وہی صورتحال تھی، نمبر ہنوز آف تھا، بے قراری سے یہاں وہاں ٹہلتے ہوئے اس کی ٹانگیں شل ہونے لگیں جبھی تھکے ہوئے انداز میں صوفے پہ ٹک گئی مگر سکون کہاں تھا، جبھی اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی، پہلا سامنا ہی زیاد سے ہوا تھا، ہاتھ میں بیگ، بکھرے بال بازو پہ کوٹ ڈال رکھا تھا، وہ شکل سے ہی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

''زیاد بھائی! معاذ کو ہاسپٹل میں زیادہ ٹائم لگے گا؟ آئی مین کوئی ایمرجنسی ہے؟ ایکچوئیلی ان کا سیل فون بھی ناٹ رسپانڈنگ ہے۔'' پرنیاں خود کو استفسار سے روک نہیں پائی تھی مگر زیاد الٹا خود حیران نظر آنے لگا۔

''لالہ گھر نہیں آئے ہیں بھابھی کیا؟'' وہ جتنی حیرانی و تحیر سے استفسار کر رہا تھا، پرنیاں کا اضطراب اسی قدر بڑھا، نفی میں گردن ہلاتے وہ رونے کو تیار تھی، دل الگ ڈوبنے سا لگا۔

''حیرت ہے، آج لالہ ہاسپٹل تو آئے ہی نہیں، میں سمجھا گھر چلے گئے ہوں گے۔'' زیاد کے جواب نے گویا پرنیاں کی ساری توانائیاں نچوڑ لیں، وہ لمحوں میں زرد پڑتی گئی۔

''اگر وہ ہاسپٹل بھی نہیں گئے تو پھر کہاں گئے ہوں گے؟ کالج سے تو ان کا بارہ کے بعد آف ہو جاتا ہے۔'' وہ بولی تو اس کی آواز خدشات سے لرز رہی تھی، بہت سے واہمے اس کے چہرے پہ تاریکیاں پھیلانے کا باعث بننے لگے۔

''پریشان نہ ہوں بھابھی! ممکن ہے کسی کام سے کہیں چلے گئے ہوں، میں فون کر کے پتا کرتا ہوں کسی سے۔'' زیاد اسے تسلی دیتا خود تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا کہ صبح وہ اپنا فون گھر بھول گیا تھا، پرنیاں خوفزدہ و متوحش سی وہیں کھڑی رہی تھی اس کا انتظار کرتی ہوئی۔

''بھابھی! لالہ تو آج کالج بھی نہیں گئے ہیں، آپ نے کس وقت ان کا فون ٹرائی کیا تھا؟'' زیاد کچھ دیر بعد ہی واپس آ گیا تھا، اس کے چہرے پہ بھی واضح تشویش کے آثار نظر آنے لگے تھے، جبکہ پرنیاں تو اس اطلاع کے ساتھ ہی باقاعدہ ڈھے سی گئی تھی، اسے لگا تھا اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرے چھانے لگے ہوں، اگلے چند لمحوں میں یہ تشویش ناک خبر پورے شاہ ہاؤس میں پھیل کر پھپھو کے گھر تک جا پہنچی تھی، زیاد کے علاوہ جہان نے بھی اپنے طور پہ ہر جگہ فون کر کے پتا کر لیا تھا مگر حاصل وصول سوائے مایوسی اور پریشانی میں اضافے کے اور کچھ نہیں تھا، ایک دہشت انگیز شور پرنیاں کے اندر برپا ہوا تھا۔

''میرا دل رک جائے گا ماما! ان کی خیریت کی اگر فوری اطلاع نہ ملی تو......'' وہ باقاعدہ لرز رہی تھی، آنسو بہاتے ہوئے بولی تو مما جو خود بھی کچھ کم متفکر اور اذیت میں مبتلا نہیں تھیں بے اختیار اسے خود سے لگا لیا اور خود بھی ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھیں۔

''ک...... کیا ہوا......؟ خیریت......؟'' زینب چونکہ اپنے کمرے میں تھی بلکہ رو دھو کر فاطمہ کے اٹھنے پہ ہی فیڈر بنانے آئی تھی، ہر چہرے پر پریشانی و تشویش پا کر دھک سے رہ گئی، پہلا خیال ہی تیمور کے حوالے سے آیا تھا، اس نے کچھ اس طور ہراساں کر رکھا تھا کہ اگر پتا بھی کھٹکتا تو سہم جاتی، اس وقت بھی بامشکل حواسوں پہ قابو رکھتی لرزتی آواز میں بولی تھی۔

''معاذ بھائی کی وجہ سے پریشان ہیں سب، وہ صبح کالج گئے، ہیں نہ ہی ہاسپٹل پہنچے۔'' اس کی بات کے جواب میں ژالے نے تفصیل بتائی تھی، جو خود بھی کچھ نڈھال لگ رہی تھی مگر اس وقت بہت ہمت اور ضبط کا مظاہرہ کرتے سب کے درمیان موجود تھی اور پرنیاں کے ہاتھ سہلا رہی تھی جو ہر لمحہ سرد پڑتے جا رہے تھے، زینب کے چہرے پہ پہلے حیرت اتری پھر الجھن وغیرہ یقینی آخر میں اترنے والا احساس خوف اور دہشت بھرا تھا، جو دائمی تھا اور اسے سرد کر کے رکھ گیا تھا، وہ جہاں تھی ویسے ہی بے جان ہوتی ٹانگوں سمیت نیچے بیٹھتی چلی گئی، یوں جیسے اب کبھی کھڑی نہیں ہو سکے گی، اس کا رنگ ہر لمحہ زرد پڑتا جا رہا تھا، کچھ فاصلے پہ جہان کے علاوہ پپا زیاد اور حسان بھی اپنے طور پہ ہر جگہ فون کر کے پتا کروانے کی کوشش میں مصروف تھے مگر ہر جگہ سے ہی ناکامی و مایوسی کا سامنا

ہوتا تھا، جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ویسے ویسے ہر کسی کی تشویش اور اضطراب بڑھ رہا تھا، زینب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناتی ہوئی سرد لہریں اتر رہی تھیں، اسے لگا تھا تیمور نے اپنی دھمکی پہ عمل کر ڈالا تھا، اس کے خیال میں تو تیمور ایسی حرکت جہان کے ساتھ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، جبھی تو اس نے مختلف حیلوں بہانوں سے جہان کو گھر پہ روک لیا تھا، جہان نہ سہی معاذ سہی، بات تو ایک ہی تھی، نقصان میں فرق تو نہیں تھا، اس کا دل پاتال میں گرتا رہا، آنسوؤں کے سیلاب میں وجود ڈولتا رہا، اس کے پاس اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ وہ خود کو حالات کے بے رحم تھپیڑوں کے حوالے کر دے، اس خاندان کے کسی ایک فرد کو تو قربان ہونا تھا ہر صورت، تو پھر وہ کیوں نہیں، ہاں وہ صرف زینب ہو سکتی تھی۔

وہ زینب ہی ہونی چاہیے تھی، اس کا بھگتان نہ تو اس کے بھائی کو بھگتنا چاہیے تھا نہ جہان کو...... دونوں کی زندگیاں صرف قیمتی نہیں تھیں، ان سے وابستہ ہو جانے والی لڑکیاں بھی اس لپیٹ میں آئی تھیں اس کا دل جو تیمور کی جانب سے نفرت کے شدید احساس سے لبریز تھا، اس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ظلم ڈالے یا پھر پرنیاں پہ ہونے دے، ہونے والا فیصلہ دو دھاری تلوار تھا، جو اسے ہر لمحہ زخمی کرتا تھا، مگر ایسا فیصلہ وہ ایک بار پہلے بھی کر چکی تھی، ہر خوشی سے دستبرداری کا یعنی جہان سے دستبرداری کا، یہی فیصلہ اسے اب پھر کرنا تھا مگر وہ پہلے سے کئی گنا بڑھ کر اذیت و کرب کا شکار تھی تو وجہ یہی تھی، پہلے کسی طرح بھی اسے جہان نہیں ملا تھا، مگر اب کس طرح بھی سہی مگر اسے جہان مل تو گیا تھا، اس نعمت اس دولت کو پا کر پھر سے کھو دینے کو تو پہاڑ کا حوصلہ بھی کم تھا، اس کا کلیجہ ہر لمحہ شق ہوتا تھا دل آنسو بن کر پھیلتا جاتا تھا، وہ آنسو بہاتی وہاں سے اٹھی تو کسی کا بھی دھیان اس پہ نہیں تھا، یہ قیامت خیز گھڑی تھی جس میں ہر کوئی اپنی اذیت میں مبتلا تھا، پھر اس کے آنسو غیر معمولی کیوں محسوس ہوتے۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے کانپتے ہاتھوں کی لرزیدہ انگلیوں سے تیمور کا نمبر ملایا، وہ جو پچھلے کئی ماہ سے اسے تنہا باہر ملنے پہ آمادہ نہیں کر سکا تھا، اس کاری وار کے بعد اسے گھائل کر کے اپنے جال میں پھانسنے میں کامیاب رہا تھا، شدید شکست و ریخت میں مبتلا کرنے میں کامیاب، زینب کے اندر سرسراتی وحشت اس وقت اور بھی گہری ہونے لگی جب تیمور کا نمبر آف ملنے کا آنسر آنے لگا، وہ ہاتھ میں فون لئے دنیا و مافیا بھولے بار بار نمبر ملا رہی تھی جب جہان روتی ہوئی فاطمہ کو لے کر اندر آیا تھا تو اس کا بھی چہرہ ستا ہوا تھا، زینب نے فون تکیے کے نیچے سرکاتے اسے اک نگاہ دیکھا اور دل میں امنڈ آنے والا سوال کر ڈالا۔

''لالہ...... کا کچھ پتا چل سکا؟'' کتنی آس تھی اس کی نگاہوں میں جیسے طوفان کی زد میں آ جانے والی کشتی کے اکلوتے مسافر کی نگاہ میں ڈوبنے سے قبل کسی سہارے کو پانے کی امید جاگے، آخری امید...... جہان کے نظر چرا جانے پہ زینب کے چہرے پہ تاریکیاں پھیلتی چلی گئیں تھیں، اس کے اندر سرسراتی وحشت عجیب سی ہیجان آمیز کیفیت میں ڈھل کر اس کے حواس چھین کر لے گئی۔

''ایسے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے رہنے سے ان کا پتا چلے گا بھی نہیں، میں جانتی ہوں کہاں ہیں وہ...... انہیں وہاں سے کون بچا کے لائے گا جے...... وہ...... وہ وحشی انسان ہرگز زندہ نہیں چھوڑے

گا انہیں اسی...... اسی بات سے بچنا چاہتی تھی میں مگر...... مگر آپ نے بات نہیں مانی میری...... نہیں مانی ناں آپ نے میری بات۔'' تند و تیز لہر کی مانند مچل کر اٹھتی وہ جہان کے قریب آتے ہی ان کا گریبان پکڑ کر جھٹکے دیتی ہوئی ہرگز ہرگز اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔

آنسو، آہیں، سسکیاں اور بے رنت وحشت، جہان کے اعصاب کشیدگی کا، انتشار کا شکار تو تھے ہی، اس کی بے ربط غیر مبہم باتوں پہ وہ صحیح معنوں میں چکرا کر رہ گیا تھا جیسے۔

''کیا مطلب ہے زینب! کیا کہنا چاہتی ہو؟'' اور اونچا رو اٹھنے والی فاطمہ کو سنبھال کر کاندھے سے لگاتے جہان نے ایک ہاتھ سے زینب کو سنبھالنا چاہا مگر وہ تڑپ کر مچل کر فاصلے پہ ہو گئی تھی، انتہائی تنفر آمیز انداز تھا، وہ اور شدتوں سے رونے لگی تھی۔

''آپ خود غرض ہیں ہے! بہت انا پرست اور کٹھور بھی، مگر ایک بات یاد رکھیے گا، اگر لالے کو کچھ ہوا تو میں میں...... آپ کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' جہان اس کے چہرے سے چھلکتی رعونت و تنفر کو پا کر عجیب دل شکن احساس سے گزرا تھا مگر زینب کی ذہنی حالت کو بھی فراموش نہیں کر سکتا تھا، وہ جتنا بھی اپ سیٹ تھا مگر زینب کے رویے سے یہ بھی محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکا کہ کوئی گرہ تھی جو کھلنے کو تھی، زینب کے مزاج اور رویے کی ہر الجھن کا سرا بھی جیسے یہیں سے ملتا تھا۔

''تم کھل کر کچھ کیوں نہیں کہتی ہو؟ کیا تمہیں لگتا ہے معاذ کو کسی نے کڈنیپ کیا ہے؟'' خود کو کمپوژڈ رکھتے ہوئے جہان نے پہلے باہر آ کر فاطمہ کو ماریہ کے حوالے کیا تھا، پھر اس سے استفسار کیا، اس کے روم روم میں گویا بے چینی بے قراری پارہ بن کر دوڑ رہی تھی۔

''ہاں کیا ہے کڈنیپ، وہ اتنے عرصے سے مجھے ایسے ہی کسی انجام سے ڈرا رہا تھا، میں یہی نہیں چاہتی تھی جو ہوا...... مگر...... مگر آپ۔'' بات ادھوری چھوڑ کر کچھ اور شدتوں سے رونے لگی تھی وہ، جہان لمحوں میں ڈھنے لگا، اس کا وجود اس پل گویا ریت کی دیوار تھا، ہونٹ آپس میں باہم پیوست ہوئے اور آنکھیں بے تحاشا حدتیں و سرخیاں سمیٹ لائیں۔

''تیمور کی بات کر رہی ہو تم؟'' وہ جیسے ادھیڑتا پا رہا تھا خود کو، اس کی آواز بے حد بوجھل اور سرد تھی، بھینچی ہوئی بھی غصیلی بھی، قہر آلود بھی، مگر زینب تو جیسے ہر احساس سے عاری تھی۔

''کب کیا تم نے اس سے رابطہ؟ اور کیوں؟ کیوں زینب؟'' اس نے اسے کاندھوں سے پکڑ کر شدتوں سے جھنجھوڑ ڈالا، اس کا لہجہ اس کا انداز اس قدر سنگین و غضبناک تھا، اس درجہ خوفناک لئے ہوئے کہ زینب وقتی طور پہ سہی باقی سب بھول کر سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی، جس کی آنکھوں میں آن کی آن میں گویا خون اتر آیا تھا، وہ گنگ ہوئی تھی تو جہان کا یہ قہر آلود روپ تھا وجہ جبکہ جہان کو اس کی یہ خاموشی اس پل تازیانہ بن کر لگی تھی، خار بن کر چبھی تھی، جبھی اس کا بازو کہنی سے پکڑ کر اپنے مقابل کرتے وہ پھر پھنکار اٹھا۔

''اس خبیث آدمی کا تم سے رابطہ تھا، تم نے رابطہ رکھ بھی لیا، وہ تمہیں بلیک میل کرتا رہا اور تم ہوتی بھی رہیں؟ وائے......؟ یہ تھی تمہاری ٹینشن کی اصل وجہ، کتنا پوچھا تم سے میں نے مگر تم مجھے اس قابل سمجھتی ہی کہاں تھیں، بتاؤ مجھے زینب اور کیا کیا مطالبے مانے ہیں تم نے اب تک اس کے؟'' خوفناک سنجیدگی کے ساتھ وہ پے در پے سوال کر رہا تھا، اس کا لہجہ خشک اور سرد تھا اس کے

لہجے کا استہزائیہ پن آگ بن کر زینب کے دل کو راکھ اور خاکستر کرنے لگا، زینب کا سر چکرانے لگا، اسے گمان تک بھی نہ تھا، وہ الٹا اس پہ برس پڑے گا، اس سے استفسار کرے گا، سوالوں کی نوعیت اور ان سے چھلکتا اشتعال آمیز شک کا زہریلا ناگ زینب کو صرف سرد نہیں کر گیا تھا، وہ شرم خفت اور بے بسی کے احساس سے مرنے لگی، ندامت کا احساس چور کرنے کو کافی تھا، وہ باقاعدہ کانپنے لگی۔

''بولو زینب! جواب دو؟ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں اس بددیانتی پر، میرے نکاح میں ہوتے ہوئے، تم اس گھٹیا آدمی سے باتیں کرتی رہیں؟ ہاؤ ڈیر یو...... میری ناپسندیدگی کو خاطر میں لائے بغیر، وائے زینب وائے؟'' وہ حلق کے بل چیخا تھا، اس ذلت کا تو تصور بھی نہ تھا اس کے پاس، زینب کا حسین تر ہراساں چہرہ اس کا بس نہ چلتا تھا اس پل اس کا گلا دبا دے، اس کے چہرے کے تاثرات اتنے کبیدہ خاطر تھے کہ زینب کو اپنا آپ مجرم نہ ہوتے بھی مجرم لگنے لگا۔

''مم...... میں نے بتایا نا...... وہ...... وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا۔'' سراسیمہ سی خفت زدہ سی ہو کر وہ وضاحت پیش کر رہی تھی، انداز بے حد ڈھیلا اور شرمسار قسم کا تھا، جواب میں جہان کا چہرہ مزید غضبناک ہوا تھا، آنکھوں میں سے لہو سا ٹپکنے لگا۔

''کیوں ہوئیں تم بلیک میل؟ مجھے بتاتیں، نپٹ لیتا میں اس سے خود۔'' جہان نے جواباً غراتے ہوئے اس کا پوائنٹ رد کیا، لہجے میں بلا کا طنز اور زہریلا پن تھا، وہ آگ بگولہ ہوا جا رہا تھا، زینب کو بھی اس قدر تاؤ آنے لگا، بجائے اسے سمجھنے کے مسئلے کا حل نکالنے کے وہ اس سے سوال جواب کرنے کھڑا ہو گیا تھا، جبکہ یہاں ایک ایک لمحہ قیمتی تھا، اگر خوانخواستہ معاذ کو کچھ ہو جاتا، وہ سنگی انسان ضد میں انتقام و نفرت میں کسی بھی انتہا سے گزر جاتا تو تھا ازالہ ممکن......؟ جہان کو جانے کیوں اس بات کا خیال نہیں آ رہا تھا، جبکہ وہ اسی ایک احساس سمیت ہر لمحہ مر رہی تھی۔

''تو اب جا کر نپٹ لیں اس سے، میرے بھائی کی جان کو خطرہ لاحق ہے، آپ کو اپنی انوسٹی گیشن کی پڑی ہوئی ہے۔'' جہان کے ہاتھ اپنے کاندھوں سے جھٹکتی وہ بے حد تنفر آمیز انداز میں کہہ رہی تھی، جہان کچھ دیر اسے جھلستی نظروں سے گھورتا رہا تھا، جب بولا تو اس کا لہجہ اس کا انداز بے حد سرد مہری لئے تھا۔

''نمبر دو اس سور کا مجھے...... دیکھ لوں گا اسے میں۔'' پھر خود بڑھ کر جھپٹ کر اس کا فون اٹھا لیا تھا، چند بٹن پریس کیے، نمبر اپنے فون پہ منتقل کرنے کے بعد اسے خونخوار نظروں سے گھورتا پلٹ گیا۔

''اب اگر تم نے اس بدمعاش سے بات کی یا اس کی کال ریسو کی زینب تو یاد رکھنا، یا تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گا، یا خود اپنے آپ کو مار ڈالوں گا، یہ بات تے طے ہے کہ اب تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں برداشت کر سکتا میں، چاہے وہ کتنی ہی معمولی نوعیت کا ہو۔'' دروازے پہ رک کر مشتعل انداز میں کہتا وہ ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا، پیچھے دروازہ ایک دھماکے سے بند ہوا اور کتنی دیر لرزتا رہا، زینب پوری ہستی سمیت ہلتی سرد پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

دن نکلے سوچ الگ شام ڈھلے وجدان الگ
امید الگ آس الگ سکون الگ طوفان الگ
تشبیہ دوں تو کس سے کہ تیرے حسن کا ہر رنگ الگ
نیلم الگ زمرد الگ یاقوت الگ مرجان الگ

طویل بے ہوشی یا پھر غنودگی کے بعد معاذ کی آنکھ پوری طرح کھلی ہی اس لہکتی ہوئی آواز پہ تھی، اس نے غائب دماغی کی کیفیت میں گردن موڑ کر دائیں طرف دیکھا، وہ جو کوئی تھی گویا سورج کی آب تاب رکھتی تھی، اس پہ ستم بے حجابانہ انداز و اطوار، معاذ کے حواس پوری طرح بحال ہوئے تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھا اور سرعت سے اپنے اور اس کے بیچ فاصلہ بڑھایا تھا، وہ اس حرکت پہ بڑے پرزعم انداز میں مسکرائی اور تعریف و توصیف کے اس سلسلے کو کچھ اور بھی بڑھا دیا۔

تیری الفت کے تقاضے بھی عجب انداز کے تھے
اقرار الگ تکرار الگ تعظیم الگ فرمان الگ
گر ساتھ نہیں اب دے سکتے تو بانٹ دو ہیجان لمحے
مسرور الگ نڈھال الگ پرکیف الگ پریشان الگ
وقت رخصت جب الوداع کہنے لگے
آنسو الگ مسکان الگ بے تابی الگ ہیجان الگ
جب تو چھوڑ گیا تھا تب دیکھا اپنی آنکھوں کا رنگ
حیران الگ پریشان الگ سنسان الگ بیابان الگ

وہ خاموش ہوئی تو ستائش طلب نظروں سے اسے دیکھنے لگی، گویا اپنے انتخاب کی داد چاہی ہو، مگر اس کی بجائے اطراف کو حیران اور مضطرب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، یہ معصومیت بھری حیرانی و پریشانی اس کے وجیہہ چہرے پہ نیلما کو گویا اور فدا ہونے پہ اکسا رہی تھی۔

''کچھ تو بولیں چھوٹے شاہ!'' بے تکلفی کا مظاہرہ ضروری خیال کرتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر معاذ کی پیشانی پہ بکھرے بال محبت سے سنوارے معاذ نے جواباً ناگواری محسوس کرتے تیز اور کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کون ہو تم؟ اور کیا بکواس ہے یہ سب؟'' وہ سخت برہم نظر آنے لگا، اس درجہ اپ سیٹ اور مضطرب تھا کہ اپنے روبرو موجود ہستی کو بھی پہچاننے سے قاصر رہا تھا کہ اس قدر نازک صورتحال نے اسے بھونچکا کر رکھا تھا، اس پہ یہ سخن طرازی یہ بے تکلفی اس کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا، جبکہ نیلما اس درجہ نخوت سے تنفر کے ساتھ اعلیٰ قسم کی غفلت و بے نیازی پہ پوری جان سے جل کر خاک ہوئی۔

''تم واقعی نہیں پہچانے ہو مجھے چھوٹے شاہ! کیا میری پرسنالٹی اتنی ڈاؤن ہے تم لوگوں کی نظروں میں کہ......'' تاسف و رنج و ملال اور جھنجھلاہٹ کا اتنا شدید احساس یکبارگی اس کے چہرے پہ اترا تھا کہ وہ گویا روہانسی ہونے لگی تھی کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دل میں اٹھتی غصے کی لہر دباتے ہوئے وہ دانستہ مسکرائی اور سرک کر معاذ کے مزید نزدیک ہوئی، اس کے اکھڑے انداز اور

بگڑے تیوروں کی پرواہ کیے بغیر اپنی کہنی اس کے سینے پہ ٹکا کر اس پہ جھک کر دلبرانہ انداز میں مسکراتی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''کبھی میں سوچا کرتی تھی، شیر کو اگر زنجیروں سے جکڑا جائے تو کیسا لگے گا وہ؟ اب مجھے اندازہ ہوا اس کی خوب صورتی پہ فرق نہیں پڑسکتا۔'' رسیوں میں جکڑا نا گواریت کے شدید احساس سمیت مزاحمت کرتا معاذ کا کڑیل یکلخت ساکن رہ گیا وہ اس کی بے بسی کا مضحکہ اڑا رہی تھی یا تعریف کر رہی تھی، وہ سمجھنے سے قاصر رہا، البتہ عورت کے ایسے روپ نے آنکھوں کی جلن میں بے تحاشا اضافہ کر دیا تھا۔

ہوں تیری آنکھوں میں لال ڈورے
یوں رات میرے نصیب جاگیں

وہ مزید بکواس کر کے کھلکھلائی، معاذ کا چہرہ جھلس اٹھا، اب پہچان کے مرحلے طے کرنے کو باقی کچھ نہیں بچا تھا، اس درجہ سطحی سوچ کے ساتھ صرف نیلما ہی تھی جسے وہ جانتا تھا، اس کا دل اس کی آنکھیں غبار سے بھرنے لگیں، یہ کیسی آزمائش تھی کہ وہ ایسی بے بسی کی کیفیت میں اس فاحشہ کے ہاتھ لگ گیا تھا، جبکہ وہ اس کی کیفیات واحساسات سے یکسر لاتعلق ہنوز اپنی داستان سنا رہی تھی۔

''قسم لے لو چھوٹے شاہ! جو تمہیں جہانگیر شاہ کے ساتھ دیکھ کر بھی میرا دل نہ دھڑکا ہو، تم مجھے کبھی بھی اس سے کم جو لگے ہو، مگر یہ کم بخت دل تو پہلے ہی جہانگیر کا اسیر ہو چکا تھا، جبھی میں اسی کی سنگت کے خواب دیکھتی تھی، کل جب میرے آدمیوں نے تمہیں جہانگیر کی کار میں موجود پایا تو مجھے اطلاع دی تھی، میں نے کہا بندے کی پکی نشانی ہی یہی ہے کہ ہے بہت حسین و جمیل...... ایمان لوٹ لینے کی حد تک سحر انگیز، بولے میڈیم! ہم نے آج سے پہلے اتنا حسین مرد نہیں دیکھا زندگی میں......'' اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ زور سے کھلکھلائی، گویا حظ لیا ہو، معاذ کا چہرہ تپنے لگا، وہ خود بہت بولڈ تھا، پرنیاں کو خاص کر اس سے سب سے زیادہ یہی شکایت رہی تھی، باقی سب کے خیال میں بھی وہ ہمیشہ سے شوخ وشنگ اور بولڈ مشہور تھا مگر آداب قرینے اور حدیں بھی نہیں پھلانگا کرتا تھا، رب سے ڈرتا تھا، تربیت کا اثر گہرا تھا، مگر کسی عورت کی ایسی بے حجابی سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا، شوبز میں بھی اچھی خاصی بولڈ لڑکیاں تھیں مگر نیلما جیسی بہر حال نہیں تھیں، پھر وہ ان سے ویسے بھی فاصلوں کو قائم رکھتا تھا، جو الٹی سیدھی کچھ حرکتیں کی بھی تھیں تو ان کے پیچھے سوائے پرنیاں کو جیلس کرنے یا ایسے جھنجھوڑنے کے علاوہ اور کوئی جذبہ بہر حال کارفرما نہیں تھا، اس وقت جتنی بھی نا گواری و برہمی کا احساس تھا، مگر وہ اس کی بیہودہ بکواس سننے پر مجبور بھی تھا۔

''میں نے کہا، یہی تو نشانی ہے اس دشمن جان کی، لے آؤ کہ اب مزید قربت یار کی تاب نہیں، مگر جناب جب آپ تمام تر عزت واحترام کے ساتھ آپ یہاں پہنچے تو آپ جہانگیر نہیں تھے مگر ان سے کم بھی نہیں تھے چھوٹے شاہ! اگر نیلما جہانگیر کے علاوہ کسی پہ کمپرومائز کر سکتی تھی تو وہ صرف تم ہی ہو سکتے تھے، بس اب فراق کے موسم ختم، بتاؤ شادی کب کریں؟'' آنکھوں میں فتح کا خمار اور مسکان لئے وہ کتنے صلح جو انداز میں سوال کر رہی تھی، یوں گویا معاذ اسی ایک سوال کا ہی تو منتظر تھا، معاذ کے اعصاب مزید کشیدگی سمیٹ لائے۔

''یعنی تمہاری اس ساری بکواس کا مطلب یہ نکلا کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو؟'' معاذ کے غصے پہ اس فضول مذاق نے تمسخر کی گہری مسکراہٹ کو جگہ دی تھی، نگاہ کی برہمی البتہ ہنوز تھی، نیلما نے کاندھے جھٹک دیئے تھے۔

''ہاں...... کیا مضائقہ ہے اس میں؟ اگر ایک مرد اپنی پسندیدہ لڑکی کو اغواء کرا سکتا ہے، اس سے زبردستی شادی کر سکتا ہے تو ایک عورت کو بھی ایسا کرنا چاہیے۔'' نیلما کے لہجے وانداز میں زعم بھی تھا اور طمانیت آمیز مسکراہٹ کا فتح مندانہ رنگ بھی، معاذ کچھ دیر اسے مضحکہ اڑائی نظروں سے اسے دیکھتا رہا، پھر ہونٹ سکوڑ کر اسی قدر تضحیک آمیز انداز میں گویا ہوا تھا تو آنکھوں کی نفرت چھلک چھلک پڑتی تھی۔

''تم جیسی عورت سے ایسی ہی توقع رکھی جا سکتی ہے نیلما خاتون! مگر یہاں آپ کی آنکھیں کھولنے کے لئے یہ ضرور عرض کروں گا کہ یہ آپ کی کسی تھرڈ ریٹ گھٹیا فلم کی اسٹوری نہیں لکھی جا رہی جس میں آپ اپنے من پسند سین اور موڑ پیدا کر سکتی ہیں، یہ حقیقت ہے اور حقیقت میں ایسی حماقتوں کی توقعات باندھنے والوں کی آنکھیں ریت سے بھر جایا کرتی ہیں۔'' معاذ کا لہجہ اس کا انداز سراسر اس پہ اس کی اوقات واضح کرتا ہوا انتہائی توہین آمیز تھا، اس حد تک توہین آمیز کہ ایک پل کو نیلما بھی گنگ ہوتی اسے ٹکر ٹکر دیکھے گئی تھی، مگر اگلے لمحے اس شرمندگی کو جھٹک کر یہ زعم و پر مغرور انداز میں مسکراتی بڑے دل آویز انداز میں اٹھلا کر بولی تھی۔

''کمی کیا ہے مجھ میں؟ غور سے دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ وہ لڑکی جو تیمور کی حویلی میں تمہارے ساتھ تھی اس سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوں؟'' اس قربت میں تنہائی میں وہ بہک رہی تھی، معاذ کی پیشانی کی سلوٹیں بھی اس کو اس کے ارادوں سے روکنے میں ناکام تھیں، جب وہ پھر اس کے نزدیک آئی اور اس کے ساتھ لگ کر بیٹھی معاذ کے ضبط کا پیمانہ پھر چھلک گیا تھا۔

''تم جیسی عورت حسن کا معیار اور پیمانہ یہی رکھتی ہے، یہی رکھ سکتی ہے، بے حیا عورت جتنی بھی حسین وطرحدار ہو حیاء دار عورت کے سامنے ماند پڑ جایا کرتی ہے، مگر تم کبھی ان باتوں کو نہیں سمجھو گی، کبھی نہیں سمجھو گی کہ میرے نزدیک تم پرنیاں کی پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں بن سکتیں۔'' معاذ کے لہجے وانداز سے اتنی نفرت وحقارت اور برہمی چھلکی تھی کہ نیلما اپنی تمام تر بے شرمی کے باوجود دہک کر رہ گئی، مگر اس نے متاسفانہ سانس بھر کے خود کو سر جھٹک کر نارمل بھی کر لیا۔

''مجھے یہ طعنے نہ مارو معاذ حسن! ذلت کی پستیوں سے نکل کر عزت کی زندگی جینے کی متمنی ہوں، مجھے اس اتھاہ تاریکی تک کسی عورت کی حاسد نفرت نے پہنچایا تھا، بہت چاہا اسے برباد کر ڈالوں مگر وہ ہمیشہ مجھ سے زیادہ طاقتور اور مضبوط رہی، غاصب عورت! میں چاہنے کے باوجود اس کا آج تک کچھ نہیں بگاڑ سکی۔'' نیلما کے چہرے پہ ان کہا کرب گہرے دکھ کی صورت اتر آیا تھا، آنکھیں لمحے کے ہزاروں حصے میں چھلکنے کو بے تاب ہو گئیں، وہ اس وقت واقعی قابل رحم لگ رہی تھی، مگر معاذ کو اس سے قطعی ہمدردی محسوس نہیں ہوئی۔

''بات سنو...... مجھے تمہاری اس خالص فلمی کہانی سے ہرگز کوئی ہمدردی یا دلچسپی نہیں ہے، اگر

جہاں سمیت یہاں کے ہر مرد نے شہر بھر کے ہسپتالوں کے کہ مردہ خانوں تک ہر جگہ کھنگال لی تھی مگر اس کا نشان نہیں پا سکے تھے، گاڑی کالج سے کچھ فاصلے پہ بالکل صحیح حالت میں مل گئی تھی، مگر معاذ کے متعلق کہیں سے بھی کوئی چھوٹی سی خبر میسر نہیں آسکی۔

''جہان کن حالوں میں ہوگا میرا بچہ! جب وہ انگلینڈ سے آیا تھا، تب بھی اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، ہمیں تو تب بھی پتا نہیں لگتا تھا، اگر پرنیاں ہمیں نہ بتاتی۔'' پپا اندر آئے تو مما کی آنسوؤں کے بیچ کہی گئی بات سیدھی ان کے دل پہ ترازو ہوئی تھی جا کر گویا، وہ خود ان دو دنوں میں جیسے یکدم ڈھے کر رہ گئے تھے، اتنا لاڈلا اور عزیز تھا وہ انہیں کہ اس سے اتنی شکایتوں کے باوجود بھی اسے ڈانٹ کر نہیں دیکھا تھا، ساری اولادوں میں اسے سب سے زیادہ محبت اور اہمیت سے نوازا، منہ سے نکلی ہر بات کو پورا کرنا خود پہ فرض جان لیا، مگر اس انداز میں کہ یہ محبت اسے بگاڑ نہ سکے، کتنا زچ اور تنگ کیا تھا معاذ نے پرنیاں کے معاملے میں انہیں، مگر ضبط کا دامن بھی ہاتھ سے اس محبت نے چھوڑنے نہیں دیا جو انہیں اس سے تھی، اسے دیکھ دیکھ ہی تو جیتے تھے، مگر اب یوں اس کا نگاہوں سے اوجھل ہو جانا انہیں لمحہ لمحہ گھلا رہا تھا۔

''احسان! معاذ کیوں نہیں مل رہا؟ اب تو کسی سے خفا بھی نہیں تھا وہ، پھر کیوں چلا گیا؟''
انہیں دیکھتے ہی مما خود پہ ضبط کھو کر پھر سے سسکنے لگی تھیں۔

''اللہ سے دعا کرتی رہیں شائستہ! اللہ بہتر کرے گا۔'' انہوں نے دلگیری سے کہتے حوصلہ دیا، مما نے نڈھال انداز میں سر گھٹنوں پہ ٹکا دیا، آنسو بے آواز بہہ رہے تھے۔

''پرنیاں کہاں ہیں؟ اب طبیعت کیسی ہے بچی کی؟'' پپا کو پرنیاں کی فکر لاحق تھی، جبھی خصوصیت سے احوال دریافت کیا، صبح جب وہ گھر سے جا رہے تھے اس کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی، پچھلے کئی گھنٹوں سے پانی کا ایک قطرہ بھی اس کے حلق سے نہیں اتر سکا تھا، گہرے صدمے کے ساتھ ساتھ نقاہت نے اس پہ غشی کی سی کیفیت طاری کر دی تھی، یہ ایک نئی اور اچانک افتاد تھی جس سے شاہ ہاؤس کے مکین دوچار ہوئے تھے، سب کے بے تحاشا اصرار اور منتوں کے بعد کہیں جا کے پرنیاں نے کچھ نوالے زہر مار کیے تھے، مگر اس کی حالت پھر بھی قابل رحم ہی تھی۔

''اندر ہے اپنے کمرے میں، وہی حالت ہے بدستور، کیسے سنبھل سکتی ہے بھلا، اس وقت تک جب تک معاذ کے حوالے سے دل کو قرار نہیں آ جاتا۔'' مما آنسو پونچھ رہی تھیں، انداز کی یاسیت و افسردگی کا کوئی انت نہیں تھا۔

''کوئی ہے نا پرنیاں کے پاس؟ بچی کو ہرگز بھی اکیلی نہ چھوڑیں۔'' پپا کی نصیحت پہ مما نے اسی یاسیت آمیز پرملول انداز میں سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''اسما اور نور یہ بھی ہیں خیال رکھ رہی ہیں مگر ژالے تو گویا مستقل ہی ساتھ ہے پرنیاں کے، بہت نیک اور سعادت مند بچی ہے ژالے، اللہ اس کا نصیب بہت سنہرا کرے آمین۔'' مما پہ جیسے جیسے ژالے کی خوبیاں فطرت اور مزاج آشکار ہو رہا تھا، وہ اسی حساب سے اس کی مداح و گرویدہ ہوتی جا رہی تھیں، پپا کے فون پہ کوئی کال آ رہی تھی، جبھی گہرا سانس بھرتے فون سمیت وہاں سے اٹھ گئے، مما عصر کی نماز کے ارادے سے وضو کرنے واش روم کی سمت جا رہی تھیں۔

تم یہ توقع مجھ سے باندھ بیٹھی ہو تو اس حماقت میں ٹائم ضائع کرنے کی بجائے، بہتر ہوگا اپنے کسی فین کے پاس چلی جاؤ۔'' لٹھ مار انداز نخوت بھری سفاکی سے لبریز تھا، نیلما کا چہرہ دھواں دھواں ہونے لگا، وہ کچھ دیر اسے عجیب نظروں سے دیکھتی رہی، پھر اس کے تاثرات دھیرے دھیرے بدلنے لگے، بے بسی کی جگہ تلخی، تاسف و ملال کی جگہ نخوت ہٹ دھرمی اور مخصوص قسم کی بے باکی نے لے لی۔

''ایز یو وِش چھوٹے شاہ! تمہیں میری کہانی میں دلچسپی نہ ہو، مگر مجھ میں ضرور دلچسپی لینی پڑے گی مت بھولنا کہ تم شادی نہیں کرو گے مجھ سے، اگر یہ معاشرہ مجھے ذلت سے ہمکنار کر سکتا ہے تو اب اسی ضد معاشرے کے اعلیٰ نصب خاندان کے سپوت سے شادی کر کے میں اس معاشرے سے اپنی چھینی ہوئی عزت دوبارہ ضرور حاصل کروں گی۔'' وہ بولی تو اس کے لہجے میں ناگن پھنکار رہی تھی، معاذ جواباً اسے تاؤ دلاتی نظروں سے دیکھتا دل جلاتی مسکان ہونٹوں پہ سجا چکا تھا۔

''تمہارا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا عزیزی نیلما!'' معاذ کو اس کے احساسات اور کیفیت کی کیوں پرواہ ہونے لگی تھی، جبھی منہ توڑ جواب دے کر گویا اس کا مذاق اڑایا، نیلما اس کی توقع کے عین مطابق بھڑک اٹھی تھی، جبھی باقاعدہ دھمکی پہ اتری۔

''تمہارے پاس ایک دن کا وقت ہے، بہتر ہوگا معاذ تم وہ کرو جو میں چاہتی ہوں، ورنہ۔''

''ورنہ کیا......؟'' معاذ نے طیش میں آ کے اسے گھورا۔

''یہ تمہیں وقت آنے پہ معلوم ہو جائے گا۔'' نیلما نے جواباً اسے گھورتے ہوئے کہا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر نکل گئی، معاذ کچھ دیر ساکن بیٹھا رہا، پھر نڈھال انداز میں آنکھیں بند کر لیں، اگر اسے بے بس کرنے کو کرسی سے مضبوطی سے باندھ نہ دیا گیا ہوتا تو اپنے لئے وہ کچھ کر بھی سکتا تھا، مگر اب بے بسی کے سوا کیا چارہ تھا بھلا......؟

☆☆☆

معاذ کی گمشدگی کو آج دوسرا دن تھا، شاہ ہاؤس کے در و دیوار پہ چھائے تشویش و اضطراب کے سائے موت کے سناٹوں میں ڈھلتے جا رہے تھے، سب سے خراب حالت پرنیاں، مما یا پھر زینب کی تھی، پرنیاں کی آنکھیں اس دوران ایک لمحے کو بھی جو خشک ہوئی ہوں، کتنی وحشت تھی اس کے چہرے پہ، جبکہ مما کا بی پی ایک پھر خطرناک حد تک شوٹ کر گیا تھا، خدشات تھے واہمے اور سرسراتی ہوئی وحشت جوان کے چہرے و آنکھوں سے جدا ہی نہ ہوتی تھی، آئے دن ملنے والی کراچی کے باسیوں کی ہراس زدہ خبریں جن میں بے دردی و سفاکی سے قتل کر دیئے جانے والے بے قصور شہری جن کی اکثر شناخت بھی نہیں ہو پائی تھی اور لاشیں کئی کئی دن مردہ خانوں میں پڑی اپنے وارثوں کی راہ دیکھتے بالآخر گمنام قبروں کی تاریکیوں میں ہمیشہ کو کھو جایا کرتی تھیں اور ورثاء انہیں تلاش کرتے جانے کس کرب اور اذیت سے دوچار ہوتے خود بار بار مرتے رہتے تھے، اسی قسم کی کیفیت سے آج کل شاہ ہاؤس کے مکین گزر رہے تھے، بابا جان کا زیادہ وقت جائے نماز پہ اذکار و وظائف میں گزر رہا تھا اور رو کر ان کی آنکھیں بھی تھکنے لگیں تھیں مگر وہ ہر دم ہنسنے مسکرانے کا عادی معاذ پلٹ کر نہیں آیا تھا، جس کی غیر موجودگی سے شاہ ہاؤس کی ساری رونقیں ماند پڑ گئی تھیں،

☆☆☆

جاگتے دریچوں میں
خواب سوئے رہتے ہیں
آنکھ کے پیالے میں
ان گنت زمانوں کی
ریت گرتی رہتی ہے
ادھ بجھے مکانوں میں
جاچکے مکینوں کی
بات چلتی رہتی ہے
راکھ اڑتی رہتی ہے

دروازہ کھلنے کی آواز پہ زینب جو گھٹنوں پہ سر رکھے کب سے اس زاویئے پہ ساکن بیٹھی تھی، ایک دم متوجہ ہوئی، جہان تھا، اپنے دھیان میں تیز تیز چلتا آیا اور الماری کھول کر کھڑا ہو گیا۔

''ک..... کچھ پتا چلا لالے کے بارے میں؟'' وہ خود اٹھ کر اس کے قریب آئی تھی، جہان نے ایک برہم نگاہ سے نوازا ضرور البتہ جواب دینا شاید اتنا ضروری خیال نہیں کیا تھا، کچھ کاغذات نکالے اور الماری کے پٹ بند کرتا واپس پلٹا تھا کہ زینب جو اس کے جواب کی منتظر تھی یہ بے اعتنائی سہتی یکدم مشتعل ہو کر اس کی شرٹ کو ہی پکڑ کر زور سے کھینچا تھا۔

''آپ کو سنا نہیں ہے جے! کیا پوچھا ہے میں نے آپ سے؟'' وہ چیخ پڑی تھی، آنکھوں میں بیک وقت آنسو بھی تھے اور غصے کے ساتھ خفگی کا تاثر بھی، جہان نے گردن موڑ کر بے حد سرد نظروں سے اسے کچھ دیر دیکھا پھر ہلکے سے جھٹکے سے اپنی شرٹ کا کالر اس سے چھڑوا لیا۔

''اب جو ہو رہا ہے، اس پہ صبر کرو، میں اگر یہ کہوں گا کہ یہ تمہارا ہی کیا دھرا ہے تو غصہ تو بہت آئے گا تمہیں۔'' پیشانی پہ شکنیں لئے وہ چبھتے ہوئے انداز میں جتلا گیا تھا، لہجے میں بلا کا طنز اور زہریلا پن تھا، زینب اس الزام تراشی پہ انگشت بدنداں ہی رہ گئی تھی، ساکن غیر یقینی چند ثانیے وہ اسے فق چہرے کے ساتھ یوں دیکھتی رہ گئی، گویا یقین نہ آتا ہو یہ جو کچھ اس نے سنا وہ واقعی جہان ہی کہہ چکا ہے اس سے، یہ سکتہ ٹوٹا تو جیسے اسے آگ سی لگ گئی تھی۔

''فضول بات مت کریں جے! کیا میں نے اس منحوس آدمی کو کہا تھا کہ.....''

''اس نے بہت غلط کیا جو میری بجائے معاذ کو اٹھوا لیا ہے، اسے اپنے ٹارگٹ پہ ہی ہاتھ ڈالنا چاہیے تھا، اسی بہانے تمہاری جان بھی مجھ سے چھوٹ جاتی۔'' بے حد درشت انداز میں ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکتے وہ جس طرح سے چیخا تھا، زینب صدمے سے گنگ رہ گئی، خطرناک حد تک تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے محسوس کیا اس کے گال بہت تیزی سے بھیگتے جا رہے ہیں، جہان نے تو کبھی اس قسم کا طعنہ نہیں دیا تھا، یہ اس کی فطرت ہی نہ تھی، اس وقت اللہ جانے وہ کس ذہنی عذاب سے گزر رہا تھا کہ اس طرح اس پہ چڑھ دوڑا تھا، زینب کی تمام حسیات یکبارگی ساکت ہو کر رہ گئی تھیں، دکھ صدمہ رنج بے مائیگی، کیا کچھ نہ تھا اس کی دھندلاتی ہوئی آنکھوں میں مگر جہان پرواہ کیے

بغیر اسے گھورتا ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر جا چکا تھا، وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے ہلتے پردے کو دیکھتی رہی، روتی رہی، آنکھ سے ٹوٹ کر بکھرتے صرف آنسو ہی تو نہ تھے، ماضی کے کچھ دھندلے عکس بھی تھے، تصویریں بھی تھیں، جب..... جب عادت کے مطابق اک معمولی بات پہ وہ منہ سجا کر بیٹھ گئی تھی، ہر کسی سے شاکی ہر کسی سے نالاں ہر کسی سے خفا ہو جانے والی زینب کو پھر کسی کی مجال ہوا کرتی کہ کوئی منا سکے کہ ایسی جرأت کرنے والوں کو وہ بغیر لحاظ کے پھاڑ کھانے کو دوڑ پڑا کرتی اور بقول زیاد سے اپنی عزت پیاری ہے، یہ بدتمیز لڑکی ایسے سموں یہی ایک اہم بات بھول جایا کرتی ہے، ایسے میں ہمیشہ جہان آگے بڑھا کرتا، اپنے مخصوص دھیمے پر اثر محبت آمیز انداز و رویئے کے ساتھ، مگر پھر بھی زینب اسے کتنا ستاتی تھی، شرائط ہوتیں جو ختم ہونے میں نہ آتیں، مطالبے ہوتے جن کا انت نہ ہوا کرتا، نخوت ہوتا تو وہ سنبھالا نہ جاتا، وہ ماتھے پہ شکن لائے بغیر ہر شرط مان جاتا، ہر عذر قبول کر لیتا، ہر مطالبہ سر آنکھوں پہ رکھتا، ہر ضد پہ مسکرانا کبھی نہ بھولنا، اس پہ بھی زینب مان کر احسان کرتی، یہ احسان کتنے کتنے دنوں تک اس پہ جتلایا جاتا اور وہ سر خم کرتا مسکرائے جاتا، ایسے میں جو ممایا پھر معاذ کی نظر اس کے نخروں پہ اور جہان کی اطاعت گزاری پہ پڑ جاتی تو زینب کے ساتھ ساتھ جہان کی بھی کلاس لگ جاتی۔

''اسے بگاڑنے میں ہاتھ ہی تمہارا ہے جے! کون شادی کرے گا اس سے۔'' معاذ چڑا ہوا ہوتا تھا، ایسے میں وہ کیسے پیاری ہو جایا کرتی تھی، جو تمتماہٹ جہان کے چہرے پہ اتری ہے جو نظروں سے مسکراہٹ چھلکی ہے، زبان سے بھی اقرار کی صورت بکھر جائے اور ایسا نہیں ہوا، اس خواہش میں خود وہ بکھر گئی، ایسے کہ پھر خود سے سمیٹی ہی نہ جا سکی، کتنے بڑے بڑے نقصان ایک کے بعد ایک جھولی میں آن آن گرتے گئے، سیل فون کی گنگناہٹ پہ اس کی ساکن پلکوں میں جنبش ہوئی تھی، ماضی سے کٹ کر واپس حال میں آتے اس نے گردن موڑ کر بستر پہ پڑے سیل فون کو دیکھا، جس کی اسکرین روشن تھی اور بیل ہنوز گنگنا رہی تھی، سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ قدم قدم چلتی بستر کے نزدیک آئی، اسکرین پہ تیمور کا نمبر روشن تھا، یہ نام وہ ڈیلیٹ کر چکی تھی، مگر نمبر از بر تھا اسے، اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا لیا۔

''تیمور.....!'' الفاظ اس کے حلق سے نوکیلے کانٹے بن کر ہونٹوں تلک آئے تھے، تیمور تو اس نوازش پہ حیران تھا، ریشہ خطمی کیسے نہ ہوتا۔

''میری جان! میری زندگی! بولو مجھے یقین دلاؤ، تم نے میری کال پک کر لی ہے۔'' وہ بھاری بے ہنگم آواز میں ہنسنے لگا، زینب کے چہرے پہ عجیب سی زردی چھانے لگی، اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا، گویا ساری ناگواری کو زہر بنا کر اندر اتارا اور بے تحاشا اذیت سے دوچار ہونے لگی۔

''فون بند کیوں تھا تمہارا؟ میں کل سے ٹرائی کر رہی ہوں۔'' وہ بولی تو آواز بھیگ رہی تھی، تیمور کو ایک بار پھر اپنی سماعتوں پہ شبہ کا گمان ہونے لگا۔

''زہے نصیب! آپ ہمارا فون ٹرائی کریں، کیا نصیب ہے ہمارا ماشاء اللہ۔'' وہ پھر اسی گونجدار بے ہنگم انداز میں ہنسنے لگا، زینب کو یہ ہنسی زہر لگنے لگی، نا قابل برداشت۔

''لالے کو کہاں رکھا ہے تم نے؟'' وہ اسے ڈپٹتے ہوئے پھنکار اٹھی، دوسری جانب کچھ لمحوں کو

سناٹا چھا گیا، یہ سکوت کے لمحے تیمور جیسے گھاگ کو صورتحال سمجھنے میں درکار تھے، غور کرنے کو ضروری تھے جبکہ زینب پہ گراں تھے، سخت گراں۔

"بولتے کیوں نہیں ہو؟ تیمور اک بات سن لو، جو گھٹیا حرکت کر چکے ہو کافی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، میں کہہ رہی ہوں ناں لالے کو معمولی گزند بھی نہیں پہنچنا چاہیے، انہیں...... انہیں واپس آنے دو، چھوڑ دو خدارا۔"

تیمور تو جانے کس حد تک معاملا سمجھا ہوگا، زینب نے خود سمجھا دیا سارا، وہ جس ذہنی کرب سے گزر رہی تھی اور جس سے اب جہان کے بیگانے بدگمان انداز سے مبتلا ہوئی تھی، اس نے اس کی عقل سمجھ سوچ سب خبط کر لی تھی، اسے شک نہیں یقین تھا، یہ کام تیمور کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا، اس یقین کا باعث تھا کہ وہ ہر قیمت پہ معاذ حسن کو بچا لینے پہ تل گئی تھی، دوسری جانب تیمور گیند اپنی آسانی سے اپنے کورٹ میں آتا پا کر خوشی سے پاگل ہونے کے قریب جا پہنچا تھا گویا۔

"بے وقوف سمجھا ہے مجھے زینب! اسے کچھ نہیں ہوگا، وہ صحیح سالم واپس بھی پہنچے گا، مگر اس ساری جاں کا ہی کچھ مطلب بھی ہوگا نا مجھے؟ میں نے یونہی یہ کام نہیں کیا، یہ تو تم بھی جانتی ہوگی، کچھ قیمت چکانا ہوگی کچھ انعام وکرام ہمیں بھی ملنا چاہیے۔"

وہ اصل موضوع پہ آیا تو باچھیں چیر رہی تھیں، زینب کی رنگت زرد پڑنی شروع ہوئی، وہ اس کی کمینگی سے آگاہ تھی، اس کے باوجود اس کا دل اس سودہ بازی کے مرحلے پہ آ کر پاتال میں گرنے لگا۔

"کیا چاہتے ہو؟" اس نے گھٹی ہوئی آواز میں استفسار کیا تھا، جواباً تیمور نے مجنونانہ قسم کا طویل قہقہہ لگایا تھا۔

"اپنی کھوئی ہوئی متاع! اپنی زینب کے علاوہ کیا چاہیے ہوگا مجھے نادان لڑکی، واپس آجاؤ میرے پاس، وہ منحوس جہانگیر تمہیں طلاق دے گا، تم عدت بھی میرے پاس گزارو گی، پھر باقاعدہ نکاح کروں گا میں تم سے...... وعدہ کرتا ہوں زینب، اب کچھ بھی غلط نہیں ہوگا، قسم لے لو، جو تمہیں کھو کر ایک دن بھی سکون کی نیند سویا ہوں میں، مجھ سے غلطی ہو گئی تھی زینب، اسے سدھار لینے دو، پھر تمہیں بتاؤں گا، کتنی محبت کرتا ہوں تم سے، تمہیں بھی تو بھولا نہیں ہوگا، میں پاگل تھا تمہارے لئے، اللہ جانے کیا ہو گیا تھا مجھے، کیوں عقل خبط ہو گئی تھی میری، اس وقت کو کوستا ہوں۔"

وہ جوش میں جذبات میں بولے گیا یہاں تک کہ آخر میں آواز شدت جذب سے بھیگنے لگی تھی، وہ کس حد تک درست تھا، کس حد تک زیاں سے دوچار، زینب کو غرض نہیں تھی، اس کے اندر بس نفرت سرسرا رہی تھی، مطالبہ ایسا تھا، گویا پل صراط کا سفر، جو شروع نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود اذیت بے انت تھی، بے شمار تھی، اس کی پوری دنیا بھی لٹ رہی ہوتی تو کبھی خود کو اس راستے پہ نہ چلنے دیتی، اتنی ہی نفرت تھی اسے تیمور خان سے، مگر حالات وواقعات اس کی مرضی کے مطابق کہاں تھے، وہ تار عنکبوت تھے جن میں اس کا لاچار بے بس وجود جکڑا تھا، نجات کا راستہ یہی راستہ تھا، جس پہ خود اس کی موت تھی، مگر اب اس کے سوا چارہ نہیں تھا، اگر غلطیاں اس کی تھیں تو پھر سزا کسی اور کا حصہ کیوں ٹھہرتی، اس نے ضمیر کی عدالت میں پیش ہو کر یہ مقدمہ ہارا تھا اور سزا قبول کر لی تھی، اس کے باوجود وہ تیمور سے محبت کرتی رہی تھی، بحث کرتی رہی تھی، مان لینے کے باوجود۔

"میں اس وقت تک تمہارے پاس نہیں آؤں گی، جب تک لالہ گھر نہیں آجاتے۔"

اس کا دل رو رہا تھا، وہ اس راستے پہ مجبوری میں بھی چلنے پہ آمادہ نہیں تھی اور کوئی معجزہ چاہتی تھی۔

"کیوں گھبراتی ہو جان من! تمہارے لالے کو کچھ نہیں ہوگا، پورا سالم واپس کریں گے ہم پرنیاں ڈیئر کو اسے، اس کے باوجود کہ ہماری امانت میں خیانت ہو چکی، یہ سوچ یہ خیال رگ جاں میں خنجر اتارتا ہے، میری زینب کہ وہ رقیب روسیاہ کتنی بار تم سے۔"

"ٹھیک ہے، میں آجاؤں گی، لیکن کوئی ضمانت بھی دو کہ تم لالے کو چھوڑ دو گے۔" اس کی بے صحابانہ گفتگو کو روکنے کی خاطر ہی زینب نے بے اختیار اسے ٹوکا تھا، جواباً تیمور پھر قہقہہ لگانے لگا۔

"جیسے ہی تم خود کو میری تحویل میں دو گی زینی میں تمہارے لالے کو تمہارے سامنے آزاد کر دوں گا، یقین کر لو میری جان اور میرے پاس آجاؤ جلدی۔" اب وہ باقاعدہ چہک رہا تھا اور ملنے کی جگہ بتا رہا تھا، وہ خاموش رہی، اتنی آسانی سے اس کے جال میں پھنس جانے والی زینب اس قدر نادان اور احمق بھی نہیں تھی، اس انتہائی فیصلہ کا باعث کون جانتا تھا، جہان کا کچھ دیر قبل کا رویہ تھا، رنج وملال کے احساس کے ساتھ اس نے جذباتیت کی انتہا پہ جا کر وہ فیصلہ کر لیا تھا، جو وہ پچھلے اتنے مہینوں میں نہیں کر سکی تھی۔

(اگر یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے تو پھر مجھے ہی اس کا ازالہ بھی کرنا ہے، چاہے یہ ازالہ کتنا ہی جان لیوا کیوں نہ ہو) تیمور اسے ہر صورت یہ فیصلہ کرنے پہ مجبور کرنے کو معاذ کے قتل تک کی دھمکی سے بھی گریز نہیں کر گیا تھا، زینب کی آنکھیں جل جل اٹھیں، وجود میں جیسے بگولے اڑنے لگے، اس نے فون بند کیا تو اس کے انداز میں واضح شکست تھی۔

(ایک بار لالے کو چھڑوا لوں، تمہیں تمہارے ناپاک ارادوں سمیت جہنم واصل کروں گی میں تیمور خان) اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی بجائے پہلی بار خون اتر آیا تھا۔

☆☆☆

نگاہ یار پہ پلکوں کی گر لگام نہ ہو
بدن میں دور تلک زندگی کا نام نہ ہو
وہ بے نقاب جو پھرتا ہے گلی کوچوں میں
تو کیسے شہر کے لوگوں میں قتل عام نہ ہو

معاذ کے اعصاب مکمل طور پہ شل ہو چکے تھے، بندھا ہوا جسم ایک ہی زاویے پہ رہنے کی بدولت جیسے اکڑ کر ہر لمحے بے جان ہوا جاتا تھا، نیلما کی شدت پسندی اس کے انداز سے عیاں تھی، وہ اس کے لئے کسی قسم کی گنجائش بغیر مطالبہ پورا ہوئے نکالنے پہ آمادہ نہیں تھی، معاذ کا مسلسل انکار اور بے رخی اس کی ضد کو بڑھا رہی تھی، گویا پاگل کر رہی تھی، معاذ کی سزا کے باوجود اس کے ارادوں میں فرق نہ آتا دیکھ کر نیلما جیسے نیم دیوانی ہوئی جاتی تھی، یہی وجہ تھی کہ اس نے معاذ کی بندش تک کھولنے کی اجازت نہیں دی تھی، کھانا اس نے جتنی بار بھی معاذ کو کھلانے کی کوشش کی، معاذ نے ہر

بارنفرت سے منہ پھیر لیا تھا، یہ طے تھا اسے نیلما کے ہاتھ سے کھانا گوارا نہیں تھا، بھوک پیاس اور اس پہ یہ ذہنی وجسمانی اذیت وہ جیسے نا چاہتے ہوئے بھی ہار رہا تھا حالات کے سامنے، اس وقت بھی نیلما کی آمد کے ساتھ ہی یہ بہکتی آواز اس کے اعصاب پہ ہتھوڑوں کی مانند برسی، جبھی اس نے بے زار کن نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

کاہی مائل مہین کپڑے کی بے انتہا خوبصورت ساڑھی میں وہ اپنے جگمگاتے سراپے کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھی شیمپین کا ٹن ہاتھ میں لئے گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارتی اسے خمار آلود نظروں سے دیکھ رہی تھی، اسے متوجہ پا کر ٹن اس کی جانب بڑھا کر بھنوؤں کو ترغیب دینے کے انداز میں جنبش دیتی زور سے ہنسی۔

''پی کر تو دیکھو ہنڈسم! دنیا بدل جائے گی تمہاری بھی۔'' اس کا انداز چھیڑتا ہوا تھا، معاذ نے گھن کھائے انداز میں نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا، وہ پھر ہنسنے لگی، پھر گنگنانے لگی۔

مجھے یقین ہے دنیا میں درد بڑھ جائیں
اگر یہ پینے پلانے کا اہتمام نہ ہو
بٹھا کے سامنے میں دیکھتا رہوں تم کو
سوائے اس کے مجھے دنیا میں کوئی کام نہ ہو

اب کے اس کے لہجے میں شرارت بھری مدہوشی تھی، وہ اسے پیاسی نظروں سے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

جو اس کو دیکھ لے محسن کی اک نظر سے تو
اس کے شہر کی گلیوں میں کبھی شام نہ ہو

وہ پھر چہکی تھی، آج وہ کچھ زیادہ بے لگام ہو رہی تھی، معاذ کے چہرے پہ اضطراب چھانے لگا۔

''مان جاؤ میری جان! ابھی ہی بندشیں کھل جائیں گی، کیا بگڑے گا تمہارا؟ بلکہ فائدہ ہی فائدہ، اتنی تو حسین ہوں میں، پھر میری اتنی وسیع پراپرٹی، سب دے دوں گی تمہیں مغرور لڑکے!''
وہ گویا اسے لالچ دے رہی تھی، اکسا رہی تھی، معاذ نے ہونٹ بھینچے رکھے، وہ کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا، یا اس میں ہمت ناپید ہو رہی تھی۔

''بھوک تو لگی ہوگی نا تمہیں؟ کھانا کھلاؤں؟'' وہ اب کے قدرے سنجیدہ ہوئی، یا اس کی حالت کے سامنے لاچار، معاذ پھر کچھ نہیں بولا۔

''ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ حالت اپنی دیکھ لو ذرا۔'' اس نے پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا گال سہلایا، بڑھی ہوئی شیو خوبرو چہرے کی دلکشی میں اضافے کا باعث تھی، معاذ اس لمس سے ناگوار انداز میں کسمسایا، آنکھیں شدید ناپسندیدگی چھلکانے لگیں۔

''میرے ہاتھ کھول دو نیلما!'' وہ جیسے تڑخا تھا، نیلما اس قدر رفدا ہوئی۔

''قربان ہو جاؤں اس فرمائش کے شہزادہ عالم! مگر ارادہ ظاہر ضرور فرمائیں، اگر مجھے بانہوں میں بھر کے گلے لگانے کا وعدہ کرو، مجھ سے ہونے والے نکاح کے پیپرز پہ سائن کا عندیہ دو تو ابھی

کھول دیتی ہوں میری جان!'' وہ اپنے مخصوص بے باک من چلے انداز میں کہہ کر بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگی، گویا خود اپنی ہی بات پہ خود کو داد دی ہو، گویا خود اپنی بات پہ مزہ لیا ہو، معاذ کا چہرہ جانے کس احساس کے تحت سرخ ہو کر تمتمانے لگا۔

''اس سے پہلے بھی تمہارا بہت اچھا امیج نہیں تھا میری نظروں میں، مگر اب جس طرح تم نے اپنی حقیقت کھول کر میرے سامنے رکھی ہے، تم جیسی عورت پہ بس لعنت بھیج سکتا ہوں۔'' وہ جتنا بھڑکا تھا اس لحاظ سے برہمی سے تڑخ کر بولا، نیلما کا چہرہ سفید پڑ گیا، وہ کچھ دیر اسے ساکن، پتھرائی نظروں سے دیکھتی رہی، جب بولی تو اس کی آواز ڈوب رہی تھی۔

''میں اس لعنت سے چھٹکارا ہی پانا چاہتی ہوں چھوٹے شاہ! تم میری بات مان لو، میں ثابت ہو جاؤں گی، ہم کہیں باہر چلے جائیں گے، تمہاری بیوی بھی ساتھ ہوگی ہمارے، شاہ جی میں عزت کی زندگی کو ترس رہی ہوں، یہ نیکی کما لو تم، میری حسرت کو پورا کر دو۔'' وہ جیسے اس کے پیر پڑنے لگی، منت سماجت کا انداز تو ایسا ہی تھا، معاذ یکلخت سکتے میں آ گیا، اسے قطعی سمجھ نہیں آ گئی وہ کیا کہے، اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا، اس کے اعصاب سن ہو رہے تھے، نیلما کی آہ و بکا ہر گزرتے لمحے بڑھ رہی تھی، معاذ کو اب اگر اس پہ رحم نہیں بھی آ رہا تھا، تو نفرت بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔
اسے پہلی بار نیلما کا دکھ سمجھ میں آیا، اسے پہلی بار نیلما کی محرومی کا اندازہ ہو پایا، اس نے پہلی بار اس کی تکلیف کو محسوس کیا تھا جیسے۔

☆☆☆

اک بوند برس
اک اشک چھلک
خاموش نظر
کوئی بات تو کر
دل دکھتا ہے
تو میرے دل پہ ہاتھ تو رکھ
میں تیرے ہاتھ پہ دل رکھ دوں
دل درد بھرا
جو اس کو چھوئے
یہ اس سے ملے
اک لفظ محبت بول ذرا
میں سارے لفظ تجھے دے دوں
دل درد سراب کو آب سے بھر
تو میرے خواب پہ آنکھ تو دھر
میں تیری آنکھ میں خواب بھر دوں
خاموش محبت بات تو کر

فیصلہ مشکل ہو، راہ کٹھن تو جان کنی نصیب بن جایا ہی کرتی ہے، یہی اس کا نصیب تھی، وہ جتنا بھی رو لیتی، جیسے جیسے مرضی تڑپتی، اسے معلوب تو ہونا تھا، اسے جہان سے اک بار پھر دستبردار ہونا تھا، اسے ایک بار پھر خود کو تیمور کے بے رحم مرضی کے تابع کرنا تھا، یہ جتنا ناگوار تھا، اس قدر اذیت انگیز اس سے بڑھ کر ضروری بھی۔

کسی نے کیا خوب کہا تھا کہ انسان کی فطرت میں سر جھکانا لازم ہے، یہ سر جھکانا انسان پر اللہ کی سب سے بڑی رحمت ہے، اللہ نے انسان کو ایک حد تک خود مختار بنایا ہے، اسے اعمال انجام دینے میں ایک حد تک آزادی دی ہے، لیکن اعمال کا نتیجہ کیا ہوگا اس پر انسان کو طاقت نہیں، اس لئے جب وہ اللہ پاک کے احکامات کے منافی کام کرتا ہے یا دل ایمان کی حلاوت بھول جاتا ہے تو وہ پھنس جاتا ہے، اس کے اعمال کے انجام اسے مسائل کی دلدل میں مزید کھینچتے ہیں، یہ وہ وقت ہوتا ہے اگر وہ سر جھکانے والا ہو تو اللہ کی رحمت سے اسے نکلنے کی راہ مل جاتی ہے اور وہ بالآخر جسمانی و روحانی بوجھ سے آزاد کر دیا جاتا ہے، لیکن اگر وہ سر جھکانے والا نہ ہو اور اپنے رب سے اجنبی ہو تو وہ منفی سے منفی ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی زندگی شدید عذاب بن کر رہ جاتی ہے۔

زینب کی فطرت میں کبھی سرکشی بھی تھی، نخوت اور اکڑ بھی، جسے حالات نے واقعات نے شدید ضربیں لگا کر توڑا تھا، وہ اب وہ نہیں تھی مگر بہر حال خدا کی پوری اطاعت گزار بھی نہ بن سکی تھی، جبھی حالات کے سخت حال سے نکلنے میں بھی کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی، یہی غفلت اس مصیبت کا باعث تھی مگر اسے خدا کے آگے گڑگڑانے کا خیال نہیں آ رہا تھا، وہ اپنے مسائل اپنی ناقص عقل سے حل کرنے میں لگی تھی، اسے جہان کا انتظار تھا، وہ اس سے حتمی بات کرنا چاہتی تھی، فاطمہ کو فیڈ کرانے اور پھر سلاتے خاصا ٹائم بیت گیا، اسے یقین ہوا جہان آ چکا ہے تو اپنے کمرے سے نکل کر اس کے کمرے کی جانب آ گئی۔

شاہ ہاؤس کے در و دیوار پہ ان دنوں ہر وقت مردنی چھائی رہتی تھی، ہر اس زدہ چہرے غم آنکھوں کے مکین ہزاروں خدشے دل میں لئے جیسے سانسیں کھینچتے تھے، تلاش ناکام ٹھہری تو دعاؤں پہ ساری توجہ مرکوز ہوئی، اب کسی کی شکل کم کم کہا کسی کو نظر آتی تھی، زینب جتنی بار بھی اپنا دل ٹٹولتی...... اسے معاذ کے حوالے سے تسلی ملتی تھی، وہ لوٹ آئے گا یہ یقین ملتا تھا، مگر اس واپسی کو مشروط بھی کر دیا گیا تھا۔

''کون ہے؟'' وہ دروازے کے باہر آ کر رک گئی، دستک بہت مدھم تھی، جواب میں ژالے کی مدھم اور کسی حد تک بوجھل آواز ہی گونجی تھی، زینب نے جواب دینے کے بجائے پھر دستک دی تھی، چند لحوں کے توقف سے دروازہ کھل گیا، چوکھٹ پہ ژالے کا چہرہ نظر آیا تھا، دوپٹہ شانے پہ ڈالے کھلے بالوں کے حصار میں مقید معصوم بے ریا چہرہ، زینب اسے دیکھتی رہی، عجب خالی نظریں تھیں، اس کی خوش بختی کا اسے پھر اندازہ ہوا تھا جیسے۔

''اندر آ جایئے زینی آپی!'' ژالے سائیڈ پہ ہو کر گویا اسے راستہ دے رہی تھی، زینب چونک گئی تھی، گہرا سانس بھرتے اس نے نگاہ کا زاویہ بدل کر کمرے میں جہان کو کھوجا جو اس پل واش روم کا دروازہ کھول کر باہر آیا تھا، بلیو جینز پہ بغیر شرٹ کے کسرتی وجود گلے میں سفید تولیا، بکھرے

بالوں سے ٹپکتے شفاف پانی کے قطرے، دونوں کی نگاہ لمحہ بھر کو چار ہوئی تھی، نگاہ کا زاویہ بدلنے میں جہان نے پہل کی، زینب کے دل کی دنیا زیر و زبر ہونے لگی، اسے سمجھنے میں ایک لمحہ درکار تھا، وہ کتنا خفا تھا اس سے۔

''آپ سے بات کرنی ہے ضروری سے!'' وہ جیسے منمنائی تھی۔

''ژالے...... شرٹ کہاں رکھ دی میری۔'' اسے نظر انداز کیے وہ برش اٹھا کر بالوں میں چلا رہا تھا، ژالے تیزی سے آگے بڑھی اور سائیڈ پہ دھری اس کی شرٹ اس کی جانب بڑھا دی، پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

''زینی آپی اندر آ کر بات کر لیں، شاہ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''جے کمرے میں...... میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔'' ژالے کی بات کا جواب دیئے بنا اس نے جہان کو ہی پھر مخاطب کیا تھا اور وہیں سے پلٹ گئی، اپنے کمرے میں آ کر وہ سکون سے نہیں بیٹھ سکی تھی، جب تک جہان نہیں آیا وہ بھیگتی ہاتھ مسلتی رہی تھی، جہان نے اندر آ کر اپنے پیچھے دروازہ بند کیا تھا، پھر آگے بڑھ کر کاٹ میں بے خبری اور سکون کی نیند سوتی فاطمہ کو جھک کر پیار کرنے لگا۔

''آپ جانتے ہیں جہانگیر! میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، کبھی بھی نہیں، میں اس رشتے کو لے کر اب بھی آگے نہیں چلنا چاہتی ہوں، اس لئے آپ مجھے...... مجھے طلاق دے دیں۔''
اسے جتنی بھی دشواری محسوس ہوئی تھی مگر اس نے یہ سب کہہ ڈالا تھا، جو کچھ وہ ٹھان چکی تھی، اس کے بعد کی ساری ذلتوں میں وہ جہان کی بدنامی کی قائل نہیں تھی، یہ ضروری تھا، از حد ضروری کہ اب اس کا نام جہان کے نام سے جدا ہو جاتا، جہان جیسے تھا اسی زاویئے پہ کھڑا رہ گیا، اس کی تمام حسیات یکبارگی ساکت ہو کر رہ گئی تھیں، معاً وہ خود کو سنبھال کر بہت آہستگی سے اس کی جانب پلٹا، اس کی نظروں میں اس پل کیا تھا، یہ زینب میں دیکھنے کی تاب نہیں تھی، جبھی وہ سر جھکائے کھڑی رہی، جہان دو قدم آگے بڑھا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے۔

''زینی......!'' اس کی آواز سرگوشی سے مشابہہ تھی، جذبات سے بے انتہا بوجھل۔
اذیت کے شدید احساس سے لبریز، زینب نے پھر بھی پلکیں نہیں اٹھائیں، آنکھوں کے پیچھے آنسوؤں کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا، وہ خود کو ہرگز کوئی رعایت دینے پہ آمادہ نہیں تھی۔

''سوری فار ایٹ زینی! کہ میں بہت روڈ ہو گیا تھا تمہارے ساتھ...... حالات جیسے بھی ہوں مگر مجھے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی تم سے...... اس میں تمہارا قصور نہیں ہے، تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا اس سے یہ غلطی سرزد ہو سکتی تھی اور......''

''میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے جہانگیر! یہ سب جو کچھ بھی ہوا، اک باقاعدہ پلان اور منصوبے کے تحت ہوا ہے، تیمور مجھے چھوڑ کر پچھتاوے کا شکار تھا اور میں اسے پانے کی خواہش مند، آپ کو معلوم ہے، میں نے اسی سے محبت کی تھی، ہمیں ہر صورت ملنا تھا اور ملاپ کی راہ ایک ہی تھی، حلالہ...... ایسے میں اور کسی پہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا ماسوائے آپ کے، اب وہ شرط پوری ہو چکی ہے، آپ کو مجھے چھوڑنا ہوگا۔'' ایک ایک لفظ انگارہ تھا، جو اس نے کس جشن سے زباں سے

پھینکا تھا، یہ جہان کیسے جان سکتا تھا، جو خود اذیت کے لاانتہائی سمندر میں جا گرا تھا انکشاف ایسا تھا جو محبت و اعتماد کی دھجیاں بکھیر کے رکھ چکا تھا، کہاں کا مان اور کیسی محبت، سب کچھ ایسی بے یقینی کی زد پہ لا کر رکھ دیا گیا تھا کہ وہ خود کو خس و خاشاک کی طرح محسوس کر رہا تھا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ زینب اس کے ساتھ ایسا کھیل بھی کھیل سکتی ہے، وہ یقین کرتا بھی نہیں اگر ماضی کے سارے حوالے سارے واقعات زینب کے خلاف نہ گواہی دے رہے ہوتے۔

''تم...... جھوٹ بول رہی ہو زینب! تیمور سے مت ڈرو، معاذ کو کچھ نہیں ہوگا۔'' متغیر رنگت کے ساتھ وہ ٹوٹے پھوٹے بے ربط لفظوں کے ساتھ بولا تھا کہ وہ چیخ پڑی۔

''بات لالے کی نہیں ہے، بات میری بھی ہے، مجھے ہر صورت تیمور واپس چاہیے۔'' جہان ایک بار پھر یکلخت خاموش ہوا، گویا سکتے میں آ گیا ہو۔

''فیصلہ کریں جہان!'' وہ پھر چیخی اور جہان کا سکتہ جیسے چھناکے سے بکھر گیا، وہ عجیب سی وحشت میں گھرتا دو قدم پیچھے ہوا اور اسے زور سے دھکا دے ڈالا۔

''تمہاری جو بھی مرضی ہو، یا اس واہیات انسان کی جو بھی خواہش، مگر یاد رکھو میں اب تمہارے ہاتھ میں کھلونا بن کر نہیں رہ سکتا، میں یہ شیطانی کھیل نہیں کھیل سکتا، میں ہرگز تمہیں طلاق دے کر رب کی ناراضگی کا باعث نہیں ٹھہروں گا، حلالہ کا یہ تصور جو تمہارے ذہن میں تیمور نے پیدا کیا ہے سراسر ناجائز ہے، نکاح کھیل نہیں ہوتا کہ اسے بار بار کھیلا جا سکے، میں نے تمہیں قبولا تھا تو اللہ سے عہد کیا تھا، ہر اس حق کو ادا کرنے کا جو رب نے اسے رشتے کے تقاضے سمجھائے ہیں، الحمدللہ میں کامیاب بھی رہا ہوں، اگر یہ ارادے تم پہلے ظاہر کر دیتیں تو میں کبھی بھی اس شیطانی کھیل کا حصہ نہ بنتا، جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید ناراضگی کا اعلان ہے اور اس کو کرنے والے پہ لعنت کی گئی ہے، اس لئے بھول جاؤ کہ میں ایسا کچھ کروں گا، چاہے تم خوش ہو یا ناراض۔''

وہ جتنا بھی خفا تھا، مگر اس وقت بہت تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا، زینب کا چہرہ ایک دم سے دھواں دھواں ہو گیا، اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا، جہان اسی حد تک پختہ ثابت ہوگا، اپنے پیروں پہ کلہاڑی مارنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا، الٹا شاید اس نے اپنے راستے مزید کھوٹے کر لئے تھے، مزید راہوں میں کانٹے بچھا دیئے تھے، بے بسی کا مظہر آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے چہرے پہ بکھرنے لگے، جہان نے اسے آنسو بہاتے ہونٹ بھینچ کر دیکھا تھا، خوشنما آنکھوں سے مسلسل بہتے آنسو لال ہوتا چہرہ، عجیب پگھلا دینے والی صورتحال تھی، وہ خود کو برا بنا کر پیش کر رہی تھی، مگر جیسے بری نظر آنے میں ناکام تھی، اجلا چہرہ شفاف آنکھیں بے بس انداز از خود گواہی دیتے تھے اس کی معصومیت کے اس کی لاچاری و بے بسی کے، اس کی مجبوری کے اس کی گھبراہٹ و خدشات کے ساتھ پشیمانیوں کے، جہان کا دل اس کی جانب سے صاف ہوتے دیر نہیں لگی، دل پگھلنے لگا، غصہ حسن کی شعاعوں سے جل کر خاک ہوا تو گہرا سانس بھرتا خود اس کے نزدیک آ گیا۔

''زینب......!'' اس نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں نرمی سے تھام لیا۔

''اب ہم میاں بیوی ہیں، ایسا رشتہ ہے ہمارے بیچ میں جس کو رب نے ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی ہے، یعنی کسی کا بھی کسی سے کوئی بھی بھید پوشیدہ نہیں، تم کیوں مجھ سے چھپ رہی ہو؟ کیوں اپنا آپ عیاں کرنے سے خائف ہو، زینی ان فاصلوں کو ختم کر دو، یہ جھجک بھول جاؤ، تمہارا ہر دکھ میرا دکھ ہے، کہو تو دل کا بوجھ ہلکا کر دو، ایسے خود کو تکلیف نہ دو، میں جانتا ہوں وہ تمہیں تنگ کر رہا ہے، وہ تم پہ دباؤ ڈال رہا ہے، تم وہ نہیں کرنا چاہتیں جو وہ تم سے کروا رہا ہے، ہے ناں؟'' وہ مدھم لہجے میں بول رہا تھا، آواز کی گمبھیرتا، اپنا پن...... دوستانہ طلسم...... محبت کی کشش زینب کو جکڑنے کی، اسیر کرنے کی، وہ ڈری سی خائف ہوئی تھی اور دونوں ہاتھ جہان کے سینے پہ رکھ کر دباؤ ڈالتے اسے خود سے دور دھکیلا تھا اور کئی قدم لڑکھڑا کر خود بھی فاصلے پہ ہوتی زور سے سر کو نفی میں ہلانے لگی۔

''آپ اتنے خوش فہم کیوں ہیں جہانگیر حسن شاہ!'' اس کا لہجہ بیگانگی بے مروتی کا مظہر تھا، جہان اسے جھانچتی پرکھتی آزمائشی نظروں سے دیکھتا رہا۔

''معاذ کو کچھ نہیں ہوگا زینی! آئی پرامس وو یو، وہ آ جائے گا انشاء اللہ بہت جلد بالکل ٹھیک ٹھاک، ڈرو مت، تیمور کی باتوں کو اہمیت مت دو، آئندہ اس کا فون ہی نہ سننا رائٹ؟''

زینب نے جواب نہیں دیا، رخ پھیر لیا، جہان بہت دیر کھڑا رہا، جب وہ متوجہ نہیں ہوئی تو تھکے ہوئے انداز میں پلٹ کر چلا گیا تھا، اگلی صبح زینب نے اس کا باقی مردوں کا گھر سے جانے کا انتظار بہت بے صبری سے کیا تھا تیمور نے رات انتہائی دھمکی دے ڈالی تھی، اگر وہ نہ آئی تو مزید انتظار نہیں کرے گا، معاذ کو واپس بھیجنے کا مگر مردہ حالت میں، زینب کے اندر جیسے الاؤ دہک اٹھے تھے، اسے سب بھول گیا تھا، سوائے معاذ کے، فاطمہ کو اس نے صبح ہی طبیعت کی خرابی کا کہہ کر ژالے کے سپرد کر دیا تھا۔

میرے گمشدہ

قرۃ العین خرم ہاشمی

"تم بہت اچھی ہوژالے! ہو سکے تو معاف کر دینا مجھے، میں بہت دیر سے تمہیں سمجھ سکی، میں جانتی ہوں تم فاطمہ کو بہت اچھی طرح سنبھال سکتی ہو۔"

وہ پہلی بار ژالے سے ایسی باتیں کر رہی تھی، ژالے کو بجائے خوشی کے تشویش لاحق ہونے لگی، اس نے گھبرا کر اس کی شکل دیکھی تھی، وہ اسے ہرگز ہرگز نارمل نہیں لگی۔

"آپ ٹھیک نہیں ہیں زینی آپی! میں آپ کو ڈپریشن دور کرنے کی ٹیبلٹ لا کر دیتی ہوں کچھ آرام کر لیں۔" وہ مضطرب ہو کر ہی فاطمہ کو لے کر چلی گئی تھی، زینب اس کی واپسی سے پہلے نکل آئی، گھر سے نکلنے سے قبل اس نے پھر تیمور سے رابطہ قائم کیا تھا اور یاد دہانی کروائی تھی کہ وہ ہر صورت معاذ کو اپنے ساتھ لائے گا اور اسے آزاد کر دے گا، تیمور نے اسے تسلی ہی دی تھی، شاہ ہاؤس کا گیٹ پار کر کے روڈ پہ آ کر ٹیکسی میں بیٹھتے اس نے اپنا بیگ تھپتھپایا تھا، جس میں پپا کا لوڈڈ ریوالور اور ایک عدد تیز دھار چھری اس کی تقویت کا باعث تھی، اس سلسلے کو ہر ہر صورت وہ ختم کرنے کی ٹھان چکی تھی، تیمور کا کام تمام کر کے اس کے دل میں اس کی جانب سے کب سے بھڑکتی انتقام کی آگ سرد پڑ جاتی، صرف یہی نہیں ہمیشہ کے لئے اس بلیک میلر سے نجات بھی مل جاتی، اب اسے اس بات کا بھی قطعی کوئی خوف نہیں تھا کہ اس کے ساتھ وہاں کیا ہوگا، وہ مرنے یا مار دینے کا عزم کر چکی تھی، اس کی حالت اس سپاہی کی سی تھی جو میدان جنگ میں یہ عزم لے کر نہیں اترتا کہ اسے جیتنا ہے، وہ اپنی نہیں اپنوں کی بقا کا سوچ چکی تھی، اس نے جہان کی مانی تھی نہ تیمور کی اس نے اپنے دماغ کی مان لی تھی، جس پہ بے تحاشا بوجھ تھا۔

صبح اس نے ہر کام الوداعی انداز میں کیا تھا، چاہے وہ فاطمہ کو پیار کرنے کا ہو یا مما اور پپا کو دیکھنے اور ملنے کا، جہان کو اس نے صبح اصرار کر کے ناشتہ کروا دیا تھا اور اسے حسرت بھری غمگین نظروں سے دیکھتی رہی تھی، یہ وہ متاع تھی جس کی ملکیت کی خاطر بہت کچھ کھویا تھا، اس نے بہت تکلیفیں سہی تھیں مگر وہ نہیں مل سکا۔

پھر اک معجزہ ہوا اور وہ اسی کا بنا دیا گیا مگر اس پہ انکشاف ہوا حالات اختیار سے باہر ہیں، وہ اس خوشی کو محسوس کر سکتی ہے نہ نازاں ہو سکتی ہے، اس سے بڑھ کر بھی کوئی اذیت تھی، نہیں تھی، وہ دن رات روتی تھی مگر حالات نہیں سدھرتے تھے، نہیں سدھرے تھے اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ خود کو تیاگ دے، حالات سخت ہوں ناسازگار ہوں تو پھر کچھ نہ کچھ کھونا قربان کرنا لازم ٹھہرا کرتا ہے، یہ کھونا ہمیشہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اور بہت قیمتی بھی۔

جہان...... معاذ...... یا پھر وہ؟ اس کے پاس اس کے سوا کیا حل تھا کہ وہ خود اپنے نام قرعہ فال نکال لیتی، اس نے ایسا ہی کیا تھا، اس نے ایسا ہی کر لیا تھا کہ جان گئی تھی، ان کا یہ ٹرائی اینگل اب سلامت نہیں رہ سکتا تھا، اسے ٹوٹنا تھا، تو پھر ایسے کیوں نہ توڑا جاتا کہ نقصان کم سے کم ہوتا، جہان کی بھی فیملی تھی، معاذ کی بھی، اس کا کیا تھا، ایک بیٹی، وہ اس کے بغیر بھی پل ہی جاتی۔

(جاری ہے)

ابھی وقت ہے ابھی سانس ہے
ابھی لوٹ آ میرے گمشدہ
مجھے ناز ہے میرے ضبط پر
مجھے پر رلا میرے گمشدہ

شام آہستہ آہستہ اپنے پر پھیلائے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی، ویسے تو دن کے وقت بھی یہاں سناٹے کا راج ہی رہتا تھا، مگر شام کے وقت یہ خاموشی مزید بڑھ جاتی تھی، جسے گھروں کو لوٹتے پرندوں کی آوازیں توڑ دیتی تھیں، اس اجنبی خاموشی میں پرندوں کی آوازیں، کسی "اپنے" کی طرح لگتی تھیں۔

کافی دیر کی اس ویران اور سنسان سڑک پر کسی گاڑی کے ٹائر چرچرائے، اپنی کالی چمکتی نیو برانڈ کی گاڑی سے وہ باہر نکلا، گاڑی سے اتر کر اس نے دائیں بائیں دیکھا، وہ اس جگہ پہ کافی سال کے بعد آیا تھا۔

"پتہ تو یہاں ہی کا تھا۔" اس نے اپنے ذہن میں اچھی طرح دہرایا، حالانکہ وہ یہ جگہ بھولا نہیں تھا کبھی بھی، مگر اس نے آتے ہوئے ایک بار کنفرم ضرور کیا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا، اپنے مطلوبہ مقام کی طرف چلنے لگا، سردی کے باوجود وہ عجیب سی گھبراہٹ اور بے چینی محسوس کر رہا تھا، اس نے اپنا کوٹ اتار کر، بازو پہ ڈال لیا، ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور گہری سانس لیتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیئے، پھاٹک کے پاس آ کر اس کے قدم ایک دم سے رک گئے۔

"کیسے اس کا سامنا کروں گا؟" اس نے بے قرار ہو کر خود سے سوال کیا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید قدم آگے بڑھاتا، ٹھٹک کر رک گیا، اس کی نظر پھولوں پہ پڑی۔

"ہاں...... اسے پھول بہت پسند تھے۔"

ذہن کے پردے پہ ماضی کی کوئی یاد سی لہرائی تھی اور اس نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کے لئے، پھول خرید لئے، تازہ سرخ پھولوں کی نم پتیوں کے ساتھ، ان کی اداس سی خوشبو میں کسی کی یاد کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

☆☆☆

یہ نہیں کہ تیرے فراق میں
میں اجڑ گیا یا بکھر گیا
ہاں محبتوں پہ جو مان تھا
وہ نہیں رہا میرے گمشدہ

اسے آج بھی یاد ہے، زارا رحیم کے ساتھ گزارا ہوا ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل، جس میں ان دونوں نے پوری زندگی جی لی تھی شاید، داؤد اور زارا جنہوں نے ملنے کے بعد اپنی باقی زندگی کو صرف ایک دوسرے کے سنگ بتانے کا سوچا تھا، کتنے خواب تھے ان کے، زارا بہت شوخ و چنچل تھی، تتلی کی مانند، رنگوں اور خوابوں سے بھری ہوئی اور داؤد ان رنگوں کا دیوانہ تھا۔

یونیورسٹی کے وہ دو سال ایک خواب کی مانند گزرے، دونوں کے ملنے میں، بظاہر کوئی روکاٹ نہیں تھی، دوستی کا، محبت کا، مان کا، روٹھنے کا، ہنسنے کا، غرض ہر رشتہ، ان کا آپس میں جڑا ہوا تھا۔

مگر پھر......

☆☆☆

مجھے علم ہے کہ تو چاند ہے
کسی اور کا مگر ایک پل
میرے آسمان حیات پہ
ذرا جگمگا میرے گمشدہ

سوئمنگ پول کے پانی میں چودھویں کے چاند کا عکس اس طرح نظر آ رہا تھا جیسے دل کے شفاف آئینے میں محبوب کا عکس ہو۔

داؤد حیرت کے ساتھ کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتا اور کبھی اپنے پہلو میں کھڑے زمین کے چاند کو، سفید فراک میں ملبوس وہ کوئی پری یا حور لگ رہی تھی، جو گرد و پیش سے بے خبر، پانی میں جھلملاتے چاند کے عکس پہ نظریں جمائے کھڑی تھی۔

اس کے چہرے کی سنجیدگی اور آنکھوں کی اداسی داؤد کے لئے بہت اجنبی اور نئی تھی، جب وہ بولی تو اس کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"تم بہت دور چلے جاؤ، غائب ہو جاؤ، بس ایسے جیسے انسان کا پتا ہی نہ چلے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو زارا!" داؤد نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پلیز تمہیں اس محبت کا واسطہ، مجھ سے کوئی سوال مت کرنا، دوبارہ میرے راستے میں مت آنا، ورنہ میں کبھی بھی، بابا جان کا مان نہیں رکھ پاؤں گی، پلیز چلے جاؤ اس سے پہلے کہ میں کمزور پڑوں۔" زارا نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑے، داؤد نے بے یقینی اور حیرانی سے اس کے بندھے ہاتھوں کو دیکھا اور چند قدم بے اختیار پیچھے ہٹا، کچھ دیر تک اس کے چہرے کو دیکھتا رہا اور پھر ایک دم سے پلٹ کر چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی زارا، نیچے بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

تیرے التفات کی بارشیں
جو میری نہیں تو بتا مجھے
تیرے دشت چاہ میں کس لئے
میرا دل جلا میرے گمشدہ

زارا کے جوڑے ہاتھوں نے اسے بہت مجبور اور بے بس کر دیا تھا، مگر "محبت"، جس کو اپنی انا پہ نچھاور کرنے کو... یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس سے بچ کر جی سکے۔

داؤد نے خود کو بری طرح سے کاموں میں الجھا لیا، ملک ہی چھوڑ دیا، کیونکہ اسے زارا اور اس کی مشترکہ دوست نائلہ سے پتا چل چکا تھا کہ زارا کے ڈیڈی نے اس کی شادی اپنے بزنس مین دوست کے بیٹے سے کر دی تھی، وہ دوست ان کا ففٹی پرسنٹ کا پارٹنر ہی تھا اور زارا کے ڈیڈی کے بزنس میں مزید اضافے کے لئے اس رشتہ کا جڑنا ضروری تھا، ورنہ زارا کے ڈیڈی کا بہت کچھ کھونا بھی پڑ سکتا تھا، اس وجہ سے زارا کو قربانی کا بکرا بنایا گیا۔

داؤد نے گزرتے وقت کے ساتھ ہر ممکن کوشش کی، اسے بھولنے کی، مگر دل میں جو ایک بار بس جائے وہ کہاں بھولتے ہیں، ان کے قدموں کے نشاں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

اس آگ میں جلتے بجھتے، کئی سال گزر گئے، داؤد نے سوچ لیا تھا کہ وہ اتنا آگے نکل جائے گا کہ زارا کا خیال اس کا تصور کہیں بہت پیچھے رہ جائے گا۔

کامیابی و کامرانی میں وہ سچ میں بہت آگے نکل گیا تھا، مٹی کو بھی ہاتھ لگاتا تو وہ سونا بن جاتی تھی۔

شاید وہ اور بھی آگے نکل جاتا کہ اچانک وقت نے پھر پلٹا کھایا اور جس نے کبھی اسے اس طرح گم ہونے کا کہا تھا کہ اس کا پتا ہی نہ چلے، اسی آواز نے اسے پھر ایک بار پکارا تھا اپنے پاس بلایا تھا۔

اور داؤد جسے یہ لگتا تھا کہ وہ اب اتنا آگے نکل آیا ہے کہ اس کی آواز تک سے پیچھا چھڑا آیا ہے، اس کے ایک بار ہی پکارنے پر دیوانوں کی طرح دوڑا چلا آیا تھا۔

☆☆☆

گھنے جنگلوں میں گھرا ہوں میں
بڑا گھپ اندھیرا ہے چار سو
کوئی اک چراغ تو جل اٹھے
ذرا مسکرا میرے گمشدہ

زارا، اس کو اپنے سامنے دیکھ کر ہولے سے مسکرا دی اور داؤد اسے اس حالت میں دیکھ کر ساکت رہ گیا، اس کا کمزور اور نحیف ہاتھ، اپنے مضبوط اور توانا ہاتھوں میں لے کر رو پڑا۔

وہ جانتا تھا کہ وہ رنگوں اور تتلیوں کی دیوانی، سی لڑکی، حالات اور رویوں کی تختی زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکے گی، وہ موم کی گڑیا، رویوں کی تپش اور "محبت" کے کھونے کے غم میں اندر ہی اندر گھلتی لحہ بہ لحہ زندگی سے دور ہو رہی تھی۔

اور لحہ بہ لحہ زندگی سے دور ہوتی زارا کو ایک بار اپنی "محبت" کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا تھا، اسے بھی مدت ہو گئی تھی دل سے مسکرائے ہوئے، ڈیڈی نے اس کی شادی سے اپنے بزنس کو تو بچا لیا تھا مگر زارا نے اپنا سب کچھ گنوا کر بھی اپنے مجازی خدا کو اپنا نہیں بنا سکی تھی، جس کے لئے زارا جیسی لڑکی صرف بیوی کی حد تک گھر میں سجتی تھی، مگر گھر سے باہر کی دنیا کی "دلچسپیاں" الگ تھیں، جس میں زارا سے "وفا" شامل نہیں رہی تھی کبھی بھی۔

داؤد نے ہمیشہ زارا کی خوشیوں کی دعا کی تھی اور وہ یہ سوچ کر مطمئن بھی رہتا تھا کہ وہ جہاں بھی ہے خوش ہے آباد ہے۔

مگر زارا کی ہسپتال کے بستر پہ نیم مردہ حالت میں دیکھ کر وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔

"تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے، پلیز میری خاطر ہی میرے کہنے پر خود کو سنبھالو۔" داؤد نے نم لہجے میں کہا، تو زارا چند ثانیے تک اس کی وجیہہ چہرے کو دیکھتی رہی۔

"میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی، ہر رشتے کو ایمانداری سے نبھانے کی، میں نے زندگی کو پوری ایمانداری کے ساتھ جیا ہے، مجھے اس سے کوئی شکوہ نہیں ہے، شکوہ ہے تو تم سے، جس کی زندگی آج بھی کہیں رکی ہوئی ہے، میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتی، یہ "جوگ" چھوڑ دو اور اپنی زندگی کو آباد کرو، وعدہ کرو مجھ سے۔" زارا نے دھیرے سے کہا تو داؤد نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے سرد ہاتھوں پہ ہونٹ رکھ دیئے اور وہاں سے چلا آیا، اس امید پہ کہ زارا بھی اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کرے گی اور زندگی کی طرف لوٹ آئے گی، زارا نے ایسا کیا بھی مگر......!!

☆☆☆

ماریہ سے اس کی شادی کو پندرہ سال گزر چکے تھے اور ان کے تین پیارے پیارے بچے تھے۔

داؤد اپنی لائف میں بہت مگن اور خوش تھا اس کا گھر اس کی جنت تھا، ان پندرہ سالوں میں وہ بہت کم پاکستان آتا تھا، اس بار بھی وہ پاکستان بے اختیار کھنچا چلا آیا تھا، اس کی یاد نے بہت دل بے قرار کیا، تو وہ بھاگا چلا آیا، کہ صرف ایک بار وہ اسے دیکھ آئے اس سے مل آئے، بھلے ہی وہ اسے نہ دیکھے، اس سے نہ ملے۔

پھول ہاتھ میں پکڑے، دھیرے دھیرے چلتا وہ اپنے مطلوبہ مقام پہ پہنچ گیا، گھٹنوں کے بل نیچے زمین پہ بیٹھ گیا اس وقت اسے یہ پرواہ نہیں تھی کہ اس کے اتنے مہنگے اور قیمتی کپڑے خراب ہو رہے ہیں وہ گرد و پیش سے بے خبر بیٹھا قبر پہ لگے کتبہ پر لکھے نام کو پڑھ رہا تھا۔

"زارا رحیم!"

ایک سسکی سی اس کے منہ سے نکلی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ اس کی قبر کی مٹی پہ دھیرے دھیرے پھول بکھیر رہا تھا۔

زارا سے وہ ملاقات آخری ثابت ہوئی، زارا کو بلڈ کینسر تھا، ڈاکٹرز سے مل کر، داؤد جان چکا تھا کہ زارا کے بچنے کے چانسز نہیں تھے، مگر اپنے خوف اور ڈر سے بھاگ کر وہ واپس لندن آ گیا تھا۔

وہ زارا کو اپنے سامنے مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا، زارا نے داؤد کے کہنے پر موت سے لڑنے کی ہلکی سی کوشش ضرور کی تھی، مگر اس کا وقت پورا ہو چکا تھا، چھ مہینے کے بعد داؤد کو زارا کے انتقال کی خبر ملی تھی، اس وقت تک داؤد ماریہ سے شادی کر چکا تھا، اس نے زارا کی یہ آخری خواہش بھی پوری کر دی تھی۔

زارا کے اپنوں کے بعد یہ واحد شخص تھا جو اس کی قبر پہ ضرور آتا تھا، وہ پاکستان بھی صرف اسی لئے آتا تھا۔

داؤد کے لئے زارا کو یہاں اس مقام پہ دیکھنا بہت تکلیف دہ اور مشکل تھا، مگر جب جب اس کا دل شدید بے قرار ہوتا وہ دوڑا چلا آتا تھا۔

کتنی دیر ہو گئی تھی اسے ایسے ہی بیٹھے، زارا کو مخاطب کر کے، دھیرے دھیرے اس سے باتیں کرنے لگا جیسے وہ اسے سن رہی ہو۔

"اس دنیا میں تو میں اپنی "محبت" سے دست بردار ہو گیا تھا اور تمہیں اس ذات کو سونپ دیا تھا، جس کا وعدہ اپنے بندوں سے اٹل ہے، مگر اس دنیا میں وہ ذات تمہیں مجھے واپس سونپ دے گی، یہ میرا اس پہ یقین کہتا ہے، محبت کرنے والے کسی نہ کسی جہاں میں تو ضرور ملتے ہوں گے ناں اور مجھے انتظار ہے اپنے "ملن" کا۔" داؤد نے دھیرے سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"تم کیا جانو، اس بھاگتی دوڑتی زندگی میں جب جب یہ خیال آتا ہے کہ تم منوں مٹی تلے سو رہی ہو، کتنا بے قرار کر دیتا ہے میں نے ہمیشہ تمہیں ہنستے، کھلکھلاتے خوشیوں سے بھرپور دیکھا تھا اور اسی کی دعا کی تھی ہمیشہ تمہارے لیے تم کیسے اس اندھیرے اور خاموشی میں رہتی ہو گی، یہ خیال مجھے ٹھیک سے راتوں کو سونے نہیں دیتا زارا رحیم!"

لوگ تو شور سے جاگ جاتے ہیں
مجھے تیری خاموشی سونے نہیں دیتی

داؤد نے دھیرے سے شعر پڑھا، پاس ہی مسجد سے مغرب کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں رات کا اندھیرا ہر سو چھانے لگا تھا۔

داؤد نے خالی خالی آنکھوں سے قبرستان کے جامد اور ویران سناٹے کو دیکھا اور دھیرے سے اٹھ گیا، الوداعی نظر، زارا کی قبر پہ ڈالی اور دھیرے دھیرے چلتا قبرستان کے گیٹ سے باہر نکل گیا، جہاں پھر سے زندگی کی وہ گہما گہمی اور مصروفیات اس کے رشتے اس کے سب اپنے، اس کے منتظر تھے، بس اس کی "محبت" یہاں اس خاموشی میں مدفن رہ گئی تھی۔

☆☆☆

لوگ ملتے جلتے ہیں
ساتھ ساتھ چلتے ہیں
ساتھ ساتھ چلنے میں
رنجشیں تو ہوتی ہیں
رنجشوں میں بھی لیکن
چاہتیں تو ہوتی ہیں
چاہتوں کی بھی ہر پل
اک عجب کہانی ہے
ہونٹ ہنستے رہتے ہیں
آنکھ بھیگ جاتی ہے
بھیگی ان نگاہوں میں
خواب جلتے بجھتے ہیں
درد کے سفر میں کچھ
موڑ ایسے آتے ہیں

خواب ٹوٹ جاتے ہیں
ساتھ چھوٹ جاتے ہیں
کرچیاں اٹھانے میں
وقت بیت جاتا ہے
درد جیت جاتا ہے
درد جیت جاتا ہے

اور وہ علیشا فرحان ایک مرتبہ پھر ہار گئی تھی، ابھی آزمائش کا وقت ختم نہیں ہوا تھا، وہ جو خوش فہم ہو کر زندگی کی طرف قدم بڑھانا چاہ رہی تھی ایک دفعہ پھر بہت طریقے سے دھتکاری گئی تھی۔

کتنے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، علیشا فرحان کی ذات کے پرخچے اڑائے گئے

مکمل ناول

دوسری اور آخری قسط

بھری محفل میں اس پر کیچڑ اچھالا گیا، اس کے کردار کو مٹی میں رولا گیا۔

''بس میرے پروردگار! بس اب مجھے اور نہیں جینا، مجھے ایسی ذلت و رسوائی والی زندگی نہیں چاہیے۔'' اس نے اس زور سے آنکھوں کو میچا تھا گویا کہ اب زندگی بھر انہیں کھولنا نہ چاہتی ہو۔

''سر! پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔'' کوئی سسٹر غالباً اسے ہی دیکھنے آئی تھی، اس کی پلکوں میں جنبش ہوتی دیکھ کر وہ سرعت سے باہر لپک کر ڈاکٹر کو بلا لائی تھی۔

''گڈ۔'' ڈاکٹر نے اسے اچھی طرح چیک کیا۔

''اب یہ خطرے سے باہر ہیں، لیکن جب تک یہ پوری طرح ری کور نہیں کریں گی تب تک ہم انہیں چھٹی نہیں دے سکتے۔'' ڈاکٹر اپنے ساتھ کھڑے شخص سے مخاطب تھا۔

''کیسا فیل کر رہی ہیں آپ اب۔'' وہ یقیناً چیئر گھسیٹ کر اس کے پاس ہی بیٹھ چکا تھا، علیشا نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا اور رواحہ کا دل بے تحاشا دکھ میں گھر گیا تھا، یہ آنکھیں علیشا فرحان کی آنکھیں تو نہیں تھیں، زندگی کی چمک سے مفقود ویران، بنجر نگاہیں، وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

''آپ ایزی رہیں کسی سوچ کو ذہن پر سوار مت کریں، سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔'' وہ زیادہ دیر اس کی بے رونق آنکھوں کو دیکھ نہیں پایا تھا، اسی لئے نگاہیں جھکا کر اسے تسلی دینے لگا۔

جب سے علیشا بے ہوش تھی اس کے اندر اشتعال اٹھ رہے تھے، رہ رہ کر اس کے ذہن میں ہی خیال آ رہا تھا۔

''وہ کون تھے جنہوں نے بھری محفل میں اس کے کردار کو داغ دار کرنا چاہا تھا۔'' اگر لوگ درمیان میں آ کر معاملہ رفع دفع نہ کرواتے تو وہ یقیناً اس شخص کا سر پھاڑ دیتا، اسے اس وقت تو اپنے طیش کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی، لیکن جب ڈاکٹر نے اس سے کہا تھا۔

''شدید ذہنی شاک کی وجہ سے پیشنٹ کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے اگر بارہ گھنٹوں تک انہیں ہوش نہ آیا تو خطرہ ہے کہ کہیں یہ کومے میں نہ چلی جائیں۔''

اس وقت رواحہ کو اپنے دل کی دھڑکن رکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، سب گھر والے ہی علیشا کے لئے از حد پریشان تھے لیکن اس کی تو حالت ہی سب سے جدا تھی، وہ دیوانہ وار کئی دفعہ آئی سی یو کے چکر لگا چکا تھا۔

دس گھنٹوں کی طویل وقفے کے بعد اسے ہوش آیا تھا اور رواحہ سب سے پہلے اس کی طرف لپکا تھا، اسے لگا تھا علیشا کے ساتھ ساتھ اس کے وجود میں بھی ابھی زندگی کی لہر دوڑی ہو، لیکن اس کی اجاڑ آنکھیں دیکھ کر وہ ایک مرتبہ پھر شدید کرب سے گزرا تھا، اس کے پاس وہ الفاظ ہی نہیں تھے جن کا سہارا لے کر وہ اسے تسلی کے دو بول کہہ سکتا، اس کے درد کو کم کر سکتا، اس کے ہوش میں آنے کا سن کر باقی سب کی بھی جان میں جان آئی تھی۔

''شکر ہے علیشا کو ہوش آ گیا، ورنہ میں ندرت کو کیا منہ دکھاتی، اس کی اکلوتی بیٹی کا خیال بھی نہ رکھ سکی۔'' تہمینہ بے ساختہ تشکر بھری سانس خارج کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''میرا وجود اوروں کے لئے سوائے بوجھ کے اور کچھ نہیں۔'' ایک مرتبہ پھر یہ خیال پوری قوت سے اس کے دل کے ایوانوں میں گردش کرنے لگا تھا۔

''پیشنٹ کو اب آرام کرنے دیں۔'' سسٹر نے اندر داخل ہوتے ہوئے ان سب کو مخاطب کیا تھا، پھر اس کا چارٹ چیک کرنے لگی وہ سب بھی خاموشی سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

وہ ایک مرتبہ پھر سارے ماحول سے کٹ گئی تھی، آفس تک جانا چھوڑ دیا تھا، اسے لوگوں کی نگاہوں سے خوف آتا تھا، اسے لگتا تھا اس دن ساری دنیا نے اس کا تماشا دیکھا تھا، اب وہ زندگی بھر کسی کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہی۔

نور اس کی حالت دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتی تھی، وہ لاکھ اسے سمجھانے کی کوشش کرتی لیکن وہ تو شاید مٹی کا مادھو بن گئی تھی،

رواحہ جونہی اندر داخل ہوا تو اس کی نظر سامنے لان میں دھری کرسی پہ بیٹھی علیشا پہ پڑی، اس کے قدم بے اختیار اس کی طرف اٹھنے لگے، وہ اپنی ہی سوچوں میں مستغرق تھی اس کے پاس آنے کی بھی خبر نہ ہوئی۔

''آہم...... السلام علیکم!'' وہ گلا کھنکار کر بلند آواز سے بولا، وہ چونک کر متوجہ ہوئی تو سامنے اسے کھڑا ہوا پایا۔

''وعلیکم السلام!'' آواز اتنی آہستہ تھی کہ وہ بمشکل سن پایا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ غالباً اس سے بات کرنے کے موڈ میں تھا، جبھی وہیں اس کے سامنے چیئر گھسیٹ کے بیٹھ گیا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس کے الفاظ ہرگز اس کے انداز کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

''آفس میں آپ کے کولیگ آپ کا پوچھ رہے تھے، کب سے ری جوائن کر رہی ہیں آپ۔'' اس کا مقصد صرف اس کا دھیان بٹانا تھا اور جس جمود کا وہ شکار ہو رہی تھی اس جمود کو توڑنا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تھی، اس کے سپاٹ لہجے پہ وہ ایکدم خاموش ہو گیا، چند ثانیے بہت کھوجتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا پھر گویا ہوا۔

''ہم اپنی پہلی لغزش کو تو غلطی کا نام دے سکتے ہیں لیکن ہماری دوسری لغزش، غلطی نہیں بلکہ گناہ کہلاتی ہے۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئی، وہ بولی تو کچھ نہیں تاہم متعجب نگاہوں سے اسے دیکھا ضرور دیکھا تھا۔

''آپ خاموش رہ کر کیوں یہ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آپ غلط ہیں، خاموشی کے اس پردے کو آپ چاک کیوں نہیں کر دیتیں۔'' اس کا انداز ترغیبانہ تھا۔

''میرا بولنا یا نہ بولنا برابر ہے۔'' وہ اپنے سابقہ سپاٹ انداز میں بولی تھی۔

''یہ صرف آپ کی خام خیالی ہے اور کچھ نہیں آپ کو شاید اندازہ نہیں لیکن بعض اوقات ہماری خاموشی بہت بڑے بڑے شبہات کو پیدا کر دیتی ہے۔'' اب کی دفعہ وہ ذرا بلند آواز سے گویا ہوا تھا۔

''آپ کو میرے بارے میں کتنے شبہات ہیں۔'' وہ سرد لہجے میں پوچھ رہی تھی، رواحہ کو اس سے اس سوال کی توقع نہیں تھی، تاہم وہ بولا تو اس کا لہجہ بھرپور یقین لئے ہوئے تھا۔

''ایک فیصد بھی نہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر باوثوق لہجے میں بولا تھا، علیشا کا دل ایک لمحے کے لئے ٹھہر سا گیا۔

''علیشا!'' رواحہ نے بڑے نرم اپنائیت بھرے انداز میں اسے پکارا تھا۔

علیشا کو اپنی پلکیں بھیگتی ہوئی محسوس ہوئیں،

اسے لگا تھا اس کا گلیشیئر بنا وجود قطرہ قطرہ پگھل جائے گا۔

''آپ سب کچھ بھول کیوں نہیں جاتیں۔''

اس کی بات پر وہ بول تو کچھ نہ سکی البتہ ایسی بے بس نظروں سے اسے دیکھا تھا کہ اس کی بے بسی دیکھ کر رواحہ کو اپنا دل کٹتا محسوس ہوا تھا۔

''تم مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو علیشا! مجھے بتاؤ ڈیڑھ سال کے قلیل عرصے میں کون سا ایسا سانحہ رونما ہوا کہ تم سرتاپا بدل گئی، ہادی کو جاب کے لئے یو کے جانا پڑا، مجھے بتاؤ علیشا، تم اپنی پڑھائی چھوڑ کے کیوں جاب کر کے اپنا وقت ضائع کر رہی ہو میں جاننا چاہتا ہوں۔'' وہ اس کی نم آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گہرے لہجے میں بول رہا تھا۔

''کیوں جاننا چاہتے ہیں آپ۔'' اس کے مطالبات سن کر وہ پھٹ پڑی۔

اسے اپنا دماغ پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، پرانے زخم دھڑا دھڑ ادھڑنے لگے ہیں، اس کا وجود برزخ میں اتر رہا تھا وہ کیوں نہ چلاتی۔

''میں تمہارے دکھوں کا مداوا کرنا چاہتا ہوں علیشا! اور میں خود نہیں جانتا میں، ایسا کیوں کرنا چاہتا ہوں، بس مجھے تمہاری یہ حالت تکلیف دیتی ہے۔'' اس کے لہجے میں سچائی کا عکس تھا۔

''میرا تو اپنی ذات پہ اعتبار نہیں رہا، میں تو کسی سے نظر ملا کے بات نہیں کر سکتی، اپنی داستان کسے سنا سکتی ہوں۔'' اس کا بھیگا لہجہ درد کی گہری تڑپ لئے ہوئے تھا، رواحہ کے دل پہ گھونسہ پڑا تھا، کہاں وہ ہر وقت مسکراتی، کھلکھلاتی علیشا فرحان، اور کہاں یہ غم و بے بسی کی تصویر بنی علیشا فرحان۔

''تم بزدل نہیں ہو علیشا! بی بریو حالات [illegible]

نہیں ہوگی کہ تم پر انگلی اٹھا سکے۔'' وہ اس کا حوصلہ بلند کرنا چاہتا تھا، تا کہ وہ خود پر اور دوسروں پر اعتبار کرنا سیکھے۔

''مت سکھائیں مجھے یہ بہادری کے سبق، نہیں ہوں میں بہادر۔'' وہ چلا اٹھی، کئی تکلیف دہ منظر آنکھوں کے سامنے گھوم گئے تھے۔

''اوکے اوکے ٹیک اٹ ایزی۔'' وہ ایکدم ٹھنڈا پڑ گیا اور لہجے کو بڑا سادہ اور سرسری سا رکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''تم بس مجھے یہ بتاؤ کہ اس دن شادی کے فنکشن میں وہ لڑکا اور لڑکی کون تھے؟''

یہ سوال نہیں تھا سنسناتا ہوا تیر تھا جو سیدھا علیشا فرحان کے دل میں پیوست ہو گیا تھا اس نے لب بھینچ کر ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی تھی، رواحہ احمد جہاں کا تہاں ساکت رہ گیا۔

☆☆☆

''علیشا! آفس سے تمہارے کولیگز آئے ہیں۔'' شام کے سائے پھیل رہے تھے، پرندوں کے ڈار کے ڈار رزق کی تلاش سے فارغ ہو کر اب اپنے آشیانوں کی طرف رواں دواں تھے، سرمئی آسمان کے کنارے سورج کی نارنجی شعاعوں نے گھیر رکھے تھے، وہ آسمان پہ نگاہیں جمائے کسی نادیدہ نقطے کو کھوج رہی تھی، جب نور نے اسے آکر اطلاع دی، وہ گہرے خیال سے چونکتے ہوئے خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھے گئے۔

''میرے خدا! میری اس دوست کو پہلے جیسا کر دے۔'' نور کے لبوں سے بے ساختہ اس کے لئے دعا نکلی تھی۔

علیشا کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا دل [illegible]

بھی سمجھانے کا ارادہ موقوف کر دیا تھا کیونکہ آفس سے اس کے کولیگز آئے بیٹھے تھے اور وہ بات کو طول دینا نہیں چاہتی تھی۔

''علیشا! تمہارے کولیگز آئے ہیں، وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔'' نور نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی بات کو دہرایا تھا۔

''اوکے میں آ رہی ہوں۔'' وہ کھڑی ہو کے بولی۔

''ٹھیک ہے۔'' اس کے جواب پہ نور نے بے ساختہ دل میں شکر ادا کیا تھا، ورنہ جس طرح وہ ہر چیز سے کٹ گئی تھی نور کو ڈر تھا وہ کہیں ملنے سے بھی انکار نہ کر دے۔

وہ ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی تو سامنے صوفے پہ عمران حیدر اور ثاقب سبحانی کو بیٹھے ہوئے پایا، اسے اندر آتا دیکھ کر وہ دونوں احتراماً کھڑے ہو گئے تھے۔

''السلام علیکم!'' انہوں نے سلام میں پہل کی تو وہ دل میں شرمندہ ہو گئی، چونکہ وہ داخل ہوئی تھی تو سلام میں پہل کرنا اس کا حق بنتا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' جواباً ان پر سلامتی بھیجتی وہ سامنے والے صوفے پہ ٹک گئی۔

بڑے مصروف ہو گئے ہو تم
اب تو دل دکھانے بھی نہیں آتے

عمران حیدر نے واپس بیٹھتے ہوئے بے ساختہ شعر پڑھا تھا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں۔'' وہ جبراً پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

ثاقب سبحانی کی نظریں اس کے اداس اور ملول چہرے پہ ٹک سی گئی تھیں۔

کتنے دنوں بعد آج وہ اس چہرے کو دیکھ رہا تھا اور یہ دن اس نے کیسے گزارے تھے یہ وہی [illegible]

مفہوم سمجھ گیا تھا جو دن میں کئی کئی بار اس کی خالی سیٹ کی طرف متلاشی انداز میں اٹھتی تھیں اور ہر دفعہ بے قراری کے ساتھ مایوس ہو کر پلٹ آتی تھیں۔

''کیسی طبیعت ہے علیشا جی!'' عمران حیدر نے ہی بات کا آغاز کیا تھا، کیونکہ ثاقب سبحانی تو فی الحال بولنے کے قابل نہ تھا۔

''ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟'' خالی الذہنی کے عالم میں بھی اس نے ثاقب سبحانی کی نظروں کا ارتکاز محسوس کیا تھا اور ساتھ ہی ذہن کو جھٹکنے کی بھی کوشش کی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے، اکچوئیلی سر رواحہ سے آپ کی بیماری کا پتہ چلا تھا تو ہم کافی دنوں سے آنا چاہ رہے تھے لیکن ہر روز ہم یہ سوچتے کہ شاید آج آپ آ ہی جائیں، لیکن ہر روز ہی آپ کی خالی سیٹ ہمارا منہ چڑا رہی ہوتی، پھر آج ہمت کر کے ہم آ ہی گئے۔'' اس نے تفصیلاً اسے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ پاس بیٹھے ثاقب سبحانی کو ٹہوکا بھی دیا تھا۔

''جی بالکل صحیح کہہ رہا ہے عمران آپ کی جگہ بالکل خالی ہے اور آپ کے بغیر بالکل اچھی نہیں لگتی۔'' عمران حیدر کے ٹہوکے پر وہ گڑبڑا کے سیدھا ہوا اور گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

''تو کیا ابھی تک سر رواحہ نے اس سیٹ پہ کسی کو اپائنٹ نہیں کیا؟'' اسے سچ مچ حیرت ہوئی تھی۔

کیونکہ اتنے دن تک کسی سیٹ کا خالی رہنا یہ آفس کے رولز کے خلاف تھا جبکہ اس کی معقول وجہ بھی موجود ہو، کیونکہ اس نے نور کو واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ اب آفس نہیں جانا چاہتی اور یہ بات یقیناً نور کے ذریعے رواحہ تک پہنچ چکی ہو [illegible] سیٹ کا خالی رہنا چہ معنی دارد؟

”آپ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا علیشا جی!“ عمران حیدر نے اس کی بات کے جواب میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے ثاقب سبحانی کے منہ کی بات چھین لی تھی۔

”کیوں نہیں لے سکتا، میں تو شاید اس سیٹ کی اہل بھی نہیں ہوں، ثاقب صاحب کو مجھ سے اچھے اسسٹنٹ کی ضرورت ہے۔“ وہ ثاقب سبحانی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

”مجھے تو بس آپ کی ضرورت ہے۔“ اس کا لہجہ حسرت و یاس کی گہری تڑپ لئے ہوئے تھا، علیشا نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

”میرا مطلب ہے کہ آپ جیسا قابل اسسٹنٹ تو مجھے آج تک نہیں ملا، بس آپ جلدی سے واپس آ جائیے کیونکہ پورا آفس آپ کو مس کر رہا ہے۔“ اسے شاید اپنے الفاظ و انداز کی گہرائی کا اندازہ ہو گیا تھا اسی لئے بات کی وضاحت کرنا چاہی تھی۔

”ثاقب صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں علیشا جی، مس عظمیٰ گیلانی بھی آپ کا بہت پوچھ رہی تھیں۔“ عمران حیدر نے بھی اس کی تائید کی تھی۔

”میں کوشش کروں گی کہ جلد آ سکوں۔“ وہ جو واضح طور پہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ”میں آفس چھوڑ چکی ہوں“ ان کے اتنے خلوص پر چاہنے کے باوجود کہہ نہ سکی۔

”او کے علیشا! اب اجازت دیجئے آپ کی صحت کے لئے دعا گو اور واپسی کے منتظر رہیں گے۔“ عمران حیدر کھڑا ہوا تو طوعاً کرھاً ثاقب کو بھی اٹھنا پڑا۔

ورنہ آنکھیں تو ابھی بھی اس کی دید کی پیاسی تھیں دل بھر اس کے دیدار سے ابھی سیراب ہونا چاہتا تھا، وصل کا یہ مختصر سا دورانیہ اس کی کسک کو مزید بڑھا گیا تھا۔

”بیٹھیے نا آپ لوگ کھانا کھا کر جائیے گا۔“ وہ بھی ان کے ساتھ ہی اٹھتے ہوئے بولی، گھر آئے مہمان کے ساتھ اتنی مروت نبھانا تو اس کا حق بنتا تھا۔

”نہیں علیشا جی! آپ کا بہت وقت لے لیا، اب آفس میں ملاقات ہو گی آپ سے۔“ وہ الوداعی کلمات کہنے لگا۔

”انشاء اللہ!“ ثاقب سبحانی کے دل سے آواز نکلی تھی۔

”تھینک یو سو مچ آپ دونوں کا آنا مجھے بہت اچھا لگا اور مس عظمیٰ کو بھی میری طرف سے سلام کہیے گا۔“

”ضرور۔“ وہ دونوں باہر نکل گئے، وہ بھی طویل سانس کھینچتی واپس اسی جگہ پر بیٹھ گئی۔

”تو کیا مجھے خود رواحہ سے بات کر لینی چاہیے۔“ سوچوں میں گھرتے ہوئے اس نے خود سے سوال کیا تھا۔

”علیشا بی بی! تم نے حرکت بھی تو غلط کی ہے ناں، رولز ہمیشہ رولز ہوتے ہیں، یہ بات جب تمہیں اس نے پہلے دن ہی سمجھا دی تھی تو پھر کیا تمہارا صرف نور کو کہہ دینا کافی تھا؟ کہ میں آفس چھوڑ چکی ہوں، تمہیں چاہیے تھا کہ باقاعدہ ریزائن دیتی، وہ تمہارے باپ کا آفس تو نہیں کہ جب چاہا چلی گئی جب چاہا چھوڑ دیا۔“ اس کے ضمیر نے اسے بری طرح لتاڑا تھا۔

”نہیں...... میں بات کروں گی خود ان سے پھر خود جا کر ریزائن دے کر آؤں گی، میرے مسائل اپنی جگہ لیکن مجھے آفس کے قانون توڑنے کا کوئی حق نہیں۔“ اس نے اپنے ضمیر کو تسلی بخش جواب دیا تھا۔

☆☆☆

بڑی ماما اور نور کسی عزیزہ کی عیادت کے

لئے نکلی تھیں، بڑے پاپا آفس سے نہیں لوٹے تھے، ویسے تو آج کل وہ بھی آفس سے لیٹ ہی واپس آ رہا تھا لیکن آج طبیعت کچھ ناساز تھی تو بڑے پاپا نے اسے زبردستی گھر بھیج دیا تھا وہ شاور لینے کے بعد نیچے آ رہا تھا کہ اگر علیشا نظر آئے تو اسے چائے کے لئے کہے، اپنے کمرے سے نکل کر وہ جونہی لاؤنج کی سیڑھیاں اترنے لگا تو اس کی نظر سیڑھیوں کے درمیان میں بیٹھی علیشا پہ پڑی۔

وہ ٹھٹک کر ایک لمحے کے لئے رک سا گیا، پھر اگلے لمحے وہ اسے مخاطب کرنے کے ارادے سے نیچے اترنے لگا۔

”آئم ساری، میں نے بہت تنگ کیا آپ کو۔“ علیشا کی آواز سن کر ایک دفعہ پھر اسے اپنی جگہ رک جانا پڑا تھا۔

”لیکن آپ یقین جانئے میرا مقصد آپ کا دل دکھانا یا نیچا دکھانا نہیں تھا۔ میں صرف انٹرٹینمنٹ کی خاطر آپ سے ہنسی مذاق کرتی تھی لیکن...... لیکن مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں ایسا کوئی حق نہیں رکھتی تھی۔“ اس کے لہجے میں نمی گھل رہی تھی۔

رواحہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

تو کیا اسے گزشتہ واقعات یاد تھے؟ کیا وہ جان بوجھ کر اس سے اجنبی بنتی رہی تھی؟ کہاں تھا اسے سامنے دیکھ کر بھی وہ اجنبی رہتی تھی اور کہاں وہ صرف اسے اس کی آہٹ سے پہچان گئی تھی۔ کتنی دفعہ رواحہ کا دل چاہا تھا کہ وہ اس سے گزشتہ حالات و واقعات کے بارے میں پوچھے۔ کیا کراچی میں اپنی پہلی آمد کے واقعات اسے یاد ہیں؟ لیکن ہر دفعہ اس کی آنکھوں میں اتنی اجنبیت اور سرد مہری ہوتی کہ وہ چاہنے کے باوجود بھی یہ سوال کبھی زبان پہ نہ لا سکا۔ لیکن نہیں آج اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کچھ بھی بھولی نہیں ہے۔ اسے سب کچھ یاد ہے اور وہ بھول بھی کیسے سکتی تھی جبکہ اس نے خود یہ دعویٰ کیا تھا کہ۔

”تمہیں تو میں کبھی بھول ہی نہیں سکتی رواحہ احمد تمہیں میں نے بہت تنگ کیا ہے بہت ستایا ہے تم مجھے ہمیشہ یاد رہو گے۔“ پھر وہ اسے کیونکہ بھلا سکتی تھی۔

درمیانی سیڑھیاں وہ دو دو کر کے پھلانگ کر اس تک پہنچا تھا اور اس سے اگلی سیڑھی پہ گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”تو کیا علیشا فرحان تمہیں پرانی باتیں یاد ہیں؟“

”وہ اتنی بھی پرانی نہیں ہیں۔“ وہ نگاہیں جھکاتے ہوئے بولی تھی۔

”تو پھر...... پھر مجھے بتاؤ کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے اتنے کم وقت میں تمہیں اس حال تک پہنچا دیا۔“

”تم کہاں گئی وہ زندہ دل، شوخ و شریر علیشا فرحان؟ آئم وانٹ ٹو نو علیشا۔“ وہ اسے بازو سے جھنجھوڑتے ہوئے دریافت کر رہا تھا۔

سوال اتنا مشکل نہیں تھا جتنا تکلیف دہ تھا۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بے قراری سے کھڑی ہو گئی تھی۔

”تم آج مجھے بتائے بغیر نہیں جا سکتی علیشا۔“ وہ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

”کیا کریں گے سن کر آپ؟ یہ کسی فلم کی لو اسٹوری نہیں جو میں بڑی آسانی سے آپ کو سنا دوں۔ یہ میری زندگی کا تکلیف ترین موضوع ہے۔“ وہ چیخ کر کہنا چاہتی تھی لیکن وہ چلا نہیں سکی۔ حلق میں پھندا اٹک گیا تھا اور آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر کھینچ گالوں پہ لڑھک آئے تھے۔

رواحہ کے دل کو بہت تکلیف ہوئی تھی۔

''میں سمجھ سکتا ہوں علیشیا لیکن ان سوچوں کو اگر تم ہمیشہ کے لیے دماغ میں رکھو گی تو ایک دن پاگل ہو جاؤ گی۔ انہیں باہر نکال دو جو کچھ بھی تمہارے دماغ میں ہے۔ایک دفعہ کھل کر آنسو بہا لو۔ کھڑے پانی میں بھی بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر چیز رواں دواں ہی اچھی لگتی ہے۔ تسلسل ہی زندگی ہے۔ادھر آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اس نے بات کے اختتام میں لاؤنج میں پڑے صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ چپ چاپ خاموشی سے سیڑھیاں اتر کر سامنے دھیرے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ رواحہ کے لیے اس کا ردعمل حوصلہ افزاء تھا۔ اس نے پانی کا گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''پانی پی لو۔'' علیشا نے گلاس تھاما اور پینے لگ گئی۔

''آپ جانتے ہیں اس دن شادی کے فنکشن میں وہ کون تھا؟'' اس نے بہت چاہا تھا کہ وہ خود پر کنٹرول کر لے لیکن کر نہیں پائی تھی آواز رندھ گئی تھی اور آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

''نہیں۔'' رواحہ کی اسری حسیات الرٹ ہو گئی تھیں۔

اس نے علیشا کو دیکھا ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ کچھ کہنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی لیکن لگ رہا تھا اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی۔

رواحہ کو بہت ترس آیا تھا اس سے اس پر۔

''وہ...... وہ شارق تھا۔ میرا فیانسی......''

وہ بول تو گئی تھی لیکن پھر ضبط نہ کر سکی تھی۔

دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپاتے ہوئے وہ شدت سے رو پڑی تھی۔ جبکہ رواحہ کو زمین و آسمان اپنی نگاہوں میں گھومتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

☆☆☆

''ماما! سچ میں مجھے بہت مزہ آیا میں نے بہت انجوائے کیا یہ کراچی کا نور تہمینہ آنٹی آپ کی اتنی اچھی کزن ہیں۔ آپ نے بہت دیر کر دی ان سے ملنے میں۔'' وہ ہادی کے ساتھ کل ہی لاہور پہنچی تھی اور تب سے مسلسل ندرت کو کراچی نامہ سنا رہی تھی۔

''بس بیٹا شادی سے پہلے تو ہماری خوب دوستی تھی۔ پھر شادی ہو گئی تو اپنی اپنی مصروفیات میں سے ہم وقت ہی نہ نکال سکیں۔ تمہارے ابو کی وفات کے بعد تو میرا حلقہ احباب ویسے ہی بہت سمٹ گیا تھا۔ یہ تو اچانک ایک شادی میں ٹکراؤ ہو گیا ہم دونوں کا۔ تو پھر سے وہی تعلق بحال ہو گیا۔'' ندرت اسے بتا رہی تھیں۔

''بھائی کی شادی میں ہم ضرور ان کو لائیں گے پھر خوب ہلا گلا کریں گے بہت مزہ آئے گا۔ نور بہت اچھی لڑکی ہے میری بہت دوستی ہو گئی ہے اس سے پتا ہے ماما رات کو اس کا فون آیا تھا کہہ رہی تھی علیشیا تمہارے بغیر گھر بہت سونا سونا لگ رہا ہے۔ ہم سب تمہیں بہت مس کر رہے ہیں دوبارہ کب آؤ گی تم؟'' وہ نور کے لب و لہجے میں بتا رہی تھی۔ ساتھ ہنستے ہوئے بہت انجوائے کر رہی تھی۔

''بس کر جاؤ تم لڑکیوں کی تو باتیں ہی ختم نہیں ہوتیں کان پک گئے ہیں میرے تمہارا کراچی نامہ سن سن کر۔'' ہادی نے بیزاریت سے اسے ٹوکا تھا۔

اس کے ہنستے ہوئے لب ایکدم سکڑ گئے تھے۔

''تم لڑکوں میں کون سی سینس آف ہیومر ہوتی ہے سڑے ہوئے کریلے۔'' ماتھے پہ شکنیں بچھاتے ہوئے اس نے اسے منہ چڑایا تھا۔ پھر ندرت کی طرف منہ کرتے ہوئے بولی۔

''پتہ ہے ماما نور کا کزن بھی انتہائی سڑا ہوا کھوسٹ ہے۔ مجال ہے جو ڈیڑھ مہینے میں ایک بار بھی مسکرایا ہو۔''

''اتنا نائس انسان ہے وہ۔ تمہارے اس گھنچو مسٹر بین سے تو کئی درجہ اچھا ہے۔'' ہادی اس کے دفاع کے لیے فوراً میدان میں اترا تھا اور درمیان میں شارق کو بھی گھسیٹ لیا تھا۔ وہ علیشا کو چھیڑنے کے لیے شارق کو ہمیشہ مسٹر بین ہی کہا کرتا تھا کیونکہ جانتا تھا اسے مسٹر بین سے کتنی چڑ ہے۔

''کیا...... آ...... آ...... خبردار جو شارق کا مقابلہ تم نے اس سڑیل ٹٹو سے کیا تو۔'' وہ چلا ہی تو اٹھی تھی۔

''ویسے ماما ہم نے علیشا کے معاملے میں جلدی نہیں کر دی؟ رواحہ ہر لحاظ میں مجھے پسند آیا ہے۔'' وہ علیشا کی بات پہ کان دھرے بغیر ماما سے مخاطب ہوا تھا۔

علیشا نے ماتھے پہ بل ڈال کر سخت خشمگیں نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''اوں...... ہوں بہت بری بات ہے ہادی ایسے نہیں کہتے رب کے فیصلے پر راضی رہتے ہیں۔ کل کو میں رواحہ سے اچھا کوئی نظر آ جائے گا تو پھر تم یہی کہو گے۔'' ندرت کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری کا تاثر تھا۔

شارق رشتے میں ان کا بھتیجا لگتا تھا۔ وہ فرحان کی چچازاد بہن کا بیٹا تھا اور بچپن سے ان کے گھر بہت آنا جانا تھا۔ فرحان کی چونکہ اپنی کوئی بہن نہیں تھی اور شارق کی فیملی ان کے پڑوس میں رہتی تھی۔ لہٰذا فضیلہ (شارق کی ماما) کی صورت میں فرحان کو بہن مل گئی تھی اور ندرت کو نند۔

فرحان اور فضیلہ نے اس رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے علیشا اور شارق کی بچپن سے ہی نسبت طے کر دی تھی۔ جس میں ندرت کی مرضی بھی شامل تھی۔ یوں دونوں گھرانوں کا تعلق بہت مضبوط ہو گیا تھا۔

کچھ عرصے بعد شارق کی فیملی ماڈل ٹاؤن سے گلبرگ میں شفٹ ہو گئی تھی، لیکن آپس کے تعلق میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، فرحان کی وفات کے بعد فضیلہ نے ندرت کو بہت حوصلہ دیا تھا، خدا کے فضل سے انہیں کوئی مالی پریشانی تو تھی نہیں، شارق نے جلد ہی اپنے باپ کا کاروبار سنبھال لیا تھا، رواحہ اور علیشا کے لئے وہ حقیقتاً بڑا بھائی ثابت ہوا تھا، وہ تو شارق کے معاملے میں کبھی نہیں بولا تھا، البتہ ہادی کبھی کبھار کوئی بات کر جایا کرتا تھا، کبھی باقاعدہ تو اس نے شارق کے لئے ناپسندیدگی کا اظہار تو نہیں کیا تھا، البتہ یہ ضرور کہہ جاتا ہے کہ ہم نے علیشا کے معاملے میں جلد بازی سے کام لیا ہے۔

اب بھی اس نے ایسی ہی بات کی تھی تو ندرت نے بڑے سلیقے سے اسے سمجھایا تھا، جس پہ علیشا نے نہایت جتاتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

اس سے پہلے وہ کچھ کہتا اسی وقت شیراز کمرے میں داخل ہوا تھا اور آتے ہی سب کو سلام کیا تھا۔

''بھائی!'' علیشا دوڑ کر اس کے کندھے سے جا لگی تھی۔

''کیسی ہے میری گڑیا!'' وہ لاڈ سے اس کے بال بگاڑتا ہوا بولا تھا۔

''علیشا! بھائی کو سانس تو لینے دو۔'' ندرت اسے ٹوکتے ہوئے فریج سے اسکوائش نکالنے لگی تھیں۔

''آتے ہی چڑیلوں کی طرح چمٹ گئی ہو۔'' ہادی نے بھی فوراً حصہ ڈالنا ضروری سمجھا تھا۔

''نہ کہو بھئی، میری گڑیا کو کوئی کچھ مت کہا کرے۔'' دلار سے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے اس نے ہادی کو سرزنش کی تھی، اس نے اٹھلاتے ہوئے ہادی کو انگوٹھا دکھایا تھا، وہ فقط اسے گھور کے رہ گیا۔

''بھائی! شادی میں اتنے کم دن رہ گئے ہیں، میری ساری شاپنگ ابھی باقی ہے۔'' وہ بسورتے ہوئے بولی تھی۔

''تو گڑیا تم ہادی کے ساتھ چلی جاؤ ناں اور اپنی پسند کی ہر چیز خرید لو۔'' ندرت کے ہاتھ سے اسکواش کا گلاس پکڑتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''بھائی! مجھے نہیں جانا ہادی کے ساتھ ایک تو اتنی جلدی مچا دیتا ہے اوپر سے مہنگی چیزیں خریدنے پہ اتنی آنکھیں نکالتا ہے۔'' وہ ٹھنکی تھی۔

''مجھے بھی تمہیں ساتھ لے جانے کا کوئی شوق نہیں ہے بھائی نے ہی تمہیں فضول میں سر پہ چڑھا رکھا ہے، کوئی ڈھنگ کی چیز خریدو تب بھی بات ہو بے کار چیزوں پہ پیسے اڑاتی رہتی ہو۔'' ہادی اس کی فضول شاپنگ سے ہر وقت عاجز رہتا تھا جب بھی موقع ملتا وہ اسے اس عادت پہ ڈپٹتا ضرور تھا۔

''دیکھ لیا بھائی! آپ نے اس کو شاپنگ سنٹر میں بھی یونہی ٹوکتا رہتا ہے۔'' اس نے برا سا منہ بنایا تھا۔

''ہادی ٹھیک کہہ رہا ہے علیشا! اب تم بچی تھوڑی ہو، ہر چیز دیکھ کے مچلنے لگ جاتی ہو، میں خود تمہیں شاپنگ کرواؤں گی شادی کی اور بھی بہت سے اخراجات ہیں ہمیں اپنا بجٹ خراب نہیں کرنا۔'' ندرت نے بھی ہادی کی سائیڈ لی تھی۔

''بھائی!'' آنکھوں میں آنسو لئے اس نے شکایتی انداز میں شیراز کو دیکھا تھا۔

''اففوہ! آپ تو بچی کے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں، علیشا جتنی بھی شاپنگ کرے گی وہ سب خرچ میرے ذمے اب خوش ہو؟'' بات کے آخر میں اس نے علیشا کا سر ہولے سے تھپتھپاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تھینک یو سو مچ بھائی!'' کون سے آنسو اور کہاں کے آنسو۔

وہ خوشی سے جگمگاتا چہرہ لئے بولی تھی، اسے خوش دیکھ کر شیراز نے بھی بے ساختہ اطمینان بھری سانس خارج کی تھی، جبکہ ندرت اپنا سر ہلا کے رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

پھر پتہ بھی نہ چلا تھا اور شادی کا دن آن پہنچا تھا اس نے گہرا فیروزی سوٹ زیب تن کیا تھا، جس پہ آف وائیٹ اور ملٹی نگینوں کا بھاری کام ہوا تھا، میچنگ جیولری، چوڑیاں اور نفیس میک اپ سب نے مل کر اس کے حسن کو دوآتشہ کر دیا تھا، سب سے منفرد و ممتاز بنی وہ پوری محفل کی جان لگ رہی تھی، شارق تو دیوانوں کی طرح اس کے گرد گھوم رہا تھا۔

''سچ میں یار! میرا دل چاہ رہا ہے آج تمہیں بھی رخصت کروالوں۔'' اسٹیج پہ دودھ پلائی کی رسم ہو رہی تھی، جہاں شیراز بھائی کی سالی عاتکہ اور ہادی کے درمیان تکرار ہو رہی تھی وہ بھی سائیڈ پہ کھڑی بہت انجوائے کر رہی تھی جب شارق نے اس کے کان کے پاس آ کر کہا تھا۔

''توبہ ہے شارق! تمہیں چاہیے کہ ہادی کی ہیلپ کرو، وہ اکیلا ہی بیچارہ لڑکیوں میں پھنسا ہوا ہے اور تم مزے سے یہاں کھڑے ہو۔'' وہ قطعاً اس کے ڈائیلاگ سے متاثر ہوئے بغیر اسے ڈپٹتے ہوئے بولی تھی۔

''کیا کروں یار! ہر طرف تو تم ہی نظر آ رہی ہو، ایسے میں غلطی سے کسی کا ہاتھ پکڑ بیٹھا تو بھری محفل میں چھترول ہو جائے گی۔'' وہ سر کھجاتے ہوئے بڑی بیچارگی سے بولا تھا، علیشا کی ہنسی فوارے کی مانند چھوٹی تھی، شارق مبہوت سا اسے دیکھے گیا۔

''ایکسکیوزمی! راستہ چھوڑیے۔'' اس کی نظروں کا تسلسل کسی کی تیکھی آواز سے ٹوٹا تھا، اس نے پلٹ کر دیکھا تو سامنے عاتکہ کھڑی تھی اور ناگواری کا تاثر لئے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''اوہ...... سوری۔'' شارق معذرت کرتے ہوئے سائیڈ پہ ہو گیا تھا۔

ناک چڑھاتے ہوئے وہ ایک ناگوار نظر علیشا پہ ڈالتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی، اس کی نظروں کے تاثر نے علیشا کو عجیب سے احساس سے دوچار کیا تھا۔

اسی وقت رخصتی کا غلغلہ اٹھا تو وہ بھی سر جھٹکتے ہوئے رابعہ بھابھی کی طرف بڑھ گئی، جنہیں اسٹیج سے نیچے لایا جا رہا تھا۔

واپسی کے سفر میں وہ اور ماما شیراز بھائی اور رابعہ بھابھی کے ساتھ گاڑی میں تھے۔

سارا راستہ وہ شیراز بھائی کو چھیڑتے آئی تھی، کبھی کبھی وہ رابعہ بھابھی کو بھی کوئی چٹکلہ چھوڑ دیتی تھی، آج کا دن اس کے لئے بہت یادگار دن تھا۔

اگلے دن ولیمہ تھا اگرچہ وہ رات کو بہت زیادہ تھک گئی تھی، لیکن پھر بھی صبح بہت ایکٹو نظر آ رہی تھی گیارہ بجے کے قریب وہ ناشتہ اپنی نگرانی میں تیار کروا کے ٹرالی میں سیٹ کر کے شیراز بھائی کے دروازے پہ دستک دے رہی تھی۔

دروازہ شیراز بھائی نے کھولا تھا، رابعہ بھابھی ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی بال بنا رہی تھی۔

''السلام علیکم لیڈی اینڈ جینٹل مین، ناشتہ ریڈی ہے۔'' خوشدلی سے کہتے ہوئے اس نے ٹرالی گھسیٹ کے میز کے قریب کی تھی اور ساتھ ہی ناشتہ ٹیبل پہ سیٹ کرنے لگی تھی۔

''اتنی جلدی ناشتہ؟ یہ کون سا ٹائم ہے ناشتے کا؟'' رابعہ بھابھی اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر برش ڈریسنگ پہ رکھتے ہوئے اس کی جانب پلٹی تھیں۔

''میری پیاری بھابھی جان! آپ نے شاید ٹائم نہیں دیکھا صبح کے گیارہ بج رہے ہیں۔'' اس نے باقاعدہ ہاتھ سے وال کلاک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ان کی توجہ وقت کی جانب مبذول کروائی تھی۔

''نظر آ رہا ہے مجھے۔'' رابعہ نے ناگواری سے اس کی حرکت کو دیکھا تھا اور بولی بھی تو لہجہ بیزاریت لئے ہوئے تھا۔

''میں ایک بجے سے پہلے ناشتہ نہیں کرتی سوری۔'' وہ دوبارہ ڈریسنگ کی جانب مڑ گئی تھی، علیشا کو ہرگز ایک رات کی دلہن سے ایسے انسلٹنگ رویے کی توقع نہیں تھی، وہ حق دق رہ گئی۔

''چلو رابعہ تھوڑا سا کر لو بچی اب لے آئی ہے تو۔'' شیراز اس کے چہرے کے تاثرات بھانپ گیا تھا اسی لئے ازالہ کرنے کی غرض سے کہہ بیٹھا۔

''واٹ ربش۔'' اس نے غصے سے ہیئر برش پٹخا تھا اور شیراز کو دیکھا۔

''شیراز! آپ اتنی چھوٹی اور معمولی بات پہ مجھے فورس کریں گے مجھے اندازہ نہیں تھا۔'' اس نے سخت نظروں سے شیراز کو دیکھا تھا اور غصے

سے رخ پلٹ گئی تھی۔

"سوری رابعہ! سوری ڈیئر، نہیں دل کر رہا تو مت کرو ناشتہ نو پرابلم، علیشا تم لے جاؤ یہ سب، جب تمہاری بھابھی کہیں تب لے آنا۔" شیراز کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، وہ فوراً اس کی منت سماجت پر اتر آیا تھا اور ساتھ ہی علیشا کو بھی جانے کا کہہ دیا تھا۔

علیشا کو لگا تھا وہ کھڑے کھڑے زمین میں گڑ گئی ہو، کس دل سے وہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی باہر آئی تھی یہ وہی جانتی تھی، اسے رابعہ کے نہیں شیراز کے رویے نے دکھ دیا تھا، اس کی ساری خوشدلی، مردہ دل میں بدل گئی تھی۔

ولیمے کا فنکشن رات کو تھا وہ یونہی بجھی بجھی سی رہی، پہلی دفعہ وہ اپنی ہی فیملی کے کسی بندے سے ہرٹ ہوئی تھی اس لئے کوشش کے باوجود اپنے تاثرات کو چھپا نہیں پا رہی تھی، وہ تو شکر تھا کہ ہر بندہ ہی اپنی جگہ مصروف ہونے کی وجہ سے اس پر توجہ نہیں دے پایا تھا۔

"تم کیوں اداس بلبل بنی پھر رہی ہو۔" وہ رابعہ کو اسٹیج تک چھوڑ کے نیچے اتری تو شارق نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"میں اتنے خوشی کے موقع پہ کیوں اداس ہونے لگی۔" اس نے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی پوری سعی کی تھی۔

"یہ بہلاوے تم کسی اور کو دینا مجھے نہیں۔" وہ قطعاً اس کی باتوں میں آنے والا نہیں تھا۔

"سیدھی طرح بتاؤ کیا بات ہے؟ کہیں ہادی سے تو جھگڑ کے نہیں بیٹھی صبح سے۔" اس نے اپنا ہی قیاس لگایا تھا۔

"کچھ نہیں، میں بس کل سے نور کے ویٹ میں تھی تہمینہ آنٹی نے کہا تھا وہ ولیمہ پہ پہنچ جائیں گے لیکن آج صبح ہی ان کا فون آ گیا کہ کسی عزیز کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے وہ نہیں آ سکتے، اسی لئے میرا دل اتنا برا ہو رہا ہے۔" وہ بالآخر ایک اچھا خاصا عذر تراشنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"اُف...... لڑکی کیا بنے گا تمہارا اور کیا تم بناؤ گی میرا؟ یہ کوئی بات ہے ہرٹ ہونے والی۔" شارق نے اپنا سر پیٹ لیا تھا، لیکن چونکہ اس کی حساسیت سے آگاہ تھا اسی لئے اسے ڈپٹنے کا ارادہ فی الوقت موقوف کر دیا تھا۔

"اچھا سنو، میرا دو تین ہفتوں تک کراچی کا ٹور لگنا ہے تم میرے ساتھ چلی جانا میں تمہیں تہمینہ آنٹی کی طرف چھوڑ دوں گا، اب خوش؟" وہ اسے چیئر اپ کر رہا تھا۔

"تھینک یو شارق، تم کتنے اچھے ہو ناں۔" اسے اپنے دل و دماغ پہ چھایا غبار واقعی چھٹتا محسوس ہوا تھا، یہ احساس ہی بڑا خوش کن تھا کہ ایک بندہ ایسا ہے جس کو ہر وقت آپ کی خوشیوں کا احساس رہتا ہے، وہ آپ کو صرف ہنستا مسکراتا ہی دیکھنا چاہتا ہے۔

"شکر ہے تم مسکرائی تو، اگر تمہیں کراچی اتنا پسند ہے تو ہم ہنی مون کے لئے بھی کراچی ہی چلیں گے کیا خیال ہے؟" اس نے شرارت بھری شوخ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ سرخ چہرے سمیت بولی تھی۔

"یعنی کہ کم فری ہونے کی ضرورت تو ہے؟" وہ کہاں باز آنے والا تھا اور وہ اپنے ہی جملے پہ مسکرا اٹھی۔

اسی وقت پاس سے گزرتی عاتکہ نے آج پھر بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا علیشا کو الجھن تو ہوئی تھی لیکن جلد ہی شارق نے اسے اپنی کسی بات کی طرف متوجہ کر لیا تھا، وہ سر جھٹکتے ہوئے ایک دفعہ پھر اس کی کسی بات پر مسکرانے لگی تھی۔

☆☆☆

آرزو ارمان چاہت مدعا کچھ بھی نہیں
تھا بہت کچھ پاس لیکن اب رہا کچھ بھی نہیں
کیسی کیسی قیمتی چیزوں سے اٹھا ہے حجاب
دوستی دلجوئی ہمدردی وفا کچھ بھی نہیں

زندگی کے کینوس پر مناظر اتنی تیزی سے بدلے تھے کہ وہ خود چکرا کے رہ گئی تھی، رابعہ بھابھی نے ان کی توقع سے بھی زیادہ جلدی اپنے رنگ ڈھنگ بدلے تھے، شیراز بھائی کو جس طرح اپنے قابو میں کیا تھا انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آتا تھا۔

ابتداء میں تو ان کا زیادہ وقت اپنے میکے میں گزرتا تھا ایک مرتبہ ندرت نے ڈھکے چھپے الفاظ میں کہا تھا کہ۔

"بیٹیاں تو اپنے گھروں میں اچھی لگتی ہیں شادی کے بعد والدین پر بوجھ نہیں بننا چاہیے۔" بس ان کا اتنا کہنا ہی عذاب ہو گیا تھا، رابعہ نے تو رو رو کر آنکھیں سجا لی تھیں اور نجانے شیراز کو کیا کچھ کہا تھا کہ وہ اس دن سے ندرت سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا تھا۔

اور رابعہ نے جب سے ان کی ضد میں آ کر گھر رہنا اور گھر کے معاملات میں دلچسپی لینا شروع کی تھی، تو ندرت اس وقت کو پچھتانے لگیں، جب ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلا تھا، رابعہ کو ہر ہر بات پہ اعتراض تھا، کچن کو ہر وقت وہ اپنی نگرانی میں رکھتی تھی، گھر کا خرچ اس نے لے لیا تھا اور ہر چیز وہ ناپ تول کر دیتی تھی۔

"یہ کون سا وقت ہے تمہارا ناشتے کا، ابھی کل تو میں نے شیراز سے بریڈ اور انڈے منگوائے ہیں اور آج سارا فریج خالی پڑا ہے۔" علیشا نے آج کالج سے چھٹی کی تھی اسی لئے دیر سے اٹھنے کے باعث اب ناشتہ کرنے کچن میں آئی تھی، ابھی اس نے چائے کا ایک گھونٹ ہی بھرا تھا جب وہ اس کے سر پہ آن پہنچی تھی۔

"آپ خود ہی تو کہتی ہیں کہ ایک بجے سے پہلے ناشتہ نہیں ہوتا جبکہ میں تو ابھی دس بجے ہی اٹھ آئی ہوں۔" علیشا کو اپنے پہلے دن والی تذلیل ہرگز نہیں بھولی تھی اور بات منہ پہ مارنے کا شاید اس سے بہتر موقع اس کو دوبارہ نہ ملتا، وہ ہر وقت کی اس روک ٹوک سے عاجز آ چکی تھی۔

"میرے شوہر کی کمائی کھاتی ہو اور مجھ پہ ہی بولتی ہو۔" وہ تنفر سے آنکھیں سکیڑتے ہوئے چھنگھاڑی تھی۔

"وہ صرف آپ کے شوہر نہیں میرے بھائی بھی ہیں۔" وہ بھی خاموش نہیں رہی تھی، آج اس نے بھی حساب بے باق کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

"اونہہ...... بھائی! یہ میرا گھر ہے اس گھر میں رہنا ہے تو میری مان کے چلنا پڑے گا۔" وہ طنزیہ انداز میں کہتی اسے بہت کچھ باور کروا گئی تھی۔

"یہ آپ کا نہیں میرے باپ کا گھر ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولی تھی، وہ بھی علیشا فرحان تھی کسی سے نہ دبنے والی۔

"باپ کا گھر ہے تو اپنی مرضی کر کے دکھاؤ۔" علیشا کے ہاتھ سے چائے کا مگ چھینتے ہوئے اسے نے سنک کی طرف اچھال دیا تھا۔

ٹھاہ کی آواز آئی تھی اور قیمتی مگ کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا، علیشا کو اس ردعمل کی توقع نہیں تھی وہ ہکا بکا انہیں دیکھے گئی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی، کس چیز کا شور ہے۔" شارق جو علیشا کو ہی تلاش کر رہا تھا شور کی آوازیں سن کر اسی طرف آ گیا۔

"کیسے ہو شارق! بڑے دنوں بعد آئے ہو،

آؤ بیٹھو ناں۔" شارق کو دیکھتے ہی فوراً اس کے زبان شیرینی ٹپکانے لگی تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن یہ کیا ہوا ہے؟" اس نے متعجب ہو کر سنک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تھا، جہاں جا بجا مگ کی ٹوٹی کرچیاں بکھری پڑی تھیں اور چائے فرش پر پھیل رہی تھی۔

"آں...... کچھ نہیں...... علیشا کو شاید چائے پسند نہیں آئی بچی ہے ناں ابھی، کوئی بات نہیں، تم بیٹھو ناں۔" شرمسار لہجے میں کہتی وہ گویا اپنی شرمندگی پر قابو پانے کی سی کوشش کو ظاہر کر رہی تھی۔

رابعہ نے اس عیاری و مکاری سے پینترا بدلا تھا کہ وہ اپنی جگہ حق دق رہ گئی تھی، حیرت نے اسے اس قدر ششدر کر دیا تھا کہ ذہن سے سارے الفاظ نکل کر گویا ہوا میں تحلیل ہو گئے تھے وہ اس کی بات کی تردید میں ایک لفظ بھی نہ بول پائی۔

"بہت بری بات ہے علیشا! یو آر ناٹ آ چائلڈ ناؤ۔" وہ ملامتی نظروں سے اسے دیکھتا بڑے متاسف لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ارے بھئی ہمارے ہی گھر میں کھڑے ہو کر ہماری ہی بیٹی کو ڈانٹ رہے ہو، مانا کہ حق رکھتے ہو مگر یہ حق اپنے گھر جا کر استعمال کرنا۔" اس نے بڑی لگاوٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھابھی ہونے کا ثبوت دیا تھا اور ساتھ ہی چیئر گھسیٹ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا تھا۔

"لیکن بھابھی!" اس نے کچھ کہنا تھا کہ رابعہ نے اس کی بات قطع کر دی تھی۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں، میں دوبارہ ناشتہ بنا دیتی ہوں اور تم بھی اس کے ساتھ شریک ہو جاؤ، کیا یاد کرو گے کہ بھابھی نے کتنا اچھا موقع فراہم کر دیا ہے۔" اپنائیت بھری مسکان لبوں پہ سجاتے ہوئے اس کی پھرتیاں قابل دید تھیں۔

علیشا کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا رابعہ سے زیادہ اسے شارق کے رویے نے صدمہ پہنچایا تھا، وہ سامنے بیٹھی تھی لیکن اسے نظر نہیں آ رہی تھی اور ایسا واقعہ اس کی زندگی میں پہلی دفعہ رونما ہوا تھا۔

رابعہ نے چند منٹ لگائے تھے اور الیکٹرک کیٹل سے چائے اور سینڈوچ میکر سے سینڈوچ تیار کر کے ناشتہ ٹیبل پہ لگا دیا تھا۔

"یہ لو گڑیا! ناشتہ کرو تم بھی لو ناں شارق۔" اس کے لہجے میں اتنی مٹھاس تھی کہ شارق متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اتنی تصنع اور بناوٹ؟ اس قدر عیاری اور منافقت؟

علیشا کو لگا تھا اگر وہ ایک سیکنڈ بھی مزید رکی تو اس کا دماغ پھٹ جائے اور اس نے چیئر کو زور سے پیچھا دھکیلا اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی اسے اس بات کا بھی احساس نہیں ہوا کہ اس کا یہ عمل رابعہ کے لئے مزید راہ ہموار کر دے گا، لاشعوری طور پر وہ شارق کی منتظر تھی کہ وہ ابھی اس کے پیچھے بھاگا آئے گا، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا، تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے بے تاب ہو کر کھڑکی سے جھانکا تھا، جہاں پورچ سے نظر آتے منظر نے اسے ساکت و جامد کر دیا تھا۔

شارق اور رابعہ کسی بات پر ہنس رہے تھے یونہی ہنستے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا اور چند لمحوں بعد اس کی گاڑی پورچ سے نکلتی چلی گئی تھی۔

"شارق مجھ سے ملے بغیر ہی چلا گیا؟" اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھامتے ہوئے وہ اپنے بیڈ پہ ڈھے گئی تھی۔

اور بات اگر یہیں تک ہوتی تو شاید وہ برداشت کر جاتی لیکن رابعہ پورے لائحہ عمل کے ساتھ میدان میں اتری تھی، نجانے اس نے شیراز بھائی کو کیا غلط سلط پٹی پڑھائی تھی کہ رات کو جب وہ ماما اور ہادی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی تو شیراز بھائی آگ بگولہ ہوتے اندر داخل ہوئے تھے۔

"علیشا! آج تم نے بدتمیزی کی ہے اپنے بھابھی کے ساتھ اور وہ بھی شارق کی موجودگی میں؟" ان کی آواز اس قدر بلند تھی کہ تینوں چونک کر ان کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

"میں نے؟" ابھی تو پہلے حادثے سے سنبھل نہیں پائی تھی کہ ایک نیا الزام اس کے سر دھر دیا گیا تھا۔

"ماما! دیکھ رہی ہیں آپ اپنی لاڈلی کو، اسی لئے تمہارے ناز نخرے برداشت کرتا رہا ہوں کہ تم میری بیوی کے ساتھ بدتمیزیاں کرتی پھرو۔" وہ شیراز بھائی جنہوں نے کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی کسی دوسرے کو اسے چھونے نہیں دیا تھا آج خود اس پر برس رہے تھے۔

"لیکن بیٹا! ہوا کیا ہے؟ تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے شارق تو آج آیا ہی نہیں۔" ندرت ساری صورتحال سے بے خبر تھیں۔

وہ اپنی جگہ سچی تھیں ایسا تو کبھی ہوا ہی نہیں تھا کہ شارق آئے اور ان سے ملے بغیر ہی چلا جائے، بلکہ اگر وہ گھر نہ ہوتیں تو وہ ان کے انتظار میں بیٹھ جایا کرتا تھا اب ان کو کیا معلوم کہ رابعہ نے ان کے گھر نہ ہونے کا جھوٹ تراش کر اسے ملنے سے روک دیا تھا۔

"دیکھا شیراز! میں نہ کہتی تھی آپ کے گھر والوں نے مجھے ہی جھوٹا قرار دینا ہے، اگر میری بات پہ یقین نہیں ہے تو فون کر کے پوچھ لیں، علیشا نے اس کے سامنے چائے کا کپ میرے منہ پہ دے مارا تھا، میں نے برا منائے بغیر اس کو دوبارہ ناشتہ بنا کے دیا لیکن اس نے تو شارق کا بھی لحاظ نہ کیا ناشتہ وہیں پھینک کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔" ندرت کی بات سن کر رابعہ تیر کی مانند اپنے کمرے سے نکلی تھی اور بلند آواز سے چلانے لگی تھیں۔

"غلط کہہ رہی ہیں آپ، علیشا لاکھ نخریلی سہی لیکن وہ بڑوں کے ساتھ ایسی بدتمیزی نہیں کر سکتی۔" ہادی کے تو میٹر گھوم گیا تھا۔

اگرچہ وہ آج کے واقعے سے لاعلم تھا لیکن اتنے عرصے میں وہ رابعہ کی فطرت کو تو سمجھ گیا تھا، یقیناً وہ کوئی نئی گیم کھیلنا چاہ رہی تھی۔

"دیکھ لیا، دیکھ لیا آپ نے یہی عزت ہے میری اس گھر میں، جس کا دل چاہے اٹھ کر مجھے ذلیل کر دے۔" وہ نہایت شاطر عورت تھی اس موقع کو کیوں ہاتھ سے جانے دیتی، لہجے میں زمانے بھر کی مظلومیت سموتے ہوئے اس نے کہا تھا اور اگلے ہی لمحے بلند آواز سے روتی ہوئی اپنے کمرے میں بھاگ گئی تھی، کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

"دیکھ رہی ہیں آپ اپنی اولاد کو۔" شیراز غصے سے بھڑکتے ہوئے ندرت کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔

"آئندہ اگر تم دونوں میں سے کسی نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" لال انگارہ آنکھوں سے ان دونوں کو گھورتے ہوئے وہ تن فن کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے، بے یقینی سے تمام نفوس اپنی جگہ منجمد ہو گئے تھے۔

☆☆☆

”لیکن آپی! مجھے ہادی زیادہ اچھا لگا ہے۔“ عاتکہ نے بسورتے ہوئے رابعہ سے کہا تھا۔

رابعہ نے ماتھے پہ بل ڈال کے اپنی کوڑھ مغز بہن کو گھورا تھا، پچھلے دو گھنٹے سے وہ اسے سمجھا رہی تھی کہ کیسے وہ اتنے دنوں سے اس کے لئے راہ ہموار کر رہی ہے جبکہ اس کی سوئی ہادی پہ اٹک کے رہ گئی تھی۔

”بیوقوف لڑکی! کبھی کسی نے مرد کا حسن بھی دیکھا ہے، مرد کی ہمیشہ جیب دیکھی جاتی ہے اور ویسے بھی شارق کون سا برا ہے اچھا خاصا ہینڈسم ہے پھر اپنا بزنس ہے جبکہ ہادی ابھی تعلیم حاصل کر رہا ہے، ویسے بھی بزنس تو سارا شیراز نے سنبھالا ہوا ہے ہادی کو اس میں کچھ حصہ نہیں ملنے والا، میں نے آج بہانے سے شارق کو بلوایا ہے، علیشا سے میں نے صبح ہی خوب معرکہ کیا ہے وہ شام سے پہلے اپنے کمرے سے نکلنے والی نہیں، بڑی بی کی بھی طبیعت نہیں ٹھیک، وہ بھی کمرے میں ہیں، تمہارے لئے راستہ صاف ہے، مرد کی توجہ حاصل کرنا کون سا مشکل ہے، بس اسے ضرورت سے زیادہ اہمیت دینا اور دو چار ادائیں دکھانا، بھوزیر ہو گیا اور شارق ویسے بھی جذباتی سا لڑکا ہے تمہیں مشکل نہیں ہو گی۔“ رابعہ نے اپنے تجربات کی روشنی میں اسے سمجھایا تھا۔

چند ملاقاتوں میں ہی وہ شارق کو سمجھ گئی تھی، اس کی اکثر عادات بھی شیراز کی طرح تھیں، وہ بس ظاہر کو دیکھتا تھا زیادہ کرید نہیں کرتا تھا رابعہ کے لئے اس کی سب سے بڑی کوالٹی اپنی انا تھی اور آج کل وہ اسے ہی استعمال کر رہی تھی۔

”ٹھیک ہے آپی! میں اب عقل میں آپ کا مقابلہ تو نہیں کر سکتی۔“ یہ جان کر کہ ہادی کو بزنس میں سے کچھ نہیں ملنے والا، اس نے بھی عقلمندی سے کام لیتے ہوئے شارق کے لئے حامی بھر لی تھی اور رابعہ کے لئے بڑی عقیدت کا مظاہرہ کیا تھا، جیسے سن کر اس کی گردن میں کلف لگ گیا تھا۔

”بس اب جیسے میں کہتی جاؤں ویسے ہی کرنا، مجھے لگتا ہے شارق آ گیا ہے تم ریڈی ہو جاؤ۔“ اس نے گاڑی کا ہارن سن کر کہا اور خود اسے ریسیو کرنے باہر نکل گئی تھی۔

”یہ میری چھوٹی بہن ہے عاتکہ اور عاتکہ یہ شارق ہے شیراز کے کزن اور اس گھر کے ہونے والے دولہا بھی۔“ رابعہ نے شارق کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دونوں کا آپس میں تعارف کروایا تھا۔

”ہیلو! نائس ٹو میٹ یو۔“ عاتکہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے خوشدلی سے کہا تھا۔

”می ٹو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا تھا۔

”بیٹھے ناں، ویسے تو شادی میں بھی آپ کو دیکھا تھا لیکن اس وقت ایسا تفصیلی تعارف نہیں تھا۔“ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی وہ خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی، وہ اس کی بات پہ مسکرایا تھا۔

”باتیں تو ہوتی رہیں گی عاتکہ! تم علیشا کو بھی بلا لاؤ اکٹھے مل کے محفل سجاتے ہیں ویسے بھی اتنے دن ہو گئے ہیں شارق کی ملاقات ہی نہیں ہو پائی، بیچارہ اداس ہو گیا ہو گا۔“ عاتکہ کو کہنے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے شارق کو چھیڑا تھا۔

اور اداس تو وہ واقعی ہو گیا تھا، کتنے دنوں سے اس نے اس کی صورت نہیں دیکھی تھی پتہ نہیں علیشا اس سے کیوں کترا رہی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

”جی اچھا آپی!“ وہ فرمانبرادری سے سر ہلاتی اٹھ گئی تھی۔

وہ شارق کو کوئی بہت مزے کا واقعہ بتا رہی

تھی جب تقریباً پانچ منٹ بعد عاتکہ نے دروازے پہ کھڑے ہو کر اسے آواز دی تھی۔

”میں ابھی آئی۔“ وہ کمرے سے باہر نکلی اور دروازہ دانستہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔

”آپی! علیشا کہہ رہی ہے مجھے نہیں ملنا شارق سے۔“ عاتکہ کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ بخوبی اس کے کانوں تک پہنچ گئی تھی، وہ اپنی جگہ سن ہو گیا۔

”ارے بچی ہے وہ ایسے ہی ضد کر رہی ہو گی میں خود لے کر آتی ہوں۔“ رابعہ آگے بڑھنے لگی تھی جب عاتکہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کے روک لیا۔

”میں نے اس کی بہت منتیں کی ہیں لیکن وہ غصے میں ہے شاید، دروازہ بند کر لیا ہے اس نے۔“ عاتکہ کے لہجے میں ایسی شرمندگی تھی جیسے وہ خود قصوروار ہو۔

”اچھا، میں پھر بعد میں اسے سمجھاؤں گی، ابھی تو تم اندر جاؤ ناں، شارق کو کمپنی دو اور اسے فیل مت ہونے دینا، میں چائے وائے لے کے آتی ہوں۔“ وہ اسے تاکید کرتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

شارق کو از حد خفت نے آن گھیرا تھا اسے اپنی نہایت تذلیل محسوس ہوئی تھی، وہ تو شکر ہوا کہ عاتکہ نے اسے باتوں میں لگا لیا اور اس کا ذہن بٹ گیا۔

رابعہ ڈھیروں لوازمات سمیت اندر داخل ہوئی تھی اور عاتکہ نے خود بصد اصرار اسے ہر چیز کھلائی تھی، اسے علیشا کی بات یاد آئی جب ایک دفعہ اس نے اسے کہا تھا۔

”یار! کیسی فیانسی ہو تم خود ٹھونسے جا رہی ہو، مجھے بھی تو اصرار سے کھلاؤ ناں۔“

”یہ بریانی میں نے اپنے ابا حضور کے لئے نہیں تمہارے لئے بنائی ہے، کتنی کھانی ہے کھا لو، مجھ سے زیادہ نخرے نہیں اٹھائے جاتے۔“ لاپروائی سے کہتے ہوئے اس نے صاف اسے چڑایا تھا۔

”تم تو شادی کے بعد بھوکا مرواؤ گی۔“ وہ مصنوعی آہ بھری تھی۔

”بالکل کسی اچھائی کی امید تم رکھنا مجھ سے۔“ ڈھٹائی سے کہتی وہ زور سے ہنسی تھی۔

”یہ نگٹس لیں ناں آپ، بہت مزے کے ہیں اور چائے ڈالوں آپ کے کپ میں؟“ عاتکہ کی اصرار بھری آواز اسے حال کی دنیا میں کھینچ لائی تھی۔

”اگر تمہیں میری پرواہ نہیں تو پھر مجھے بھی نہیں۔“ وہ سر جھٹکتے ہوئے عاتکہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس ایک گھنٹے کی محفل میں وہ بہت حد تک شارق کو امپریس کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی، آپس میں فون نمبرز کا بھی تبادلہ ہو گیا تھا ایک گھنٹے بعد دونوں بہنیں اسے رخصت کرنے پورچ تک آئی تھیں، بہت خوشدلی سے دونوں سے ہاتھ ملا کر گاڑی میں جا بیٹھا تھا اس بات سے قطع نظر کی کسی کی آنکھیں اس منظر کو دیکھ کے پتھرا گئی تھیں۔

☆☆☆

”شارق کو ایسے نہیں کرنا چاہیے، وہ مجھے کیوں اگنور کر رہا ہے۔“ وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنا ہی الجھ رہی تھی۔

آج وہ ماما کے ساتھ فضیلہ آنٹی کی طرف گئی تھی، اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج وہ شارق سے معاملہ کلیئر کر کے رہے گی، لیکن اسے حیرت کا جھٹکا تب لگا تھا جب شارق نے بغیر کسی مروت کے ملنے سے انکار کر دیا تھا، فضیلہ آنٹی بیچاری سارے

قصے سے لاعلم تھیں وہ اپنی جگہ شرمندہ ہوگئیں ماما کو البتہ تشویش لاحق ہوگئی تھی۔

شارق کا دن بدن بڑھتا رویہ ان کی پریشانی میں اضافہ کرتا جا رہا تھا، کہاں تو وہ علیشا فرحان پر جان چھڑکتا تھا اور کہاں وہ اسے دیکھنے کا بھی روادار نہیں ہو رہا تھا، وہ خود از حد پریشان تھیں کہ کس سے اپنا مسئلہ شیئر کریں، شیراز سے تو اچھائی کی امید رکھنا ہی عبث تھا، ہادی نے ویسے ہی بھڑک اٹھنا تھا۔

اور علیشا تو پہلے ہی اپنے خول میں سمٹ گئی تھی رابعہ کو اس سے خدا واسطے کا بیر تھا، ایسے میں صرف فضیلہ ہی تھیں جن سے وہ اس موضوع پہ گفتگو کر سکتی تھیں، لیکن وہ یہ ٹاپک علیشا کے سامنے چھیڑنا نہیں چاہتی تھی، لہٰذا اس دن تو وہ جلد ہی وہاں سے اٹھ آئی تھیں۔

چند دن بعد مناسب موقع دیکھ کے وہ ایک مرتبہ پھر فضیلہ کی طرف آ گئی تھیں انہوں نے محسوس کیا فضیلہ خود بھی کچھ کہنا چاہ رہی تھیں مگر انہیں ہرگز توقع نہیں تھی، کہ فضیلہ جو کہنا چاہتی ہیں وہ ان کی ہستی کو تہہ و بالا کر کے رکھ دے گا۔

''بھابھی! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی بچوں کے بیچ کیا چل رہا ہے، علیشا کا تو نام سن کر ہی اس کی تیوری چڑھ جاتی ہے میں نے ایک دن شادی کا تذکرہ چھیڑا تو بے حد غصے میں آ کر کہنے لگا، میں اپنی پسند سے شادی کروں گا اور اس لڑکی سے کروں گا جسے مجھ سے محبت ہو میری اہمیت کا احساس ہو، میں تو خود بہت پریشان ہو گئی ہوں۔'' وہ از حد ندامت سے بتا رہی تھیں جیسے غلطی شارق کی نہیں خود ان کی اپنی ہو۔

اور ندرت تو یوں خاموش تھیں جیسے اب ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ بچا ہی نہ ہو، انہیں یوں گم صم دیکھ کر فضیلہ کو مزید شرمندگی ہو رہی تھیں۔

''آپ پریشان نہ ہوں بھابھی! میں پھر سمجھاؤں گی اسے، یہ کوئی مذاق تو نہیں، میں فرحان بھائی کو کیا منہ دکھاؤں گی، میں ان سے کیا وعدہ نہ نبھا سکی۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے پھپھو!'' ہادی جو ماما کو لینے آیا تھا ساری گفتگو سن چکا تھا، بظاہر تو اس نے بڑے تحمل سے کہا [illegible] اندر سے اسے شارق کی اس حرکت پہ بہت آگ لگی تھی۔

''لیکن ہادی!'' انہوں نے کچھ کہنا تو اس نے بیچ میں ہی انہیں ٹوک دیا تھا۔

''پھپھو! آپ جو بتاتے ہوئے ہچکچا رہی ہیں ناں میں وہ سب جانتا ہوں، شارق، عاتکہ میں انٹرسٹڈ ہے میں اسے خود کئی بار دیکھ چکا ہوں، ہماری بہن اتنی ارزاں نہیں ہے کہ اسے زبردستی کسی کے سر تھوپا جائے، میں جانتا ہوں اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے، اس لئے ہماری آپ سے کوئی ناراضی نہیں اور رہا شارق، تو اس کے ساتھ ہمارا اب کوئی تعلق نہیں، سوری پھپھو، اگر آپ کو برا لگا ہو تو، لیکن میرا خیال ہے اتنا تو ہمارا رائٹ بنتا ہے۔''

''چلیں ماما!'' آخر میں اس نے حق دق بیٹھی ندرت کو سہارا دے کر اٹھایا۔

فضیلہ بس اسے دیکھ کے رہ گئی تھیں، ان کے پاس اب کہنے کے لئے کچھ بچا ہی نہیں تھا، مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی بے حد شرمسار تھیں۔

''یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے ہادی...... یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' گھر آتے ہی وہ بری طرح بکھر گئی تھیں۔

ہادی کے کندھے سے لگ کر وہ ٹوٹ کے روئی تھیں، ان کی نگاہوں کے سامنے بار بار علیشا کا چہرہ گھوم رہا تھا۔

''میری بے قصور بچی کیسے اس دکھ کو سہار پائے گی؟''

''آپ کیوں رو رہی ہیں ماما، شکر کریں کہ اس بے حمیت، بے ضمیر شخص سے ہماری بہن کی جان چھوٹ گئی اگر شادی کے بعد بھی وہ ایسے گل کھلاتا تو ہم کیا کر لیتے؟'' وہ انہیں تھپکتے ہوئے مسلسل رام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''علیشا کا کیا ہو گا ہادی؟ میری معصوم بچی۔'' ان کا اندر کرلا رہا تھا، وہ کیسے سکون سے بیٹھ سکتی تھیں۔

ابھی تو بیٹے کے لگائے گئے گھاؤ نہیں بھرے تھے کہ بیٹی کا غم بھی ان کے سر پہ آن پڑا تھا وہ کس کو لیتیں کس کو چھوڑتیں۔

''دنیا صرف ایک شارق پہ ختم نہیں ہو جاتی ماما! اور آپ تو جانتی ہیں مجھے تو شروع سے ہی شارق، علیشا کے لئے سوٹ ایبل نہیں لگتا تھا، یقیناً اس کا مقدر اللہ نے بہت اچھا لکھا ہے اور ویسے بھی ماما، علیشا اب پہلے جیسی بچی نہیں رہی وہ سمجھدار ہو گئی ہے۔'' ہادی کی تسلیاں جاری تھیں۔

اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے لگ کے کھڑی علیشا گویا پتھر کی ہو گئی تھی، وہ اپنی آنکھوں سے سب دیکھ رہی تھی لیکن پھر بھی زندہ تھی۔

اور شاید ہادی سچ ہی کہہ رہا تھا کہ وہ اب سمجھدار ہو گئی ہے تبھی تو اس کی ساکت پتلیوں سے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکا تھا۔

☆☆☆

اور پھر اس دن کے بعد سے وہ سرتاپا بدل گئی تھی، اس نے اپنے دکھ درد کو اندر ہی کہیں سینے میں دفن کر لیا تھا، شیراز بھائی سے کوئی شکایت، کوئی فرمائش کرنا، رابعہ بھابھی کو پلٹ کے جواب دینا، عاتکہ کی آمد پر ناک بھوں چڑھانا، وہ ہر چیز بھول گئی تھی، یا تو زیادہ تر اپنی پڑھائی میں مصروف رہتی یا ماما اور ہادی سے بات چیت کر لیتی بس، اس کے علاوہ اس کی زندگی میں کوئی تیسرا کام نہیں تھا، ماما اس کی حالت دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتی۔

علیشا کا بی سی ایس اور ہادی کا ایم بی اے کمپلیٹ ہوا تو شیراز بھائی نے مزید ان کا پڑھائی کو فی الحال پڑھانے سے انکار کر دیا، اس کا کہنا تھا کہ۔

''میں نے یہاں تک تم دونوں کو پڑھا کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے، اب آگے ہادی کی ذمہ داری ہے کل کو میرا اپنا بچہ بھی آنے والا ہے، مجھے اب اپنی اولاد کی فکر کرنی ہے۔''

رابعہ بھابھی آج کل امید سے تھیں اسی لئے اس کے نخرے آسمان کو چھو رہے تھے۔

ندرت جو ابھی تک علیشا کے غم کو لے کر بیٹھی ہوئی تھیں، اس نئی افتادہ پہ وہ بے پناہ پریشان ہو گئی تھیں، شیراز کے انداز سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ علیشا کی شادی کے معاملے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اور ہادی کو تو بزنس میں انوالو ہونے سے اس نے صاف لفظوں میں منع کر دیا تھا، یہ کہہ کر کہ۔

''یہ میری ذاتی کمائی اور محنت ہے اس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں۔''

''آپ کیوں پریشان ہوئی ہیں ماما! میں ہوں ناں ابھی، آپ بس ہمارے لئے دعا کریں۔'' ہادی فقط انہیں تسلیاں ہی نہیں دیتا تھا بلکہ آج کل وہ خوب تگ و دو کر رہا تھا اور بالآخر ایک دن اس کی جہد مسلسل رنگ لے ہی آئی تھی۔

اسے یو کے سے ایک ملٹی نیشنل کمپنی سے اپائنٹمنٹ لیٹر آیا تھا، فی الحال ٹرائل بیسز پہ معاہدہ ہوا تھا لیکن اچھی پراگریس صورت میں مستقل

جاب کے امکان روشن تھے اور وہ پیکج بھی بہت اچھا دے رہے تھے، ہادی بہت خوش تھا۔

ماما اور علیشا خوش ہونے کے ساتھ ساتھ اداس بھی تھیں، ہادی کی وجہ سے دونوں خواتین کو بہت ڈھارس رہتی تھی، اس کے جانے کے بعد وہ بہت اکیلی ہو جائیں گی۔

ہادی ان کی کیفیات بھانپ گیا تھا جبھی بہت پیار سے انہیں سمجھایا تھا۔

''یہ پریشانی اور اداسی صرف وقتی ہے میں ساری زندگی آپ دونوں کو یہاں گھٹ گھٹ کر مرنے کے لئے نہیں چھوڑ سکتا، جلد ہی میں آپ کے لئے الگ گھر کا ارینج کر دوں گا۔'' وہ بالکل سنجیدہ تھا پھر علیشا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

''اور تم اپنی پڑھائی اسٹارٹ کرو، اخراجات کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''میں پڑھائی نہیں جاب کروں گی۔'' نگاہیں جھکا کر لب کچلتے ہوئے اس نے اس کی تردید کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا مدعا بھی بیان کر دیا تھا۔

ماما نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا، اک ٹیس سی اٹھی تھی ان کے دل میں، کتنی زندہ دل تھی ان کی بیٹی، حالات کی چکی میں پس کر کیسی مرجھا گئی تھی وہ۔

''ضرور کرنا جاب لیکن پہلے اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کرو، تمہاری کوالیفکیشن اتنی ضرور ہو کہ تمہیں کوئی باعزت پوسٹ مل سکے۔'' وہ جانتا تھا سیدھے لفظوں سے وہ کبھی نہیں مانے گی۔

شیراز بھائی کی بدلتے روپ نے اسے ہادی کی طرف سے بھی محتاط کر دیا تھا، وہ سب سمجھتا تھا لیکن فی الحال وہ اس کے خدشات دور نہیں کر سکتا تھا، مگر وہ پرامید تھا اسے امید تھی اب روشنی کا سفر شروع ہونے والا تھا وہ دوبارہ جلد ہی ایک ایسا گھر بنانے والا تھا جیسا کہ پہلے تھا۔

علیشا کی شرارتیں، ماما کی پیار بھری ڈانٹ، مسکراتے دن، جگمگاتی راتیں، ان دونوں کو امید کے دیئے تھما کر وہ چلا گیا تھا، شیراز بھائی اور رابعہ بھابھی نے کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا، ان دونوں نے کم از کم اس بات خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔

☆☆☆

''آہم...... اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ عی علیشا ہیں ناں۔'' گلہ کھنکھارتے ہوئے کسی اجنبی مرد کی پرتجسس آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

وہ جو اپنی ہی سوچوں میں مستغرق تھی ہڑبڑا کے اٹھی، متعجب اور سوالیہ نظروں میں ناگواری کا تاثر خاصا واضح تھا، جس کا مقابل پر قطعاً اثر نہیں ہوا تھا۔

''آپ کون ہیں مسٹر! اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' وہ بولی تو لہجے میں تلخی اور کڑواہٹ گھلی ہوئی تھی۔

وہ بھی تو اپنی عمر کا لحاظ کیے بغیر دیدے پھاڑے اسے گھورے جا رہا تھا، گویا نظروں سے ہی سالم نگل جائے گا اور مسکراہٹ تو باچھوں تک چری جا رہی تھی، ایسے میں اس کا تلخ ہونا کوئی غیر فطری نہیں تھا، مستزاد یہ کہ وہ تھا بھی انجان۔

''ناچیز کو نصیر میمن کہتے ہیں اور رہا یہ سوال کہ یہاں کیا کر رہا ہوں تو آپ کے دیدار کے شوق میں حاضری ہوئی ہے۔'' وہ یونہی پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''کیا...... آ...... آ......'' وہ اچھل ہی تو پڑی۔

''شرم آنی چاہیے آپ کو، اپنی عمر دیکھیں اور حرکتیں دیکھیں۔'' غصے سے اس کی حالت بری ہو گئی، جبھی آواز ضرورت سے زیادہ بلند ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا؟ کیوں چلا رہی ہو؟'' رابعہ اس کی آواز سن کے اپنے بے ڈول ہوتے وجود کے ساتھ بمشکل لاؤنج تک آئی تھی۔

''ارے بھائی جان! آپ...... کب آئے آپ۔'' نصیر میمن کو دیکھ کر وہ خوشی سے چلا اٹھی۔

''یہ کارٹون اسی کے خاندان کا ہو سکتا ہے۔'' وہ بددلی سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

''کیسی لگی؟'' رابعہ نے بڑے غور سے اس کا انہماک دیکھا تھا جس کی نظروں نے آخری سرے تک علیشا کا پیچھا کیا تھا اور علیشا کے کمرے میں غائب ہو جانے کے بعد بھی اس کی آنکھوں میں اس کا عکس نظر آ رہا تھا، لیکن پھر بھی اپنی اہمیت جتانے کے لئے اس نے یہ سوال کیا تھا۔

''کیا بتاؤں رابعہ! چالیس سالوں میں ایسا سوگوار حسن پہلی دفعہ دیکھا ہے، بس اب تم جلدی سے اگلے معاملات طے کرواور مجھے بتاؤ کہ کب سر پہ سہرا سجا کے اس پری وش کو لینے آؤں۔'' اس کے لہجے میں نوعمر لڑکوں کی بے تابی چھلک رہی تھی۔

''ارے...... ارے بھائی جان! چھری تلے دم تو لیں، آپ تو ایک ہی چھلانگ میں عشق کے سارے دریا پھلانگ لینا چاہتے ہیں۔'' رابعہ کی مکار آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

نصیر میمن اس کا تایازاد بھائی تھا، کروڑوں کی جائیداد اور بزنس کا مالک، دو شادیاں بھگتا چکا تھا اور تیسری کی تلاش میں تھا۔

رابعہ اس کی فطرت سے خوب واقف تھی، علیشا کے ذریعے اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے، ایک تو شارق کو عاتکہ کے ساتھ ایڈجسٹ کیا تھا، دوسرا نصیر میمن کی شادی علیشا سے کروا کر اس نے نصیر میمن سے لاکھوں بٹورنے تھے، وہ ایسا ہی شاہ خرچ تھا، جو چیز پسند آ جاتی اسے حاصل کرنے کے لئے وہ بے دریغ پیسہ بہا دیتا تھا۔

اور یہاں تو معاملہ پھر کسی چیز کا نہیں بلکہ ایک عدد حسینہ کا تھا، جو کہ اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔

''تم نے چیز ہی ایسی دکھائی ہے رابعہ کہ کسی حالت میں صبر ہو ہی نہیں سکتا۔'' اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ہوس ٹپک رہی تھی۔

''بس آپ پھر تیاری کریں میں آج ہی شیراز سے بات کرتی ہوں اور ہاں تگڑا سا نیگ لوں گی آپ سے جڑاؤ کنگن اور نقدی اس کے علاوہ۔'' اس نے یقین دلانے کے ساتھ ہی اٹھلاتے ہوئے اپنی فرمائش بھی بیان کر دی تھی۔

''ارے...... اس کی تو تم فکر ہی نہ کرو تم بس میری شادی کروا دو، تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔'' وہ شاید کچھ زیادہ ہی بے قرار ہو رہا تھا۔

رابعہ کا دل بلیوں اچھلنے لگا، نصیر میمن کو مزید خوشنما خواب دکھا کر اسے رخصت کرنے کے بعد وہ اب شیراز سے بات کرنے کا پلان ترتیب دینے لگی۔

☆☆☆

''ہرگز نہیں، قیامت تک ایسا نہیں ہو سکتا، تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم میری اتنی چھوٹی بچی کے لئے ایسے بڈھے کھوسٹ کے رشتے کی بات کرو۔'' ندرت تو سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھیں۔

رابعہ کو ایسے صفا چٹ انکار کی ہرگز توقع نہیں تھی، بڑی بی کو تو وہ کسی خاطر میں نہیں لائی تھی، علیشا زیادہ تر گم صم رہتی تھی، اس کی طرف سے بھی اسے کوئی دھڑکا نہیں تھا البتہ ہادی کا ایک کانٹا تھا اور اب تو وہ بھی یہاں نہیں تھا اس کے

پاس بہترین موقع تھا، ندرت کی طرف سے اگر کوئی احتجاج ہوتا تو وہ شیراز کے ذریعے دباؤ ڈال کے چٹکیوں میں اپنی بات منوا سکتی تھی۔

لیکن احتجاج تو درکنار انہوں نے تو قطعی انکار کر ڈالا تھا، ایک تو بڑی بی کی جرأت اور دوسرا اپنی تذلیل وہ تو غصے سے کانپ اٹھی۔

''ارے شکر کریں جو ابھی رشتہ مل رہا ہے ورنہ جس لڑکی کی منگنی ٹوٹ گئی ہو، اسے کون پوچھتا ہے، میں پوچھتی ہوں اتنا نخرہ کس بات پر ہے اور پھر کیا کمی ہے نصیر میمن میں، کروڑوں کا بزنس ہے اپنی جائیداد ہے، ساری زندگی بٹھا کے عیش کرائے گا۔'' نہایت بدتمیزی سے وہ جاہل عورتوں کی طرح ہاتھ نچا نچا کے بولی تھی۔

''منگنی ٹوٹی ہے تو کیا ہوا ہے، ہزاروں لڑکیوں کی منگنیاں ٹوٹتی ہیں اور اس سے اچھی جگہ شادیاں ہو جاتی ہیں۔'' ندرت کو اس کے انداز پہ غصہ تو بہت آیا تھا، لیکن خود پر ضبط کرتے ہوئے وہ رسان سے بولی تھیں۔

''تو نصیر میمن بھی تو شارق سے اچھا ہی ہے ناں، جتنا پیسہ اس کے پاس ہے ناں شارق کی سات نسلوں کے پاس بھی نہ ہوگا، علیشا مجھے آپ سے بڑھ کر عزیز ہے میں اس کے لئے برا تھوڑی سوچوں گی، نصیر بے حد اچھا لڑکا ہے، کوئی بری عادت نہیں نہ سسرال کا جھنجھٹ، اپنی علیشا تو راج کرے گی۔'' ندرت کے تیور دیکھ کر اس نے فوراً سے پیشتر پینترا بدلا تھا۔

اور اس کا ''لڑکا'' کہنے پر ندرت خون کے گھونٹ پی کے رہ گئی تھیں۔

''اگر وہ اتنا ہی ''اچھا لڑکا'' ہے تو تم عاتکہ کے لئے کیوں نہیں دیکھ لیتی۔'' وہ اس کی چاپلوسی سے قطعاً متاثر نہیں ہوئی تھیں۔

رابعہ کے لئے یہ وار بڑا کاری تھا، آج تو بڑی بی دھماکے کرنے پہ تلی ہوئی تھیں۔

''ہم نے تو ہمیشہ انہیں بڑا بھائی سمجھا ہے اور وہ بھی ہمیں اپنی چھوٹی بہنیں سمجھتے ہیں، ورنہ میرے لئے تو عاتکہ اور علیشا برابر ہیں۔'' لاکھوں روپے کے لالچ میں وہ یہ بھی سہہ گئی تھی۔

''بہرحال جو بھی ہے مجھے یہ رشتہ ہرگز منظور نہیں۔'' وہ مزید بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھیں، جانتی تھیں باتوں میں وہ کبھی بھی اپنی بہو کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتیں۔

''دیکھا...... دیکھا شیراز! آپ نے یہ اہمیت ہے میری اس گھر میں۔'' وہ غصے سے تلملاتے ہوئے اپنے شوہر کی جانب پلٹی، اس کی برداشت کی حد بس یہاں تک ہی تھی۔

''جس لڑکی کو آپ نے بیٹی بنا کے پالا، پڑھایا لکھایا، آج اس پہ اتنا حق بھی نہیں کہ اس کے لئے اچھا سوچ بھی سکیں، سچ تو یہ ہے کہ آپ کی اماں نے آپ کو نہ بڑا سمجھا نہ بنایا، آپ تو ان کے لئے بس پیسہ کمانے والی مشین ہیں، ان کی اصل اولاد تو صرف علیشا اور ہادی ہیں۔'' اس نے سلگتے ہوئے شیراز پر ہمیشہ کی طرح نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا اور ہمیشہ کی طرح ہی وہ بدھو اس کی باتوں میں آ گیا تھا۔

''سچ تو یہی ہے ماما! آپ نے کبھی مجھے اپنا بیٹا سمجھا ہی نہیں۔'' وہ نتھنے پھلاتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا۔

''بیوی کے کانوں سے سننے سے بہتر ہے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھو۔'' ندرت نے پہلی دفعہ شادی کے بعد اسے کوئی جملہ کہا تھا۔

''ہاں...... ہاں آپ تو یہی کہتی ہیں کہ میں ہی شیراز کو سکھاتی پڑھاتی ہوں، ارے یہ بچے تو نہیں ان کے ساتھ جو بھی زیادتیاں ہوتی ہیں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔'' اسے کون سا کسی کا ڈر تھا یا لحاظ جو وہ دبک کر بات کرتی۔

وہ دونوں بکتے جھکتے چلے گئے تو ندرت اپنے بیڈ پہ ڈھے سی گئیں، سچ تو یہ تھا کہ انہوں نے بظاہر تو رابعہ کے سامنے بڑی ہمت اور بہادری دکھائی تھی لیکن اندر سے وہ اتنی مضبوط نہیں تھیں، وہ رابعہ جیسی شاطر لڑکی سے مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتی تھیں، انہیں علیشا کی طرف سے دھڑکا لگ گیا تھا۔

ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کوئی جادو کی چھڑی گھما کے علیشا کو کہیں غائب کر دیں، نہ تو وہ اتنی جلدی کہیں شادی کر سکتی تھیں اور نہ کوئی اچھا رشتہ تھا ان کے پاس۔

''تہمینہ!'' روشنی کی ایک کرن اندھیرے میں ٹمٹمائی تھی۔

''ہاں تہمینہ اس مشکل وقت میں ضرور میری مدد کرے گی۔'' ان کے دل کو اطمینان سا ہوا تھا۔

جب تہمینہ کو انہوں نے ساری بات بتائی تو ان کی توقع کے مطابق وہ فوراً مان گئی تھیں اصل مسئلہ تو تھا علیشا کا، وہ کسی صورت بھی انہیں اکیلا چھوڑ کے جانے کے حق میں نہیں تھی۔

وہ ماں تھی اس کی، کسی نہ کسی طرح اسے قائل کر کے ہی دم لیا تھا، جس دن اسے کراچی آنا تھا وہ بے حد اداس تھی، بار بار ماما کے گلے لگ کے رونے لگ جاتی، انہوں نے اتنے واسطے نہ دیئے ہوتے تو وہ ہرگز انہیں چھوڑ کے نہ جاتی اور پھر ہادی کا بھی یہی اصرار تھا، ناچار اسے ماننا پڑا۔

ماما چوروں کی طرح اسے اسٹیشن تک چھوڑنے آئی تھیں، ایئر لائن کی ٹکٹ کے لئے ان کے پاس پیسے نہیں تھے، جو کچھ جمع جتھا تھا وہ ہادی پر لگا چکی تھیں اب تو وہ بمشکل ٹرین کا ٹکٹ ہی خرید پائی تھیں اور یوں وہ اس شہر اور اس کی فضاؤں کو چھوڑ آئی تھیں، جہاں کے ایک ایک لمحے سے اس کی یادیں جڑی تھیں۔

کبھی موسموں کے سراب میں کبھی بام و در کے عذاب میں
وہاں عمر میں نے گزار دی جہاں سانس لینا محال تھا
تیرے بعد کوئی ہیں ملا جو یہ حال دیکھ کے پوچھتا
مجھے کس کی آگ جھلسا گئی میرے دل کو کس کا ملال تھا

☆☆☆

''بس یہی تھی میری داستان۔'' بہت سا رو چکنے کے بعد اب اس کے دل کو قرار سا آ گیا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا وہ لاوا جو کتنے عرصے سے اس کے اندر پک رہا تھا آج باہر ابل پڑا ہے، وہ زہر جس نے اس کے وجود کو نڈھال کر دیا تھا آج اس نے اگل دیا تھا۔

''میں یہ تو نہیں کہتا علیشا! کہ یہ معمولی یا عام سی بات ہے بے شک یہ سانحہ بہت بڑا ہے، جس نے تمہاری زندگی کو بدل کے رکھ دیا، لیکن زندگی بھی تو اسی چیز کا نام ہے، زندگی تسلسل کا نام ہے، حادثات و واقعات کا نام ہے، نشیب و فراز کا نام ہے اور ایک بات یاد رکھو، وقت کبھی بھی ایک سا نہیں رہتا، اگر آج بازی مقابل سے تو کل کو تمہارے ہاتھ میں ہو گی، تمہاری سب سے بڑی غلطی تمہاری ناامیدی ہے۔'' وہ بہت رسان سے اسے سمجھا رہا تھا، علیشا متحیر نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔

رابعہ بھابھی غلط تھیں، شیراز بھائی غلط تھے، عاتکہ غلط تھی، شارق غلط تھا۔

لیکن...... تم غلط ہو...... یہ کسی نے اس سے نہیں کہا تھا۔

''میں جانتا ہوں تمہارے ذہن میں اس وقت بہت سے سوال ابھر رہے ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھ چکا تھا۔

''لیکن علیشا! تم خود سوچو، تمہارا بھائی بدل

گیا تھا، تمہارا خدا تو نہیں بدلا تھا، جو تم نے اس سے اچھی امید رکھنا ہی چھوڑ دی، بندے بدل جاتے ہیں لیکن خدا نہیں بدلتا، اس سے کبھی مایوس مت ہو، اس ذات سے ہمیشہ اچھی امید رکھو، جس نے تمہیں یہاں تک پہنچایا وہ آگے بھی بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا۔" اس کی باتیں سو فیصد سچ تھیں، علیشا نے ندامت سے نگاہیں جھکا لیں۔

"کتنا صحیح تجزیہ کیا تھا اس نے، وہ کتنی گناہ گار تھی ایک ذرا سی آزمائش پہ پورا نہ اتر سکی، وہ بھی تو انسان ہی ہوتے ہیں جو آزمائش کی بھٹی سے گزر کر کندن بن جاتے ہیں، وہ تو کوئلہ کی کوئلہ ہی رہی۔" آج پہلی بار اس کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہے تھے۔

"جو چیز ہمارے رب نے ہمارے مقدر میں درج ہی نہیں کی وہ ہمیں کبھی نہیں مل سکتی، چاہے ہم تاحیات اس کے پیچھے بھاگتے رہیں، شارق کبھی بھی تمہارا نہیں تھا، عاتکہ نہ ہوتی تو اس کی جگہ کوئی اور ہوتی، اگر کوئی شخص ہمیں ٹھوکر لگنے سے پہلے ہی سنبھالا دے دے، تو کیا ہم اس سے اس بات پہ جھگڑا کریں گے کہ اس نے ہمیں لڑکھڑا کر گرنے کیوں نہیں دیا، یا اس کے احسان مند ہوں گے؟ ٹھیک اسی طرح علیشا! شارق وہ ٹھوکر تھی جس سے تمہارے رب نے تمہیں قبل از وقت ہی بچالیا، تھام لیا، سوچو جواباً تم نے کیا کیا؟ اس کا احسان مانا یا اس کی ناشکری کی؟ اس کا فرمان ہے کہ اسے شکر گزار بندے پسند ہیں ناشکرے نہیں، ابھی بھی وقت ہے علیشا! اس سے معافی مانگ لو، سچی توبہ کرلو اور اس کی رضا میں راضی ہو جاؤ۔" اپنی باتوں کا خاطر خواہ اثر اس کے چہرے پہ نظر آ رہا تھا، رواحہ کو دل کے ایک کونے میں اطمینان محسوس ہوا۔

"اس دن شادی میں مجھے شارق اور عاتکہ کا رویہ اتنا برا نہیں لگا جتنی تمہاری خاموشی چبھی تھی درگزر اچھی عادت ہے، لیکن جہاں تم طاقت رکھ سکو، ظالم کو سبق سکھلانے کے لئے منہ توڑ جواب بھی دو، تاکہ آئندہ وہ کسی بھی بے گناہ پر الزام لگانے سے پہلے کم از کم سو دفعہ تو ضرور سوچے، اگر اس دن تم ایک زوردار طمانچہ اس عاتکہ کے منہ پہ رسید کرتی تو میں تمہیں انعام میں دس ہزار روپے دیتا۔" انتہائی سنجیدہ گفتگو کے اختتام پر ایسے شگوفے نے علیشا کے لبوں پہ بے ساختہ تبسم کو بکھیر دیا تھا۔

"چلیں آئندہ اگر ایسا موقع ہاتھ آیا تو میں ایک نہیں بلکہ دو طمانچے لگاؤں گی اسے۔" اس کی باتوں میں کچھ تو ایسا اثر ضرور تھا جو ایک عرصے بعد اس کا موڈ خوشگوار ہوا تھا۔

"لیکن تم اب ہرگز امید تم رکھنا کہ میں تمہیں بیس ہزار نکال کے پکڑا دوں گا۔" اس کی مصنوعی آنکھیں نکالتے ہوئے صاف ہری جھنڈی دکھائی تھی۔

"اوں ہوں ابھی خود ہی تو آپ نے کہا ہے کہ اچھی امید کبھی نہیں ٹوٹنی چاہیے۔" آنکھوں میں بے پناہ شرارت لئے وہ اس سے اسے پہلی والی علیشا فرحان لگی تھی۔

"باپ رے۔" اس کا ہاتھ بے ساختہ اپنے سر پہ پہنچ گیا تھا۔

وہ اس کی بے بسی پہ کھلکھلا اٹھی، ایک طویل عرصے بعد اسے اپنے روپ میں واپس آتا دیکھ کر رواحہ کا دل خوشی سے لبریز ہو گیا تھا۔

وہ جان گیا تھا اس کی محنت اکارت نہیں گئی بلکہ رنگ لے آئی ہے، تشکر بھری سانس خارج کرتے ہوئے اس کے دل نے چپکے سے اس کی خوشی کے دوام کی دعا مانگی تھی، جس کا اسے یقین

تھا کہ یہ دعا رائیگاں نہیں جائے گی۔

☆☆☆

آج اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، وہ بے حد خوش تھی، صبح ہی ہادی کا فون آیا تھا۔

"علیشا! بس تم اب پہلی فرصت میں ماما کو یہاں لے آؤ، تم لوگوں کی الگ رہائش کا انتظام ہو گیا ہے میں نے گلشن اقبال میں تم لوگوں کے لئے ایک فلیٹ لے لیا ہے، فی الحال رینٹ پہ ہے لیکن جلد ہی ہم اسے خرید لیں انشاء اللہ، تمہارے اپارٹمنٹ میں تمام فلیٹس کی سیکورٹی کا بہت اچھا انتظام ہے میں نے خوب تسلی کر لی ہے، تمہیں کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔" وہ خود بھی اپنی اس کامیابی پہ بے حد مسرور تھا اور تفصیلاً اسے آگاہ کر رہا تھا، علیشا نے بہت خوشگوار موڈ میں اس سے باتیں کی تھیں۔

اگرچہ یہاں سب بہت اچھے تھے اور ہر طرح اس کا خیال رکھتے تھے، لیکن پھر بھی اسے کسی پر بوجھ بننا پسند نہیں تھا، اس کا ازلی اعتماد تب ہی پوری طرح لوٹ سکتا تھا جب وہ اپنے گھر کی زمین پر موجود ہوتی۔

نور اور تہمینہ اس کے موجودہ رویے پر بہت مطمئن تھیں، اگرچہ وہ پس منظر سے لاعلم تھیں تاہم ان کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اب وہ زندگی میں دلچسپی لینے لگی ہے۔

"علیشا! تمہاری کال آ رہی ہے۔" نور اس کا سیل پکڑے ہوئے کچن میں آئی تھی، جہاں وہ چائنیز سوپ کی تیاری کر رہی تھی، قاسم انکل کی فرمائش پر۔

"فاطمہ بھابھی!" اس نے متعجب ہو کر اسکرین پر جگمگاتے نمبر کو دیکھا پھر یس کا بٹن پش کرتے ہوئے سیل کان سے لگا لیا۔

"علیشا! رابعہ کا مس کیرج ہو گیا۔" رسمی سلام دعا کے بعد فاطمہ بھابھی نے اسے آگاہ کیا تھا، وہ ایک لمحے کے لئے ساکت ہو گئی، شادی کے دو سال بعد رابعہ بھابھی امید سے ہوئی تھیں اور اب ان کا......

"ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں اس کے آگے ماں بننے کے چانسز بھی بہت کم ہیں۔" فاطمہ بھابھی نے دوسرا بم اس کی سماعت میں پھوڑا تھا۔

اس نے محسوس کیا اس کا دل خوش ہونے کی بجائے افسردہ ہو گیا تھا، تاہم اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے اس نے فاطمہ بھابھی سے پوچھا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے رابعہ بھابھی کی۔"

"ہونہہ، اسے کیا ہونا تھا الٹا ندرت آنٹی کو پریشان کر رکھا ہے شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان پر کوئی حالت اثر نہیں کرتی اس لئے کہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ چکا ہے۔" فاطمہ بھابھی اس کے تمام گھریلو حالات سے آگاہ تھیں اسی لئے زہر خند ہو رہی تھیں۔

"کیوں...... ماما کو کیوں پریشان کر رکھا ہے، ماما ٹھیک تو ہیں ناں۔" وہ ان کی بقیہ باتیں نظر انداز کرتے ہوئے بس ماما کے متعلق استفسار کرنے لگی تھی، لہجے سے پریشانی چھلک رہی تھی۔

"میں نے اسی لئے تمہیں فون کیا ہے علیشا، ندرت آنٹی ٹھیک نہیں ہے رابعہ مسلسل انہیں یہ کہہ کر ٹارچر کر رہی ہے کہ یہ سب ان کی بددعا کا نتیجہ ہے، تم یا تو خود آ جاؤ یا پھر ندرت آنٹی کو بھی اپنے پاس ہی لے جاؤ۔" انہوں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے اسے واضح حقیقت بتلا دی تھی۔

"اس عورت کو تو اب میں سبق سکھاؤں گی۔" خون اس کی شریانوں میں کھولنے لگا۔

"آپ فکر مت کریں بھابھی! میں جلد ہی لاہور پہنچ رہی ہوں، آپ بس آخری کام یہ کر دیں کہ ماما کی ساری پیکنگ کر دیں، میں زیادہ دیر

وہاں نہیں ٹھہروں گی، ماما کو لے کر جلد واپس آ جاؤں گی۔" وہ سیل کانوں سے ہٹا کر پلٹی تو پاس ہی رواحہ کو کھڑے پایا۔

اسے پتہ نہیں چلا وہ کب آن کر کھڑا ہوا تھا اور کتنی گفتگو سن سکا تھا۔

"مجھے لاہور جانا ہے ماما کو لینے کے۔" اس نے اسے آگاہ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں نے تمہارے کہنے سے قبل ہی ٹکٹس بک کروالی تھیں، ہادی سے میری تفصیلاً بات ہو گئی تھی، تم فکر مت کرو آنٹی کو کچھ نہیں ہوگا میں خود جاؤں گا تمہارے ساتھ۔" اس کا مطلب تھا وہ اس کی گفتگو سن چکا تھا، اس کے تسلی آمیز لہجے نے اس کی بہت ڈھارس بندھائی تھی۔

☆☆☆

سیدھا اپنے گھر جانے کی بجائے پہلے وہ فضیلہ پھپھو کی طرف آئی تھی، فضیلہ اسے دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئی تھیں، فیاض انکل بھی گھر پہ ہی تھے، شکر تھا کہ شارق گھر پہ موجود نہیں تھا، اس نے اس کے متعلق پوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔

رواحہ اس کے ساتھ لاہور تک ضرور آیا تھا، لیکن آگے وہ اپنے آفس کے کسی کام سے کہیں چلا گیا تھا، اس نے علیشا سے کہا تھا۔

"اگر میں تمہارے ساتھ ہوں گا تو سب یہ سمجھیں گے کہ تم میرے سر پہ اکڑ رہی ہو، ان کو وہی علیشا فرحان بن کے دکھاؤ جو پہلے تھی، جو مغلوب ہونے نہیں بلکہ مغلوب کر دینے کے ہنر سے آشنا ہے، جو انگلی تمہارے کردار کی طرف اٹھے اسے چپ چاپ سہہ لینے کی بجائے توڑ دینا چاہیے۔" اس کی ساری گفتگو نے علیشا کے اندر ایک بار پھر توانائی سی بھر دی تھی، وہ خود کو پہلے سے بڑھ کر بااعتماد محسوس کر رہی تھی۔

ہر چیز ویسی ہی تھی جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی، کچھ بھی نہیں بدلا تھا، ہاں فرق تھا تو صرف اتنا کہ اب رابعہ بھابھی کے گھر والوں کے ساتھ ساتھ شارق بھی یہیں موجود تھا، سب لاؤنج میں ہی دھرنا مارے بیٹھے تھے، کھانے پینے کا دور چل رہا تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے باآواز بلند سب کو مشترکہ سلام کیا تھا۔

اس کی غیر متوقع آمد نے ہر شخص کو اپنی جگہ پر لمحہ بھر کے لئے ساکت کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ کوئی سنبھل کر اس سے کوئی سوال داغتا وہ سب کو نظر انداز کر کے ماما کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی، ماما اپنے بیڈ پہ لیٹی تھیں، پتہ نہیں سو رہی تھیں یا ماضی کی بھول بھلیوں میں گم تھیں۔

"ماما!" وہ اندر داخل ہوتے ہی ان سے لپٹ گئی۔

"ارے...... میری جان ...... علیشا!...... کب آئی تم۔" انہوں نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔

"مجھے کل فاطمہ نے بتایا تھا کہ تم آرہی ہو وہ تو میری ساری پیکنگ بھی کر گئی ہے، کہہ رہی تھی اسے علیشا نے کہا ہے، مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا بیٹا، تم کیا کرنا چاہتی ہو۔" وہ الجھی ہوئی لگ رہی تھیں۔

شاید ہادی نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں وہ انکار ہی نہ کر دیں، اب یہ چوٹی علیشا ہی کو سر کرنا تھی۔

"نہیں ماما! اب اور نہیں ہمیں یہاں گھٹ گھٹ کر نہیں جینا ہم لاکھ بے پرواہ ہونے کی کوشش کر بھی لیں لیکن یہاں رہتے ہوئے ہم کبھی

بھی ٹینشن فری نہیں ہو سکتے، ہادی نے سارا انتظام کر لیا ہے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، قاسم انکل اور تہمینہ آنٹی نے بھی ہادی کے اس قدم کو بہت سراہا ہے، میں اب آپ کو مزید ان بے حس لوگوں میں رہنے نہیں دے سکتی۔" اس کا لہجہ قطعیت سے بھرپور تھا، چٹانوں جیسی سختی لئے ہوئے، وہ اس وقت وہی علیشا فرحان تھی جو ایک دفعہ فیصلہ کر لیتی ہے، تو پھر اس پر ڈٹ جاتی ہے، خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹتی۔

اور پھر وہ خود بھی تو یہاں رہنا نہیں چاہتی تھیں، علیشا کے جانے کے بعد رابعہ نے کس کس طرح انہیں ٹارچر نہیں کیا تھا، نصیر میمن کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ کئی دن زخمی ناگن کی طرح بل کھاتی رہی تھی، اپنے تئیں اس نے ہر طرح علیشا کا پتہ لگوانے کی کوشش کی تھی لیکن ہر بار اسے مایوسی ہی ہوئی تھی۔

بالآخر عاتکہ کے ذریعے اسے علم ہو تو گیا تھا لیکن وہ جن مضبوط ہاتھوں میں تھی رابعہ اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی تھی، لیکن اس نے اپنی شکست تسلیم نہیں کی تھی۔

☆☆☆

علیشا نے بالآخر ماما کو منا کے ہی دم لیا تھا، فاطمہ بھابھی ان کی ساری پیکنگ تو کر گئی تھیں، انہوں نے بس کپڑے چینج کیے، ان کے دونوں بیگ ہاتھوں میں تھامے جب وہ باہر نکلی تو سب کی سوالیہ نظریں ان دونوں کی جانب اٹھی تھیں، ماما کو تیار اور اس کے ہاتھوں میں بیگ دیکھ کر سب ہی ٹھٹھک گئے تھے۔

"یہ تم کرتی کیا پھر رہی ہو، پہلے خود کہیں غائب ہو گئیں، نہ جانے کہاں کہاں منہ کالا کیا، ایک جلد تو خود عاتکہ نے تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑا تھا اور اب ماں کو بھی ساتھ لئے تیار کھڑی ہو، اے بی بی تمہیں اس گھر کی عزت کی کوئی پرواہ ہے بھی نہیں۔" سب سے پہلے رابعہ کا سکتہ ٹوٹا تھا۔

مارے غصے کے اس کا برا حال ہو رہا تھا ابھی تو پرانے قرضے بھی سود سمیت واپس لینے تھے اور وہ کوئی موقع دیئے بغیر یوں نکل جانا چاہتی تھی۔

"میں کہیں منہ کالا کروں یا سفید، آپ کو اس سے مطلب؟ ویسے فار یور کائنڈ انفارمیشن کہ جہاں آپ کی عاتکہ نے مجھے رنگوں ہاتھوں پکڑا تھا اس سے کہیں زیادہ رنگے ہاتھوں تو میں نے بھی عاتکہ کو پکڑا تھا، ویسے شارق اور عاتکہ کے درمیان کوئی ایسا شرعی رشتہ تو نہیں جو وہ دونوں آزادانہ گھومتے پھریں، اس سے آپ کی عزت پہ کوئی حرف نہیں آتا؟ ڈیئر بھابھی۔" وہ نہ تو غصے میں آئی تھی نہ ہی ڈر کے مارے سہمی تھی، بلکہ دونوں بیگ نیچے رکھتے ہوئے نہایت اطمینان سے چلتے ہوئے عین رابعہ کے سامنے آن رکی تھی۔

بے یقینی، حیرت اور تذلیل کے احساس سے رابعہ کی آنکھیں ابل پڑی تھیں، وہ لڑکی جسے کبھی اس نے درخوراعتنا نہ جانا تھا، جسے شیراز کے ذریعے وہ اپنی مرضی سے آرڈر جاری کروائی تھی، آج کیسے بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

"تت...... تم...... تمہاری یہ جرأت...... میں ابھی بلاتی ہوں شیراز کو۔" اس کا ہر انداز اسے آگ کے ڈھیر پہ ہی تو بٹھا گیا تھا۔

"شیراز جیسے چابی کے کھلونے سے ڈرنا چھوڑ دیا ہے میں نے، کوئی اور حربہ ہے تو وہ استعمال کریں۔" وہ ہر گز اس کے غصے سے متاثر

نہیں ہوئی تھی۔

''چھوڑیں آپی! یہ تو شروع سے جیلس ہے مجھ سے۔'' عاتکہ اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے نفرت آمیز لہجے میں بولی تھی۔

''جیلس...... اور تم سے...... ویسے ہے کیا تم میں جو میں تم سے جیلس ہوں گی، دیکھنا ذرا شارق، ہم دونوں میں سے کون زیادہ خوبصورت ہے۔'' وہ رابعہ کو چھوڑ عاتکہ کے برابر آ کھڑی ہوئی تھی، لہجے میں ایک تفاخر تھا، جو یقیناً ان دونوں بہنوں کو جھلسا گیا تھا۔

شارق نے ایک نظر دونوں پہ ڈالی، عاتکہ ہر طرح سج سنور کر بھی اس کی سادگی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، وہ ہر لحاظ سے اس سے بہتر تھی اور یہی بات شارق کو سلگا گئی تھی۔

''ہونہہ...... شکل کا کیا ہے اصل بات تو کردار کی ہے افسوس جو کہ تمہارے پاس نہیں ہے۔'' اسے وہ لمحات یاد آ گئے تھے جب رواحہ نے اس کی دھنائی کی تھی، اپنی وہ ذلت وہ ساری زندگی نہیں بھول سکتا تھا۔

شارق کے جواب نے عاتکہ اور رابعہ کے سینے میں لگی آگ پر گویا ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار دیئے تھے، ان کی آنکھوں میں علیشا کے لئے صاف تمسخر اُمڈا تھا۔

''اچھا...... ویسے تمہارا اپنی نام نہاد پاکدامن عاتکہ بی بی کے بارے میں کیا خیال ہے جو بیچاری تین ماہ تک ہادی پہ ناکام ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتی رہی اور جب اسے احساس ہوا کہ ہادی کو تو میری بہن نے چھوٹی کوڑی تک نہیں دیتی تب وہ تمہاری طرف متوجہ ہو گئی۔'' ان دونوں بہنوں کو ہرگز توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی بے باکی کا مظاہرہ کرے گی وہ بھی شارق کے سامنے۔

شارق کی جس کمزوری کو ان دونوں بہنوں نے اس کے خلاف استعمال کیا تھا اس نے بھی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھایا تھا، اگرچہ اسے ہر بات دیر سے سمجھ آئی تھی تاہم وہ پھر بھی کچھ نہ کچھ قرض تو اتار دینا چاہتی تھی اور جب کہ قدرت نے اسے موقع بھی خوب فراہم کیا تھا۔

''تم ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر کے شارق کو مجھ سے متنفر نہیں کر سکتی سمجھی تم۔'' عاتکہ مارے طیش کے آگ بگولہ ہو رہی تھی، اس کے الفاظ اتنے اثر انداز نہیں ہو رہے تھے جتنا اس کا رویہ اور اعتماد انہیں جھلسائے دے رہا تھا، وہ دونوں اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

''نہ...... نہ...... تم غلط سمجھی ہو، میں تو شاید قیامت تک شارق سے متنفر نہ کر سکوں بھئی آخر وہ تم سے طوفانی قسم کا عشق کرتا ہے یو نو تم سے شادی کی خاطر اس نے اپنے پاپا کے بزنس اور جائیداد کو ٹھوکر ماری ہے، انکل فیاض نے عاق کر دیا ہے شارق کو، یو آر سو لکی عاتکہ ورنہ آج کل اتنا پیار کون کرتا ہے۔'' وہ بہت متاثر نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تمہیں کس نے بتایا یہ سب۔'' رابعہ اور عاتکہ کے پاؤں کے نیچے سے تو زمین کھسکی ہی تھی، شارق بھی ایک ثانیے کو گڑبڑا گیا تھا، یقیناً اس نے یہ بات مخفی رکھی تھی۔

''میں نے سوچا لاہور تو آئی ہوں، پھپھو سے بھی ملاقات کرتی جاؤں، فیاض انکل نے ہی بتایا تھا، خیر میں اب چلتی ہوں، فلائیٹ کا ٹائم ہو رہا ہے اور ہاں......'' وہ جاتے جاتے پلٹی۔

''اپنی شادی پہ بلانا مت بھولنا۔'' لبوں پہ مچلتی ہوئی مسکان کو اس نے چھپانے کی ہرگز کوشش نہیں کی تھی۔

''کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی۔'' واپسی پہ ماما اسے ڈپٹ رہی تھیں، جبکہ وہ بے حد مسرور ہوتی رواحہ کو کال کرنے لگی۔

☆☆☆

''یار! بڑی زبردست سیٹنگ کی ہے تم نے تو۔'' وہ اور نور اکٹھی ہی گھر میں داخل ہوئی تھیں، اسے آج کے لئے کچھ شاپنگ کرنا تھی، صبح ہی اس نے فون پر نور کو ساتھ چلنے کا کہا تھا، وہ ہنسی خوشی راضی ہو گئی تھی، تہمینہ آنٹی نے اس کے منع کرنے کے باوجود ڈھیروں سامان ڈرائیور کے ہاتھ بھیج دیا تھا، وہ دونوں ابھی شاپنگ سے لوٹی تھیں، نور اطراف میں نظریں دوڑاتے ہوئے سراہ رہی تھی۔

''کہاں سیٹنگ کی ہے ابھی تو بس ضرورت کی ہی تھوڑی سی اشیاء خریدی ہیں، تم تو شرمندہ کر رہی ہو۔'' ماما ان دونوں کے لئے چائے بنا لائی تھیں۔

''آ...... اچھا...... تم شرمندہ بھی ہوتی ہو؟ نئی اطلاع ہے میرے لئے۔'' وہ ڈھیلے سے مسکا کے بولی۔

''مرو...... تم تو۔'' اس نے پاس دھرا کشن اسے کھینچ مارا۔

''ہیلو...... ایوری باڈی، کیا ہو رہا ہے، ارے واہ یہاں تو چائے کا دور چل رہا ہے، آنٹی میرے لئے بھی اسٹرونگ سی چائے۔'' اسی وقت رواحہ اندر داخل ہوا تھا اور اندر کا ماحول دیکھ کر اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔

''کیوں؟ تمہارے آفس میں کیا چائے نہیں ملتی جو یہاں بھاگے چلے آئے ہو، چائے نوش فرمانے۔'' ندرت کے کچھ کہنے سے پہلے ہی نور بول اٹھی تھی۔

''میں آفس کام کرنے جاتا ہوں، چائے پینے نہیں۔'' جواباً وہ اسے گھورتے ہوئے بولا تھا۔

''دیکھ لینا، چائے کا یہ کپ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔'' نور نے اسے خبردار کیا تھا۔

''کیوں؟ مہنگا کیوں پڑے گا۔'' وہ مشکوک ہوا۔

''بھئی سیدھا سا مطلب ہے، چائے کے بدلے میں آپ کو آئسکریم کھلانی پڑے گی۔'' علیشا نے مسکراہٹ دباتے ہوئے بڑا سادہ سا انداز اختیار کیا تھا۔

''آئسکریم نہیں بیوقوف، ڈنر لیں گے ہم وہ بھی اپنے پسندیدہ ہوٹل میں۔'' نور نے اسے کہنی مارتے ہوئے بڑی پرزور تردید کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی فرمائش بھی بیان کر دی تھی۔

''جاؤ جاؤ اتنا فالتو ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔'' ندرت کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے اس نے ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔

''اور سناؤ بیٹا! تہمینہ اور قاسم بھائی کیسے ہیں۔'' ندرت نے اس کے پاس ہی بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا، رواحہ کو دیکھتے ہی ان کے ذہن میں ہادی کا کہا گیا جملہ گونجنے لگا تھا۔

''ماما! اگر علیشا کے معاملے میں آپ نے اتنی جلد بازی نہ دکھائی ہوتی تو رواحہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ لڑکا ہے، مجھے ذاتی طور پر وہ بے حد پسند ہے۔'' تب تو وہ اسے ڈپٹ کر خاموش کروا دیتی تھیں لیکن اب ان کا دل چاہتا کاش کہ ہادی کی خواہش پوری ہو جائے۔

''جی آنٹی! سب ٹھیک ہیں، بڑی ماما نے سنڈے کو آپ کو لنچ پر انوائیٹ کیا ہے۔'' رواحہ کی آواز انہیں حال کی دنیا میں کھینچ لائی تھی۔

''اور تم اب بتا رہے ہو۔'' نور نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

”شکر کرو کہ یاد آ گیا اور چلو اٹھو یہیں ڈیرے ڈالنے کا ارادہ ہے کیا، بڑی ماما نے کہا تھا واپسی پر نور کو لیتے آنا۔“ وہ الٹا اسی کے سر ہو گیا۔

”اتنی جلدی، ڈنر سے پہلے تو ہرگز نہیں جانے دوں گی میں۔“ علیشا فوراً بول اٹھی تھی۔

”نہیں علیشا! پھر سہی، یو نو کہ لاسٹ ڈیٹس چل رہی ہیں ان دنوں میں کام کا برڈن بہت زیادہ ہے۔“ اس کی ریزن معقول تھی، ناچار اسے ماننا پڑی۔

”بس اب گھر داری کرنی ہے، کتابوں کی سلیکشن کرو میں ایک دو دنوں میں تمہیں فارم لا دوں گا۔“ جانے سے پہلے وہ اسے ٹوکنا نہیں بھولا تھا۔

”مگر میں۔“ اس نے کچھ کہنا چاہا۔

”کوئی اگر مگر نہیں چلے گی، جو میں نے کہہ دیا وہی ہوگا بس۔“ وہ اس کا جملہ کاٹتا ہوا فیصلہ کن لہجے میں بولا تھا۔

”اچھی زبردستی ہے۔“ وہ جز بز ہوئی۔

”ہاں ہے۔“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اس نے دھونس بھرے انداز میں کہا تھا۔

کچھ تو ایسا ضرور تھا اس کی آنکھوں میں، جو اسے سٹپٹا کے پلکیں جھپکانے پہ مجبور ہو گیا تھا، اس کے لبوں کے گوشوں میں مدھم مسکان ابھری تھی۔

”آج تو بہت تھکاوٹ ہو گئی ماما۔“ انہیں سی آف کر کے وہ دھپ سے صوفے پہ نیم دراز ہوتے ہوئے بولی۔

”یہ ثاقب سبحانی کیسا لڑکا ہے علیشا!“ ماما کے غیر متوقع سوال پہ وہ چونک کے اٹھی تھی۔

”اچھا لڑکا ہے، کیوں؟“ اس نے متعجب ہو کر جواب دینے کے ساتھ ہی سوال داغ دیا تھا۔

”آج اس کی والدہ اور آپا آئی تھیں، تمہارے لئے ثاقب سبحانی کا پرپوزل لے کر۔“ ان کا لہجہ تو بہت عام سا تھا لیکن نگاہوں میں کچھ خاص ضرور تھا، جس نے علیشا کو ٹھٹکا دیا تھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے ماما! ہم ساتھ کام ضرور کرتے رہے ہیں لیکن میں نے کبھی اس کے متعلق اس انداز میں نہیں سوچا۔“ وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

”ٹھیک ہے سوچ لو، پھر جواب دے دینا۔“ وہ رسان سے کہتی ہوئی اٹھ گئی تھیں۔

”تو وہ میرا وہم نہیں تھا، یقیناً ثاقب سبحانی کے دل میں کوئی جذبہ ضرور تھا۔“ اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

اب اسے آفس کے وہ لمحات یاد آ رہے تھے جب ثاقب سبحانی بار بار بے قابو نظروں سے دیکھتا تھا، کبھی اس کے ڈیسک ٹاپ پر کوئی نظم لکھ دینا اور عمران حیدر کا اسے چھیڑنا، لیکن جو بھی تھا ثاقب سبحانی نے کبھی اس کے احترام اور تقدس میں کمی نہیں آنے دی تھی کبھی کوئی ایسی قابل گرفت حرکت بھی نہیں کی تھی۔

”لیکن...... لیکن یہ میرا دل...... ایسے کیوں لگ رہا ہے کہ رواحہ کے لئے میرے دل میں الگ جذبات کیوں آ رہے ہیں...... کہیں میں رواحہ سے......؟“ اس کا دل اسے ایک نئی راہ دکھا رہا تھا اور یہ سب اسے کتنا اچھا لگ رہا تھا، اس نے خود کو ڈپٹنے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود۔

”رواحہ...... رواحہ...... رواحہ۔“ اس کا دل بس ایک ہی راگ الاپ رہا تھا، اپنی ہی سوچوں سے گھبرا کر وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

سب کچھ اتنی جلدی جلدی اچھا ہو جائے گا اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا، ابھی صبح ہی تو رواحہ

اسے پراسپکٹس اور فارم دینے آیا تھا۔

”اسے اچھی طرح دیکھ لینا اور فل کر دینا، میں دوپہر میں آؤں گا تو لے جاؤں گا اور جمع کروا دوں گا اور ہاں اچھا سا لنچ بھی تیار رکھنا فی الحال جلدی میں ہوں، آفس کا ٹائم ہو رہا ہے۔“

اور یہ تو اس نے بھی مشاہدہ کر لیا تھا کہ وہ وقت کا کتنا پابند ہے اسی لئے اس نے رکنے پہ اصرار نہیں کیا تھا، وہ پراسپیکٹس اور فارم چھوڑ چھاڑ لنچ کی تیاریوں میں لگ گئی تھی کریلے گوشت اور کوفتے اس کی دو ہی پسندیدہ ڈشز تھیں، وہ جلدی سے ہاتھ چلانے لگی۔

کچن سے فارغ ہو کے اس نے ہاتھ لے کر ہلکا آسمانی جارجیٹ کا سوٹ پہنا، اندر کا موسم خوشگوار ہو تو ہر چیز ویسے ہی خوبصورت لگتی ہے وہ فارم اور پراسپیکٹس لئے ماما کے پاس لاؤنج میں آ گئی۔

”میں دیکھتی ہوں ماما۔“ مین ڈور پہ بیل ہوئی تو وہ دل کی دھڑکنیں سنبھالتی کھڑی ہو گئی، اپنی سادہ سی تیاری اسے زیادہ لگ رہی تھی۔

”پھپھو...... آپ۔“ سامنے پھپھو کو کھڑا دیکھ کے وہ خوشی سے نہال ہو گئی تھی۔

”آہم...... جناب میں بھی ہوں۔“ شارق ان کے عقب میں نکل کر آیا تھا، لہجہ شوخی سے بھرپور تھا، وہ تو یوں پوز کر رہا تھا گویا ان کے درمیان کبھی تلخ ایام آئے ہی نہیں تھے، وہ نظر انداز کر گئی۔

”آیئے...... اندر آیئے۔“ وہ انہیں اپنی معیت میں لئے اندر آ گئی۔

”ارے نضیلہ تم!“ ندرت بھی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

وہ انہیں وہیں چھوڑ کر کچن میں آ گئی، وہ اپنے کسی رویے سے شارق پہ کچھ ظاہر کرنا چاہتی

تھی، اسے یاد تھا جب وہ رابعہ اور عاتکہ کے ساتھ معرکہ کر کے آئی تھی تو اگلے ہی دن اسے عاتکہ کا فون آ گیا تھا۔

”تم فساد کی جڑ ہو، لیکن تم جتنی مرضی کوشش کر لو شارق اب تمہارا نہیں ہو سکتا۔“ پتہ نہیں اسے کس چیز کا اشتعال تھا، شاید اپنی بے عزتی کا یا پھر شارق کے عاق ہونے کا۔

”اوہ...... تمہارا خیال ہے کہ شارق کو میں نے جائیداد سے عاق کروایا ہے، وری فنی۔“ وہ دل کھول کے ہنسی، پھر سنجیدہ ہوئی تو لہجے میں زہر کی تلخی رچی ہوئی تھی۔

”ایک بات یاد رکھنا عاتکہ، میں تمہاری طرح جھوٹا نہیں کھاتی اور دوسری بات تھوک کر چاٹنے کی عادت نہیں ہے مجھے۔“ اور ساتھ ہی اس نے لائن ڈس کنکٹ کر دی تھی۔

اور اب نضیلہ پھپھو اور شارق کا یہاں آنا، وہ سمجھ تو گئی تھی، لیکن پھپھو کے احترام کی وجہ سے وہ شارق کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی، جو بھی تھا پھپھو کا رویہ کبھی بھی نہیں بدلا تھا۔

”لگتا ہے تمہیں آج میرے آنے کی خبر ہو گئی تھی۔“ وہ اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا، وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر فریج میں سے دودھ کا ڈبہ نکالنے لگی۔

”چھوڑو یار! ایسی بھی کیا ناراضی، میں جانتا ہوں تم آج بھی وہی علیشا ہو جو مجھ سے بے پناہ پیار کرتی ہے، آخر ہمارا ساتھ بچپن سے ہے، تمہارا اعتماد قائم رکھا ہے میں نے دیکھو تو تمہارے پاس ہی لوٹ آیا ہوں وہ کیا کہا ہے پروین شاکر نے۔“

وہ جہاں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات اچھی ہے میرے ہرجائی کی

”سوری، میرا ظرف پروین شاکر جتنا بلند

نہیں ہے۔'' اس کا ضبط جواب دینے لگا تھا، اس نے بے حد سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا تھا، لیکن شارق کے عقب سے اسے واپس پلٹتا ہوا رواحہ دکھائی دیا تھا، اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔

وہ شارق کو چھوڑ چھاڑ رواحہ کے پیچھے لپکی تھی، لیکن وہ رکے بغیر باہر نکل گیا تھا اور آناً فاناً گاڑی بھگا لے گیا، اس کی پکار لبوں میں ہی دم توڑ گئی تھی دل پہ بھاری بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا پتہ نہیں وہ شارق کی کتنی بکواس سن پایا تھا۔

''یہ وہی لڑکا تھا ناں جو......'' وہ واپس کچن میں آئی تو شارق کے ماتھے پہ بل پڑے ہوئے تھے۔

''جی رواحہ وہی ہے جس نے بھرے بازار مجھے میں مجھ پر کیچڑ اچھالنے پر تمہاری دھلائی کی تھی۔'' اس نے ہرگز کوئی لحاظ نہیں کیا تھا، اس کی آنکھوں سے شرارے لپک رہے تھے۔

''چھوڑو تم پرانی باتوں کو۔'' وہ کھسیانا ہو گیا۔

''وہ باتیں اتنی بھی پرانی نہیں ہیں مسٹر شارق فیاض احمد، اور تم کیا امید لے کر اب یہاں تک آئے ہو کہ میں تمہاری خاطر دیدہ دل فرش راہ کیے بیٹھی ہوں گی، مجھ تک آنے سے پہلے تمہیں ایک دفعہ اپنے تمام الفاظ پر غور کرنا چاہیے تھا جو تم نے میری شان میں صادر کیے تھے۔'' رواحہ کے چلے جانے کے سبب اس کا سارا موڈ غارت ہو گیا تھا، وہ جو خاموش رہنے کا ارادہ کر چکی تھی ایکدم ہی پھٹ پڑی۔

''آئم ساری علیشا! میں شرمندہ ہوں۔'' وہ ہر طرح اسے منا لینا چاہتا تھا۔

''بہتر ہوتا کہ یہ سوری تم عاتکہ سے جا کر کرتے شاید وہاں کچھ کام آ جاتی، ہونہہ آج عاتکہ نے دھتکارا ہے تو تمہیں میں یاد آ گئی اور جب اس کی بانہوں میں جھولتے تھے تب تک تو میں تمہیں ایک بدکردار بے حیا اور فاحشہ عورت لگی تھی جو مردوں کے دل لبھاتی ہے تمہیں اگر عقل ہوتی تو خود سوچتے اتنے عرصے سے تمہارا تو دل لبھا نہ سکی، تمہارے ساتھ کتنے شرمناک سین کری ایٹ کر چکی تھی جو تم نے اتنے رکیک الزام مجھ پہ لگائے بولو...... جواب دو...... میں اتنا عرصہ گھر سے باہر ٹھوکریں کھاتی پھری کبھی میرا احساس آیا تمہیں نہیں؟ نہیں آیا ناں، پھر تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں تمہیں معاف کر دوں گی؟ بات اگر غلط فہمی کی ہوتی تو شاید میں دل وسیع کر بھی لیتی لیکن بات تو یہاں کردار پہ آ گئی ہے، میں نہ تو کچھ بھول سکتی ہوں اور نہ ہی معاف کر سکتی ہوں اور نہ ہی تم سے کوئی رابطہ رکھنا چاہتی ہوں تمہارا وجود، تمہارا خیال، تمہارا احساس میرے نزدیک ہیچ صفر ہے، تمہارے لئے میرے پاس صرف رنجش ہے اور کچھ نہیں اور آئندہ میرے سامنے آنے کی غلطی نہ کرنا، ورنہ میں ہرگز کوئی لحاظ نہیں کروں گی۔'' وہ انگاروں سے بھرا طشت اس پہ انڈیلتی تن فن کرتی باہر نکل گئی تھی اور شارق کے لئے پیچھے صرف پچھتاوے چھوڑ گئی تھی، ساری زندگی کے لئے۔

☆☆☆

ساری رات وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی تھی، ذرا سی آنکھ لگتی بھی تو الٹے سیدھے وہم اسے پریشان کرنے لگتے، پتہ نہیں وہ رواحہ کے لئے اتنا تنجی کیوں ہو رہی تھی، حالانکہ بات تو اتنی بڑی نہیں تھی، سوتے جاگتے اس نے ساری رات کاٹی تھی۔

صبح ہوتے ہی اس نے الٹا سیدھا فارم فل کیا ماما کے ساتھ مل کے گھر کے کام نمٹائے اور لنچ

ٹائم سے پہلے ہی فارم اور پراسپیکٹس اٹھا کے کھڑی ہو گئی۔

''ماما! میں ذرا نور کی طرف جا رہی ہوں، رواحہ کو فارم دینا ہے وہ جمع کروا دے، کہیں ڈیٹ نکل ہی نہ جائے۔'' کوئی نہ کوئی بہانہ تو تراشنا ہی تھا اور ویسے بھی اس کے پاس ایک معقول عذر موجود تھا۔

''ٹھیک ہے ذرا دھیان سے جانا۔'' ماما نے کہا تو وہ سر ہلاتی خدا حافظ کہہ کر نکل آئی۔

وہ سارا راستہ دعائیں کرتی آئی تھی کہ رواحہ گھر پہ ہی مل جائے اور شاید اس کی دعا قبول بھی ہو گئی تھی کیونکہ رواحہ کی گاڑی اسے پورچ میں نظر آ گئی تھی۔

''کیسی ہو پروین؟'' لان میں ہی اسے پروین مل گئی تھی، جو وہاں سے چائے اور لوازمات سمیٹ رہی تھی، شاید کچھ دیر پہلے کوئی گیسٹ وغیرہ آئے تھے۔

''ٹھیک ہوں علیشا بی بی آپ کیسی ہیں؟ آپ کے بغیر گھر بڑا ہی سونا لگتا ہے جی میں تو کہتی ہوں آپ تو اپنی ماما کو لے کر یہاں پہ آ جائیں رونق ہو جائے گی۔'' پروین اسے دیکھ کر خوش ہو گئی تھی اور حسب عادت اسٹارٹ بھی ہو گئی تھی۔

''تم بھی بس بہت بولتی ہو، نور کہاں ہے۔'' وہ اس کی بات پہ مسکرانے لگی۔

''نور بی بی تو پارلر گئی ہوئی ہیں جی، آپ کو نہیں پتہ آج کل گھر میں رواحہ صاحب اور نور بی بی کی شادی کی باتیں چل رہی ہیں، بڑا مزہ آئے گا جی۔'' وہ بہت جوش سے بتا رہی تھی، جبکہ علیشا کا دماغ دھک سے اڑ گیا تھا۔

''رواحہ اور نور......؟'' اسے دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہوئی۔

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی پروین۔'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

''لیں جی اس میں کیا غلط فہمی، میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے اور آپ ادھر کیوں کھڑی ہو گئیں اندر آئیں ناں، وہ مسز نیازی بھی آئی ہوئی ہیں، بڑی بی بی کو پتہ چل گیا تو مجھے ڈانٹ پڑے گی آ جائیں۔'' وہ جلدی جلدی برتن سمیٹ کر ٹرالی میں رکھنے لگی۔

علیشا مردہ قدموں سے چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی، اب گھر آ گئی تھی تو ملے بغیر ہی چلے جانا تو یقیناً معیوب بات تھی، تہمینہ آنٹی سے ملنے کی غرض سے وہ ڈرائنگ روم کی طرف چلی آئی۔

''مسز قاسم، میں تو شروع ہی سے آپ سے کہتی آئی تھی کہ رواحہ کی شادی نور سے ہو جائے گھر کی بات گھر میں رہ جائے گی، آپ کہاں دونوں کے رشتے تلاشتی پھریں گی۔'' یہ غالباً مسز نیازی تھیں، جو تہمینہ آنٹی کے اس فیصلے کو سراہ رہی تھیں۔

''میرے خدا۔'' اسے لگا اس کا دل پھٹ جائے گا۔

وہ تمام اخلاقیات کو بھلائے بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلی تھی، مزید سننے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا، پروین ہکا بکا اسے واپس جاتا دیکھ رہی تھی، آنسو تھے کہ ایک تواتر سے بہے چلے جا رہے تھے، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کون سا راستہ ہے وہ کس طرف بھاگ رہی ہے۔

جیسے تیسے کر کے وہ گھر تک پہنچی تھی، ڈپلی گیٹ چابی سے وہ دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی تھی، ماما غالباً ظہر کی نماز ادا کر رہی تھیں، اس نے شکر کیا کہ ان سے سامنا نہیں ہوا، ورنہ وہ

ایسے الجھے بکھرے حلیے کی کیا وجہ بیان کرتی۔

''رواحہ اور نور...... نور اور رواحہ۔'' ایسا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

اسے بس اتنا علم تھا کہ رواحہ، نور کا چچا زاد کزن تھا، ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں رواحہ کے ماما پاپا اور ایک بہن کی وفات ہوگئی تھی تب سے تہمینہ آنٹی اور قاسم انکل نے ہی اسے اپنا بیٹا بنا لیا تھا، اس سے زیادہ اس نے کبھی پوچھا ہی نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔

اب اسے وہ باتیں یاد آ رہی تھیں جن کی طرف پہلے کبھی اس کا دھیان نہیں گیا تھا، رواحہ اور نور کا لڑنا جھگڑنا ایک دوسرے کے لئے پریشان ہونا، چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا، برتھ ڈے پر وش کارڈ اور گفٹ دینا اور ڈھیر ساری ایسی باتیں۔

''علیشا! آ گئی تم، چلو اچھا ہوا مل کے کھانا کھاتے ہیں۔'' ماما نماز پڑھ کے آئیں تو اسے لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر وہ مطمئن ہوگئی تھیں۔

''ماما! آپ ثاقب سجانی کے گھر والوں کے ہاں کہلوا دیجئے، وہ یقیناً ایک اچھا لڑکا ہے۔'' اس نے چند لمحوں میں ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

''میں اب کچھ دیر آرام کروں گی۔'' وہ ان کی سوالیہ نظروں سے نگاہیں چراتی کھڑی ہوگئی تھی، جس سوال کا جواب خود اس کے پاس نہیں تھا وہ ان کو کیسے دیتی......؟

☆☆☆

''تم...... تم سمجھتی کیا ہو خود کو؟'' دھاڑ سے دروازہ کھلا تھا اور رواحہ جارحانہ تیور لئے اندر داخل ہوتا دیکھ کر اس کا چہرہ ایک لمحے کے لئے فق ہوا تھا، لیکن پھر وہ سنبھل گئی تھی۔

تہمینہ آنٹی اور قاسم انکل کے جتنے اس پر احسان تھے وہ ہرگز انہیں اپنی وجہ سے کوئی دکھ نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔

''یہ ثاقب سجانی والا کیا معاملہ ہے۔'' اس کے سر پہ کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''معاملہ کیا ہے ماما نے آپ کو بتایا ہوگا اس کا پروپوزل آیا تھا اور مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ بظاہر نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن اندر ہی اندر اسے رواحہ کے انداز ہولائے دے رہے تھے۔

''لیکن مجھے اعتراض ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا تھا۔

وہ اس کی بات نظر انداز کر کے دوبارہ اپنے کپڑوں کو وارڈ روب میں سیٹ کرنے لگی۔

''میری بکواس تمہیں سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں۔'' وہ سخت برہم لہجے میں کہتا ہوا اس کا رخ اپنی طرف موڑ گیا۔

''لایعنی باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔'' وہ ہونٹ چباتے ہوئے نگاہیں جھکا گئی۔

''میرے علم کے مطابق تو کل تک تمہیں ثاقب سجانی سے کوئی وابستگی نہیں تھی یہ یکا یک تمہارے اندر اتنی پسندیدگی کہاں سے امڈ آئی۔'' وہ ٹٹولتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''شادی کے لئے محبت کا ہونا ضروری تو نہیں، وہ ایک اچھا انسان ہے، ویسے بھی آپ اور نور اب اپنی شادی کی تیاری کریں، آپ کا یہاں آنا اب مناسب نہیں، آپ کو نور کے جذبات کا احساس کرنا چاہیے۔'' اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں انگلیاں مروڑتے ہوئے نہایت رک رک کر اس سے کہا تھا۔

''کیا...... آ...... آ...... میں اور نور......؟ دماغ درست ہے تمہارا۔'' وہ اچھل ہی تو پڑا۔

''ہاں ٹھیک ہی تو ہے میں اس دن آپ کے گھر آئی تو مجھے پروین نے بتایا تھا، پھر مسز نیازی بھی تو یہی کہہ رہی تھیں اور ویسے بھی اس میں برائی کیا ہے بلکہ مجھے تو بہت......''

''بکواس بند کرو اپنی۔'' اس نے دھاڑتے ہوئے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی، وہ سہم کر خاموش ہوگئی۔

''تم سے ایسی ہی کوئی فضول سی توقع تھی مجھے جانتی ہو میرا اور نور کا رشتہ کیا ہے؟ نور میری رضاعی بہن ہے۔'' اس نے بم ہی تو پھوڑا تھا اس کی سماعت پر۔

''لل...... لیکن...... میں نے...... اس دن...... خود سنا تھا۔'' مارے حیرت کے الفاظ اس کا ساتھ چھوڑے جا رہے تھے۔

''تم اگر تھوڑی سی عقل استعمال کر لیتی یا پھر مسز نیازی کی پوری گفتگو سن لی تھی یا کم از کم بڑی ماما کا جواب ہی سن لیتی تو شاید کوئی سیدھی بات تمہارے دماغ میں آ ہی جاتی۔'' وہ سخت متاسف لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''آئم ساری...... رواحہ...... میں پتہ نہیں اس وقت مجھے کیا ہو گیا تھا۔'' ندامت کا گہرا احساس اسے اپنے حصار میں جکڑ رہا تھا، جتنا سوچ رہی تھی اتنا ہی شرمندگی بڑھتی جا رہی تھی۔

''وہ تو شکر ہے ندرت آنٹی نے مجھے فون کر کے ثاقب سجانی کے متعلق استفسار کیا تھا ورنہ میں تو بے موت مارا جاتا۔'' وہ اس کی کم عقلی پر سوائے ماتم کے اور کیا کر سکتا تھا۔

''آئم ساری اگین۔'' وہ جی بھر کے شرمندہ ہو رہی تھی، ابھی تو شکر ہوا کہ نور کو اس کی بھنک نہیں پڑی تھی، ورنہ وہ کس منہ سے اس کا سامنا کرتی۔

''اس سوری ووری کو چھوڑو، آج شام میں بڑے پاپا اور بڑی ماما آ رہی ہیں میرا پروپوزل لے کر بولو منظور ہے۔'' وہ یکدم پینترا بدلی کے بولا تھا، علیشا کے رخساروں پہ سرخی چھا گئی۔

''ایسے کیسے جواب دے سکتی ہوں، سوچ سمجھ کے بتاؤں گی۔'' وہ رخ موڑ گئی، جبکہ دل پوری قوت سے دھڑک رہا تھا، ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ سب کچھ پہلے جیسا ہو گیا ہے۔

''تمہاری سوچ کی تو ایسی کی تیسی۔'' وہ تلملا کے اس کے سامنے آیا تھا۔

''جلدی سے ہاں کہہ دو ورنہ میں شام میں مولوی صاحب کو ساتھ لے آؤں گا پھر نکاح پڑھوا کے ہی اٹھوں گا تا کہ پھر سے کوئی رقیب روسیاہ نہ درمیان میں ٹپک پڑے۔'' وہ اسے دھمکانے لگا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں۔'' وہ ساری چوکڑی بھول کے بری طرح بوکھلا گئی۔

''میں بھلا کیوں انکار کروں گی اتنے اچھے تو ہیں آپ۔'' بوکھلاہٹ میں اس کے منہ سے پھسل تو گیا تھا، جبکہ اس کا احساس ہوتے ہی اس نے زبان دانتوں تلے دبالی تھی۔

''اچھا تو میں ہوں اس کا تو مجھے پکا پتہ ہے، یہ بتاؤ تمہیں کتنا اچھا لگتا ہوں۔'' اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور لہجہ لو دے رہا تھا۔

''بہت...... بہت زیادہ۔'' لرزتی پلکیں اور حیا آلود لہجہ سیدھا اس کے دل میں اتر گیا تھا۔

''مجھ پر اعتماد کرنے کا بہت شکریہ، اسے میری طرف سے انگیج منٹ رنگ سمجھنا کیونکہ میں اب ان چکروں میں پڑنے کی بجائے ڈائریکٹ رخصتی ہی کرواؤں گا۔'' اس نے اپنی جینز کی پاکٹ سے ایک خوبصورت ڈائمنڈ رنگ نکالی اور اس کی انگلی میں پہنا دی۔

علیشا کے دل میں ڈھیروں اطمینان اتر آیا، شام کا اداس رستہ اسے الوداع کہہ چکا تھا اب ہر طرف نو خیز سحر کا اجالا پھیل رہا تھا۔

☆☆☆

ہم کہ ٹھہرے اعلیٰ کردار

سعدیہ عابد

پت جھڑ کے موسم میں تجھ کو
کون سے پھول کا تحفہ بھیجوں
میرا آنگن خالی ہے
لیکن میری آنکھوں میں
نیک دعاؤں کی شبنم ہے
شبنم کا ہر تارا
تیرا آنچل تھام کے کہتا ہے
خوشبو، گیت، ہوا، پانی اور رنگ کو
چاہنے والی لڑکی
جلدی سے اچھی ہو جا
صبح بہار کی آنکھیں کب سے
تیری نرم ہنسی کا رستہ دیکھ رہی ہیں

شاہ تاج بخار میں بری طرح تپ رہی تھی، وہ نیم غنودگی کی حالت میں تھی جب کمرے کا دروازہ کھلا تھا، وہ دگرگوں حالت کے باوجود جانی پہچانی مخصوص مہک کو پہچاننے کا مرحلہ با آسانی طے کر گئی تھی اور لاشعوری طور پر اس کی ہر اک بے اعتنائی کے باوجود اس کی پیش رفت کی منتظر تھی، مگر جب مخصوص کلون کی خوشبو محسوس ہونا بند ہوئی تو انتظار لا حاصل بنا اس کا منہ چڑاتا اس کی آنکھیں بھگو گیا۔

”حمزہ سکندر! کب تم مجھے میرے ناکردہ جرم کی سزا سے آزاد کرو گے کب؟“ وہ کرلائی تھی اور نیم بے ہوشی، بے ہوشی میں منتقل ہو گئی تھی، حویلی میں شادیانے گونج رہے تھے اور ایسے میں کولہو کے بیل کی مانند صبح سے رات تک کام کرنے والی شاہ تاج کی کسی کو نہ ضرورت پڑی نہ کمی محسوس ہوئی کہ اس سے سال کے بارہ ماہ میں صرف ان دنوں بیگار نہیں لی جاتی تھی، جب حویلی میں کوئی جشن ہوتا تھا کیونکہ وہ حویلی کے مکینوں کے نزدیک منحوس تھی اور جس کا سایہ بھی وہ اپنی خوشیوں پر نہیں ڈال سکتے، خوشیاں مناتے وہ اس

مکمل ناول

سے بے خبر تھے کہ شاہ تاج کام کی اتنی عادی ہوگئی تھی کہ آرام اسے بیمار کر گیا تھا، حویلی میں واحد ایک اس کی محسن اس کی غمگسار زینب اس کے لئے حویلی کی ملکانی سے نظر بچا کے کھانا لائی تھی تو اس کو بے ہوش بخار میں جلتے دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی تھی، ہوش میں لانے کی تدبیر بیکار گئی تھی تو وہ پریشانی سے کمرے سے نکلی تھی کہ عجلت میں بری طرح اس سے ٹکرا گئی جس کی تیوری کے بل نمایاں ہوگئے تھے۔

"اندھی ہوگئی ہو جاہل لڑکی۔" اس کی دھاڑ پر اس کا خوف دو چند ہوگیا تھا، وہ منمناتے ہوئے معافی طلب کرنے لگی تھی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور آگے پیچھے دیکھ کر چلا کرو ورنہ تمہاری بٹن جیسی آنکھوں کو ناکارہ بنا دوں گا۔" وہ لرزتی ہوئی زینب کو دیکھتے ہوئے خونخوار لہجے میں گرجا تھا اور کمرے میں گھس گیا اور اسے چار گھنٹوں پہلے والی حالت میں دیکھ اس کا غصہ سوا ہوگیا تھا۔

"شاہ تاج!" گرج کر پکارا تھا اور اس کی مدھم آواز پر بھی لرز اٹھنے والی لبیک کہہ کر بوتل کے جن کی طرح نازل ہو جانے والی زوردار گرج پر بھی ہلی تک نہیں تو اس کو اپنے اندر شرارے سے اٹھتے ہوئے محسوس ہوئے اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ زور سے حلق کے بل چلایا تھا مگر یہ چلانا بھی بے سود ثابت ہوا تو وہ چیل کی مانند اس پر جھپٹا بازو سے پکڑ کر اسے کھڑا کر دینا چاہا تھا مگر وہ ہوش میں ہوتی اور محض سو رہی ہوتی تو شاید وہ ایسا کر پاتا، وہ تو کٹی ہوئی شاخ کی مانند اسی پر آ رہی تھی، وہ بائیں ہاتھ کی مدد سے دیوار کا سہارا نہ لے لیتا تو ضرور گرتا مگر فی الحال لڑکھڑا جانے تک ہی اکتفا ہوا تھا اور اس نے سنبھل کر اسے واپس بیڈ پر دھکیلا تھا جو آدھی بیڈ پر تھی اور آدھی اس پر آ رہی تھی اور وہ ڈاکٹر ہونے کے ناطے سمجھ چکا تھا کہ وہ بخار کی شدت سے بے ہوش تھی اور اس نے ماتھا چھوا تو لگا جیسے انگارہ چھو لیا ہو اور اب وہ اس کی نبض چیک کر رہا تھا، وہ اس کے ساتھ بہت اہم پاکیزہ رشتہ ہونے کے باوجود اسے بہت نزدیک سے پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا، علاج کی نیت سے ہی سہی اسے چھو رہا تھا اور اس وقت وہ ایک بارعب جنگلی سا جابر کردار نہیں عام سا ایک ڈاکٹر لگ رہا تھا، وہ اپنی دشمن کا نہیں جیسے بس ایک عام عورت کا علاج کر رہا تھا جبکہ وہ اپنے اسے پیشے کو کئی سال پہلے ہی خیر باد کہہ چکا تھا، گرد آلود بوکس سے اس نے اسٹیتھسکوپ نکالا اور وہ پھر پور توجہ سے بے سدھ پڑی شاہ تاج کو چیک کرنے لگا، اس کی ہتھیلیاں اور تلوے باری باری سہلائے، اگر وہ ہوش میں ہوتی تو اس کی اتنی کرم نوازی پہ بے ہوش ہو جاتی، جس کی ایک نرم نگاہ کے لئے وہ پچھلے تین سالوں سے ترس رہی تھی اور وہ جو پہلے عجلت میں محسوس نہیں کر سکا تھا کہ وہ اس کے بستر پر لیٹی ہے آتے ہی غصہ میں دھاڑا ہی اس لئے تھا کہ اس سے اتنی جرأت کی امید نہ تھی، لیکن اب نہ صرف اس کا سر تکیہ پر درست کیا بلکہ اسے اپنا دبیز مخملی کمبل اوڑھایا کہ اسے بخار سردی کی شدت سے ہوا تھا اسے حرارت کی ضرورت تھی، اس کی توجہ اور ٹریٹمنٹ کا ہی اثر تھا کہ گھنٹے بعد اس نے آنکھیں کھولی تھیں، مگر ذہن بیدار نہ ہوا تھا آہٹ پر اس نے گردن موڑی تھی اور اسے تولیے سے منہ صاف کرتے واش روم سے نکلتے دیکھ وہ جتنی تیزی و برق رفتاری سے کمبل ہٹا کر اٹھ سکتی تھی، اٹھی تھی مگر بخار محض کم ہوا تھا، نقاہت ابھی باقی تھی اور اس نے عجلت بھی خوب دکھائی تھی اس لئے منہ کے بل نیچے کارپٹ پر گری تھی اور اٹھنے میں اتنی دیر تو لگائی تھی کہ وہ سہولت سے تولیہ اسٹینڈ پر ڈالتا اس کے عین سامنے آ رکا تھا اور وہ اس کے بے پناہ خوبصورت گورے چٹے پاؤں دیکھتی سائیڈ ٹیبل کے سہارے کھڑی ہوگئی تھی، کچھ دیر قبل کی نرمی و توجہ وہ جیسے پانی میں بہا آیا تھا اور اب تیکھے چتونوں سے اسے گھور رہا تھا جو اس کے ممکنہ غصہ وجلال کے خوف سے لرز رہی تھی اور اسے اپنے دوپٹے تک کا ہوش نہیں تھا، وہ تین سالوں میں پہلی دفعہ بنا چادر کی بکل مارے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے بستر کو استعمال کرنے کی؟" اس کی دھاڑ پر تو اس سے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل لگنے لگا کجا کہ وہ کچھ کہہ پاتی۔ کہ وہ اوروں کے مقابلے میں اس کے سامنے تو ایک لفظ بھی نہیں کہہ پاتی تھی وہ اس کے غصے وجلال کے وقت کچھ کہہ دیتی۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے۔" اس کی خاموشی خوف محسوس کرتے ہوئے بھی بری طرح کھلی تھی۔

"وہ...... مم...... میری...... طب...... طبیعت...... ٹھیک...... ٹھیک...... نہیں...... تھی، مجھے پتہ ہی نہیں...... چل...... چلا...... کہ...... میں...... آ...... آپ...... کے...... بیڈ پر...... کب...... کیسے...... سوگئی۔" وہ گرنے سے بچنے کو سائیڈ ٹیبل سے نہ صرف ٹیک لگا گئی تھی بلکہ اسے تھامے ہوئے بھی تھی۔

"اوہو تو سونا تمہیں اتنا پسند ہے کہ تمہیں سوتے وقت کچھ ہوش ہی نہیں رہتا کہ تم کس کے بستر پر سوگئی ہو۔" وہ لمحے میں اس پر الزام جڑ گیا تھا اور اس نے بہت تڑپ کر اسے دیکھا کہ ہر طرح کی تذلیل برداشت کرنے کے بعد بھی یہ کب سوچا تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب وہ اس کے کردار کے پرخچے اڑائے گا۔

"آ...... آپ...... ایس...... ایسا...... سو...... سوچ...... بھی...... کیس...... کیسے...... سکتے ہیں۔" اس کے سوکھے پپڑی زدہ لب اپنے دفاع میں کچھ کہہ ہی نہیں پائے تھے۔

"تم نے ہی مجبور کیا ہے، بیمار تھیں تم اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ کہاں گر پڑ رہی ہو، کہاں کس کے ساتھ اپنا منہ کالا کر رہی ہو۔" اس کی منمناہٹ پر وہ اور شیر ہوا تھا۔

"جان سے مار دیں مجھے، لیکن اتنا گھٹیا الزام نہ لگائیں، میں ایسی نہیں ہوں، آپ نے بھلے مجھے کچھ نہ سمجھا ہو، کچھ نہ دیا ہو تحقیر و تذلیل کے سوا، مگر اس کمرے کی ایک ایک چیز پر اس بستر کے میں حق رکھتی ہوں۔" وہ شروع کے چند دنوں کے بعد سے اب کئی سال بعد اس کے سامنے بنا لڑکھڑائے کچھ بولی تھی۔

"ہا...... حق...... جو حق تم چاہتی ہو نہ وہ تو تمہیں اس زندگی میں ملنے سے رہا اور تمہارا خاندان کتنا پارسا ہے جانتا ہوں اور تم کتنی پارسا ہو یہ خوبی اندازہ ہے مجھے، مگر تمہارا وجود برداشت کر رہا ہوں نہ تو یہ تمہارے خاندان سے زیادہ خود کو اپنے خاندان کو اذیت دے رہا ہوں، میرے صبر کو مت آزمایا کرو کہیں میں خود اذیتی کی دیواریں توڑ کر ظلم کی دیواریں نہ تعمیر کر دوں۔" وہ اپنی خوبصورت آنکھوں میں نفرت و غصہ کی سرخی لئے اسے گھور رہا تھا جو ششدر کھڑی تھی، وہ یہ تک نہ پوچھ سکی کہ اگر اس نے ظلم کیا ہی نہیں ارادہ رکھتا ہے تو تین سالوں سے کیوں اسے مشق ستم بنایا ہوا ہے؟ وہ جو کرتا رہا ہے وہ بھی ظلم کے نہیں تو پھر آخر آتا کس زمرے میں ہے؟ وہ یہ سب سوچ ہی سکی کہنے کی جرأت نہ کر سکی کہ اس کی ایک نفرت میں ڈوبی تیز نظر اس کا سارا اعتماد سلب کر لیتی تھی۔

”میرے سامنے سے اپنا منحوس وجود ہٹا لو اور ہاں لمحہ ضائع کیے بنا، میرے بستر کی چادر تبدیل کرواور کمبل اٹھالو، دونوں چیزیں تم اپنے استعمال میں لا سکتی ہو مگر اب میری نگاہ و استعمال سے یہ دونوں چیزیں دور ہو جانی چاہیے۔“ وہ نخوت وحقارت سے کہتا اس کے جلتے جسم و جان وروح کو گویا شعلہ دکھایا تھا۔

”حمزہ سکندر! مجھے کوئی چھوت کی بیماری نہیں ہے جو آپ اس طرح سے کہہ رہے ہیں اور میرے لیٹنے سے اگر آپ کا بستر ناپاک ہو جاتا ہے تو یہ مت بھولیے کہ اس بچھانے والی بھی میں ہی ہوں، اس چادر ہی نہیں اس حویلی کے درو دیوار پر میری مشقت کی داستان لکھی ہے، آپ جو کھانا کھاتے ہیں وہ میں اپنے ناپاک ہاتھوں سے ہی بناتی ہوں، میرے ناپاک ہاتھ ہی آپ کے لباس کا میل کچیل نکالتے ہیں تو ہی آپ دنیا کے سامنے پاک صاف ہو کر جاتے ہیں، میرا وجود ناپاک ہے تو اس نے تو آپ کے خاندان کو معہ سمیت آپ کے گندہ کر دیا ہے، مگر کتنے اچنبھے کی بات ہے میں ہی گندہ کرتی ہوں اور میں ہی صاف۔“ آج جیسے اس کی صبر کی حد ٹوٹ گئی تھی مگر وہ تلخ حقیقت برداشت نہ کر سکا، گھما کر ایک تھپڑ اس کے نرم رخسار پر جڑ گیا، سہارے کی وجہ سے گری تو نہیں مگر چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

”لائیے، حمزہ سکندر، آپ کا ہاتھ نکال کر اپنے استعمال میں لے آؤں اور کم از کم آپ کی نگاہ سے تو دور کر ہی دوں کہ میرے لیٹنے سے آپ کا بستر ناپاک ہو جاتا ہے تو مجھے چانٹا مارنے سے ہاتھ ناپاک ہو گیا ہو گا کہ مجھے میرے حق سے اسی لئے تو محروم کیے ہوئے ہیں نہ کہ آپ کا وجود ناپاک ہو جائے گا، آپ کا وجود تو نہیں ہاتھ ضرور ناپاک ہو گیا ہے، اس حویلی کی ہر گندگی صاف کرنے کی ذمہ داری ہے مجھ پر لائیے اس گندگی کو بھی صاف کر دوں، ورنہ آپ مجھ پر غصہ ہوں گے چھوٹے مالک۔“ وہ گہرے طنز سے چبا چبا کر کہتی تین سالوں سے چلتی قینچی کی مانند زبان کو زنگ لگ گئی تھی، اس نے تین سال جو وار کیے تھے وہ ان کا حساب ایک لمحے میں چند لفظوں سے کر گئی تھی کہ اس نے آج آئینہ سامنے رکھ دیا تھا اور اس کی مکروہ شکل جس میں صاف نظر آنے لگی تھی، وہ اسے جوتے کی نوک پہ رکھتا آیا تھا اور وہی نوک آج خود اس کو چبھنے لگی تھی کہ وہ حویلی کی مالکن تھی مگر اسے نوکرانی بنا کر رکھا، اس کو اس کے حقوق سے محروم رکھا اور وہ اسی قابل لگی تھی کہ اسے اپنے ناپاک ہو جانے کا خدشہ تھا یا نہیں ظاہر یہی کیا تھا اور پاک چیز کو ناپاک کرنے کے لئے سمندر نہیں محض ایک قطرہ بھی کافی ہوتا ہے اور وہ اس کے وجود سے یہ کیسا دور رہا تھا کہ اس کے کمرے کی ایک ایک چیز، اس کی حویلی کی ایک ایک چیز اس کے سلیقے کا ثبوت تھی، ایک ایک چیز میں اس کے ہاتھوں کی مہک تھی اور جب اس کا وجود ناپاک تھا، تو ہاتھ پاک کیسے ہو سکتے تھے؟ اور سانسیں؟ اس نے تین سالوں کے کئی گھنٹوں میں کئی سانسیں لی ہوں گی اور جب وہ ناپاک تھی تو اس کی سانسیں بھی تو ناپاک ہوئیں اور وہ اس حویلی میں سانسیں لیتی رہی تھی تو حویلی کو اس کے مکینوں کو تو اس نے ناپاک کر دیا اور وہ ناپاکی کے ڈر سے اس کے قریب نہیں جاتا تو اپنے قریب کیسے رہ لیتا ہے؟ اسکول و کالج میں شعلہ جواں مقرر مشہور حمزہ سکندر کی بولتی بند ہو گئی تھی اور وہ جواس کے سامنے ٹھہر نہیں پائی تھی اور وہ جم کر میدان میں صحیح سے اتری بھی نہ تھی کہ وہ پہلے ہی وار پہ چت ہوتا وہاں سے نکل گیا کہ اب نہ ٹھہر سکنے کی باری اس کی تھی کہ مظلوم کی آواز بلند ہوئی اور حاکم کا زوال شروع۔

لوگوں نے کہا، اس در سے کبھی
کوئی ناامید نہیں لوٹا
کوئی خالی ہاتھ نہیں آیا
میں بھی لوگوں کے ساتھ چلا
چہرے پر گرد ملال لئے
اک پرامید خیال لئے
اک خالی دست سوال لئے
جب قافلہ اس در پر پہنچا
میں اس گھر کو پہچان گیا
پھر خالی ہاتھ ہی لوٹ آیا
اس در سے مجھے کیا ملتا تھا
وہ گھر تو میرا ہی اپنا ہے

☆☆☆

”شبی، موڈ کیوں آف ہے تمہارا؟“ اسے خلاف معمول وعادت پورے پچیس منٹ خاموش بیٹھے دیکھ بالآخر وہ اپنا اہم کام چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہو گئی تھی اور اس نے کھا جانے والی نگاہوں سے عطیہ کو دیکھا تھا۔

”بڑی جلدی خیال آ گیا۔“ وہ یوں بولی تھی جیسے وہ منہ بنا کر بیٹھی ہی اس لئے تھی تاکہ وہ اس سے وجہ پوچھ سکے۔

”اماں! مجھے ٹرپ پر نہیں جانے دے رہیں اور تو اور ابا بھی اماں کے ہمنوا بنے ہوئے ہیں۔“ وہ اس کے ایکسکیوز کرتے ہی نان اسٹاپ شروع ہو گئی تھی۔

”ابا، اماں کے ہمنوا بنے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے اماں کے ہمنوا ہیں، اماں کی کسی بات سے ابا انکار کرتے ہی کب ہیں۔“ وہ شوخی وبرجستگی سے بولی تھی اور وہ اس حقیقت سے انکار نہ کر پاتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

”تمہارا کالج ٹرپ پر جا کب رہا ہے؟“ دریافت کیا تھا۔

”نیکسٹ ویک، ابا سے تو میں اجازت لے لوں گی، اماں کو بھی وہ خود ہی راضی کر لیں گے۔“ وہ شاہانہ انداز میں بولی تھی۔

”جب سب کچھ کرنے کا ارادہ ہے اور ہو جانے کا یقین بھی ہے تو یہ منحوس صورت بنا کر سڑی ہوئی اداکاری کا مقصد کیا تھا؟“ وہ جو کتابیں سمیٹ رہی تھی ہاتھ روک کر اس پر بگڑی تھی جو کِل کِل کرتی ہنسی ہنسنے لگی تھی۔

”میرے ایگزامز ہو گئے ہیں، میں آج کل فارغ ہوں تم مجھے وقت ہی نہیں دیتی ہو نہ بس اس لئے۔“ ہنسی روکتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

”خدا کو مانو یار، جانتی ہو نہ آج کل میں تھیسس کی تیاری میں مصروف ہوں، تھیسس سبمٹ کروانے میں دو ماہ ہی تو باقی ہیں اور مجھو ابھی تو جیسے کچھ بھی کیا ہی نہیں ہے میں نے، ریسرچ ورک بھی کتنا باقی ہے۔“ وہ یکدم ہی پریشان ہو گئی تھی۔

”توبہ کرو صبح سے رات تک اسی میں لگی رہتی ہو، کبھی کاغذوں سے چمٹی ہوتی ہو تو کبھی لیپ ٹاپ کے ساتھ اور کہیں جانے کی تو تم بات بھی نہ کرنا، اپنے تھیسس کا میٹریل جمع کرنے کے لئے تو تم لور لور پھرتی رہتی ہو مگر مجال ہے کبھی شاپنگ و پکنک پر بھی جانے کا جو نام بھی لو، رات میری ذیشان بھائی سے بات ہوئی تھی شکوہ کر رہے تھے کہ نہ تم ان کی کال ریسیو کر رہی ہو نہ ہی فیس بک پہ تم انہیں دستیاب ہو رہی ہو، جب تم ہمیں ہمارے ساتھ وجود ہونے کے باوجود غیر دستیاب رہتی ہو تو انہیں سات سمندر پار برقی آلات کے ذریعے کہاں دستیاب ہو سکتی ہو۔“ وہ شروع ہوئی تو چپ ہونا مشکل ہو گیا تھا۔

"مجھے اندازہ ہے شہی، کہ میں تم لوگوں کو وقت نہیں دے پا رہی اور ذیشان کی کال تو میں جان کر ریسیو نہیں کر رہی کہ وہ گھنٹہ سے کم تو بھی بات ہی نہیں کرتے اور آج کل تو مجھ پر اک اک لمحہ بھاری ہے، میرے پاس وقت کم ہے جو باتوں میں، میں ضائع نہیں کرنا چاہتی۔" وہ بکھرے کاغذ سمیٹ رہی تھی اس نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

"اور اگر جو ذیشان بھائی تم سے ناراض ہو گئے؟" چڑ کر پوچھا تھا۔

"اوّل تو وہ مجھ سے ناراض نہیں ہوتے بالفرض ہو گئے تو منا لوں گی۔" اس کے انداز میں لاپرواہی اور ذیشان کا دیا ہوا یقین بول رہا تھا۔

"تمہیں نہ ذیشان بھائی نے سر پر چڑھایا ہوا ہے۔"

"ہاں، لیکن تم بہت میرا وقت ضائع کر چکیں، اب جاؤ اور موڈ بنے تو ایک کپ اسٹرانگ سی چائے بنا دینا۔" اس کی بات کی نفی کرنے کی بجائے ایک لفظی اقرار کیا تھا اور اسے جانے کا کہنے کے ساتھ اس کی مرضی پر چھوڑتے ہوئے کام بھی سونپا تھا اور وہ بھی بلا حیل و حجت کے اس کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

مسرور درانی ایک پرائیویٹ بینک میں اکاؤنٹنٹ تھے، ان کی دو بیٹیاں تھیں، عطیہ درانی اور شاہ تاج درانی، عطیہ، کا نکاح اکلوتے چچی زاد سے دو سال قبل ہو گیا تھا جب وہ بیٹے کے ساتھ انگلینڈ سے آئی تھیں، رخصتی اس لئے نہ ہوتی تھی کہ ذیشان اسٹیبل ہونا چاہتا تھا اور اس کا ارادہ پاکستان شفٹ ہونے کا تھا اور وہ تمام انتظام کر چکا تھا اسی لئے وہ لوگ بہت جلد پاکستان شفٹ ہونے والے تھے، عطیہ جنرل ازم میں ایم ایس کر رہی تھی، جبکہ شاہ تاج نے انٹر کے ایگزام دیے تھے، رزلٹ آنے کے بعد اس کا آئی بی اے میں داخلہ لینے کا مصمم ارادہ تھا، شاہ تاج نے ٹور پر جانے کی بے حد ضد کی، روئی دھوئی، کھانا چھوڑا، کمرہ بند ہوئی مگر سب بے سود رضیہ بیگم نے اسے اجازت نہ دینی تھی نہ دی وہ مسرور درانی سے بہت لڑی ناراض ہوئی مگر وہ بھی نہ مانے کہ وہ بیوی کی فکر و پریشانی کو سمجھتے تھے اور وہ ان لوگوں کی مان لینے پر مجبور تو ہو گئی، مگر جب فیچر لکھنے اور تھیسس مکمل کرنے کے لئے اسے گاؤں جانا پڑا کہ وہ اپنے فیچر کو حقیقی رنگ دینے کے لئے دیہاتی زندگی کو نزدیک سے دیکھنا چاہتی تھی تو شاہ تاج بھی جانے کے لئے بضد ہو گئی اور وہ دونوں میاں بیوی تو چپ سے رہ گئے، مگر رضیہ بیگم نے بھی صاف جانے سے منع کر دی۔

"یہ غلط ہے اماں! جب عطیہ کو ہر جگہ جانے کی اجازت دے سکتی ہیں آپ تو مجھے کیوں نہیں؟" اس نے روتے ہوئے پر زور احتجاج کیا تھا۔

"تم ابھی چھوٹی ہو بیٹا، اکیلے بھیجتے مجھے خوف آتا ہے کہ عطیہ پھر بھی سمجھدار ہے اور تم۔"

"اماں! آپ نے عطیہ کو کبھی اکیلے کہیں جانے سے نہیں روکا، ساری پابندیاں میرے ہی لئے ہیں اور اب تو میں اکیلے نہیں جا رہی آپ کی سمجھدار عطیہ کے ساتھ ہی تو جاؤں گی اور جب وہاں عطیہ جا سکتی ہے تو میں کیوں نہیں؟" وہ ماں کی بات کے درمیان میں سوں سوں کرتی شکوہ کناں لہجے میں بول رہی تھی۔

"اس لئے کہ میں تمہیں وہاں کیا کہیں بھی کبھی بھی نہیں بھیجنا چاہتی اور جب میں نے انکار کر دیا تو اب تم جانے کا نام بھی نہیں لو گی۔" وہ بے بسی کو غصہ کی چادر عطا کرتیں اٹھ گئی تھیں۔

"اور میں نے بھی کہہ دیا ہے کہ میں وہاں ضرور ہی جاؤں گی، وگرنہ عطیہ بھی نہیں جائے گی۔" وہ بے لچک لہجے میں کہتی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی جبکہ وہ اپنی جگہ پر جم سی گئی تھیں، کانوں میں ایک بے لچک بے رحم لہجہ گونج اٹھا تھا، عطیہ ماں کا زرد چہرہ دیکھ کر لپک کر ان تک آئی تھی اور وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی تھیں اور اس کے تو ہاتھ پاؤں بھی پھول گئے تھے۔

☆☆☆

"رضیہ! کیوں پریشان ہوتی ہو، کچھ نہیں ہو گا، جانے دو اسے۔"

"نہیں، مسرور کبھی نہیں، اسے پتہ بھی چل گیا نہ تو وہ مجھ سے میری شہی، چھین لے گا، میں نے بہت کچھ کھویا ہے زندگی میں، اعتبار، بھائی بہن، والدین، لیکن اب بیٹی کھونے کا مجھ میں بالکل حوصلہ نہیں ہے، آپ کی وہ بات مان لے گی، آپ اسے سمجھائیں وہ ضد چھوڑ دے، اس کے خوف سے میں نے شہی کو کبھی اکیلے گھر سے نکلنے نہیں دیا، کہیں آنے جانے نہیں دیا تو اب اسے گاؤں کیسے بھیج دوں؟ وہ وہیں ہوا تو؟ اس نے شہی کو دیکھ لیا تو؟ وہ اسے پہچان لے گا اور مجھ سے شہی کو چھین لے گا۔"

"کیا تم اس شخص کے گاؤں اور اس کے نام تک کو نہیں جانتیں؟" کچھ سوچ کر پوچھا تھا۔

"نہیں وہ شخص میرے لئے اتنا اہم نہیں تھا، میں نے نہ اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کی نہ اس نے مجھے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔" وہ بچوں کی طرح خوفزدہ سی مسرور درانی سے لپٹ گئی تھیں۔

"رضیہ! سنبھالو خود کو، میں شہی کو سمجھاؤں گا وہ میری بات مان لے گی۔" انہوں نے بیوی کو تسلی دی تھی، مگر وہ بھی جیسے اڑ گئی تھی اس کی ایک ہی ضد تھی کہ جب عطیہ جا سکتی ہے تو وہ کیوں نہیں اور یہی سوال لے کر عطیہ ماں باپ کے پاس چلی آئی تھی اور وہ حقیقت جو وہ سب سے چھپا کر ہی رکھنا چاہتی تھیں وہی حقیقت مسرور درانی نے بیٹی کو بتا دی تھی اور وہ تو جیسے خود کو خلا میں ہی محسوس کرنے لگی تھی اور رضیہ بیگم کے چہرے کو بے یقینی سے دیکھنے لگی تھی۔

"اماں! آپ کہہ دیں جواباً نے کہا وہ سب جھوٹ ہے، آپ ہی میری اماں ہیں۔" وہ رضیہ بیگم کے ہاتھ تھامے سسک اٹھی تھی۔

"ہاں ماں ہوں میں تمہاری، صرف پیدا کرنے والی ہی تو ماں نہیں ہوتی نا، پالنے، پرورش کرنے والی بھی ماں ہوتی ہے اور تم میری بیٹی ہو، کبھی یہ مت کہنا، نہ سمجھنا کہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔" انہوں نے عطیہ کو بانہوں میں بھر لیا تھا۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا عطیہ کو سچائی بتا کر اور سچائی بتانی تھی تو صرف شہی کو بتا دیتے، عطیہ کو یہ کیوں بتا دیا کہ میں نے اسے جنم نہیں دیا۔" وہ شوہر سے شکوہ کناں ہوئی تھیں۔

"یہ سب ضروری تھا، جب تک نہیں بتایا تھا نہیں بتایا تھا اب آدھی ادھوری جھوٹ میں لپیٹ کر سچائی نہیں بتا سکتا تھا اور میں تو شہی کو بھی ساری سچائی بتا دینا چاہتا ہوں۔" انہوں نے فقط ارادہ ہی ظاہر کیا تھا کہ وہ چیخ پڑی تھیں۔

"ہرگز نہیں مسرور، وہ یہ برداشت نہیں کر پائے گی، وہ بہت حساس و کم عمر ہے، میں تلخ حقیقتوں کو اس پر آشکار کر کے اس کی معصومیت داغدار نہیں کر سکتی۔" وہ رضیہ بیگم کی وجہ سے خاموشی اختیار کر گئے تھے وگرنہ وہ سچائی بتا دینا چاہتے تھے وہ اور یہ ضروری بھی ہو گیا تھا کیونکہ وہ اصل بات جاننے کے بعد اپنے سالوں کی محنت

اکارت کرنے چلی تھی کیونکہ شاہ تاج کی ضد قائم تھی کہ وہ بھی، نہیں تو عطیہ بھی نہیں اور اس کے کیئریر اس کی محنت کا خیال کرتے ہوئے رضیہ بیگم نے خدشات، وہمات کے ساتھ اپنے دل پر پتھر رکھ کر اسے عطیہ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تھی، مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتیں جو ڈوبے ہی جا رہا تھا، ساتھ خیریت سے لوٹ آنے کی دعا لب پر تھی اور دل کانپ رہا تھا کسی انہونی کے ڈر سے اور جس انہونی سے بچنے کے لئے انہوں نے شہر چھوڑا تھا، ڈر کے مارے گھر سے ہی نکلنا چھوڑ دیا تھا وہ انہونی کہیں اپنے مقررہ وقت پر ہی ہونے والی تھی کہ مالک کل کی رضا کے بغیر تو اک پتہ بھی نہیں ہل سکتا، کوئی کسی سے ٹل کیسے سکتا ہے؟

☆☆☆

"عطیہ! مجھے گاؤں کی سادہ سی زندگی ہمیشہ سے بہت پسند رہی ہے، میرا دل کرتا تھا کہ کاش میں کسی گاؤں میں پیدا ہوئی ہوتی، کھیتوں میں کام کرتی، بکریاں چراتی، بھینسوں کو چارہ کھلاتی، دودھ دوہتی اور یہاں آ کر مجھے بہت اچھا لگا ہے یہاں کے لوگ کتنے سادہ کتنے معصوم ہیں، یہاں سے جانا میرے لئے بہت مشکل ہوگا عطیہ۔" وہ اسے بہت حیرانگی سے دیکھ رہی تھی کہ اس نے ایسی کسی خواہش کا پہلے ذکر نہیں کیا تھا، اسے حیرت کے ساتھ اب ہنسی بھی آنے لگی تھی کہ وہ حقیقت جانتی تھی اور وہ جیسی خواہش دل میں بسائے ہوئے تھی اس حقیقت کے پیش نظر تو وہ کھیتوں میں کام کرنے والی نہیں ان کھیتوں کی مالک ہوتی۔

"تم کیا سوچنے لگیں، میں مذاق نہیں کر رہی، یہ میری خواہش ہے عطیہ۔" وہ خیال سے چونکی اور ہاتھ جھاڑتی کھڑی ہوگئی۔

"انسان جو ہوتا ہے اسے بس اسی پر شکر ادا کرنا چاہیے، کہ اللہ نے تو ویسے بھی تمہیں بہت سہل زندگی عطا کی ہے اور جو زندگی تمہیں متاثر کر رہی ہے، وہ فسوں خیز نہیں بے حد دردناک ہے، کیونکہ منہ اندھیرے سے رات کی تاریکی تک کام کرنا اور پیٹ بھر کر کھانا نہ ملنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے تم کبھی تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ تم نے صرف سہولتیں اور آسائشیں دیکھی ہیں اور گاؤں کی لائف ہرگز بھی سہولت آمیز اور آسائشات سے مزین نہیں ہوتی کہ یہاں کسان کی بیٹی کی بھی آنکھ نم ہوتی ہے اور جاگیردار کی بیٹی کی بھی، ایک کو غریبی رلاتی ہے تو دوسری کو امیری۔" وہ کافی گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد بولی تھی کہ وہ ایک حساس لڑکی تھی اور لکھنے لکھانے کا سلسلہ بھی بچپن سے جاری تھا، وہ چہروں کو آبزرو کرنے کے فن سے واقف تھی اور یہاں آ کر تو اخباروں اور ڈراموں میں دیکھی باتیں جھوٹ لگنے لگی تھیں کہ ان میں تو کچھ بتایا ہی نہیں جاتا اور وہ اپنی آنکھوں سے ظلم ہوتے دیکھ رہی تھی، کسان کی مشقت، جاگیردار کی اجارہ داری، وہ یہاں آ کر بہت دکھی ہوگئی تھی۔

"عطیہ! یہ سب تم کیسے کہہ سکتی ہو، جو تم کہہ رہی ہو ایسا مجھے تو محسوس نہیں ہوا، تو کیا اماں صحیح ہی کہتی ہیں کہ میں بہت بے وقوف ہوں۔" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے دلگرفتگی سے بولی تھی۔

"تم بے وقوف نہیں ہو، تم بہت معصوم ہو۔" وہ اس کے سادہ سے گلابی چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی تھی اور وہ کھل کھل کرتی ہنسی ہنس دی تھی اور حمزہ سکندر جو درخت سے قدرے فاصلے پر موجود تھا اور ان دونوں کی گفتگو ملاحظہ کی تھی آواز کے بعد چہرے اور چہرے کے بعد ہنسی نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"یہ دونوں لڑکیاں کون ہیں؟" حمزہ سکندر نے منشی کرم داد سے پوچھا تھا۔

"چھوٹے مالک شہر سے آئی ہیں، اخبار میں کام کرتی ہیں کوئی کالم شالم لکھنے کے لئے اور بھی لڑکے لڑکیاں ہیں۔"

"یہ سب ٹھہرے کہاں ہیں؟" بات کاٹ کر سوال داغا تھا۔

"ملکوں کی حویلی میں۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولا تھا۔

"ملکوں کی حویلی میں، ملک کب سے علم کے پروردہ لوگوں کی سرپرستی کرنے لگے۔" وہ پرسوچ انداز میں بولا تھا۔

"چھوٹے مالک علم کی سرپرستی کی آڑ میں سیاست کی سرپرستی کی جا رہی ہے، الیکشن سر پر ہیں اور ملک الیکشن جیتنے کے لئے ہمیشہ سے ایسے ہی حربے تو استعمال کرتے آئے ہیں۔" حمزہ سکندر کی سوچیں گہری ہونے لگی تھیں اس کو سیاست سے دلچسپی نہ تھی کہ ویسے بھی وہ پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر تھا لیکن وہ اپنے ماحول میں رچا بسا ہوا تھا اور سیاست کرتا نہیں تھا مگر چاہتا یہی تھا کہ ہر سیاسی جیت اس کے خاندان کا مقدر بنے۔

"شہر سے جو لڑکے لڑکیاں آئے ہوئے ہیں ان سے میری ملاقات کا انتظام کرو کرم داد، کہ کچھ حربے تو ہمیں بھی آزمانا ہوں گے۔" اس نے زیر لب مسکرا کر مونچھوں پر ہاتھ پھیرا تھا اور مضبوط قدم اٹھاتا جیپ میں آ بیٹھا تھا اور کرم داد کو انتظام کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی انتظام خود بخود ہو گیا کیونکہ اسے سڑک کے بیچوں بیچ وہ دونوں بیٹھی ہوئی مل گئیں تھیں اس لئے اسے گاڑی کو بریک لگانے پڑ گئے تھے اور وہ دونوں آواز پر چونکیں تھیں اور وہ جیپ سے اتر آیا تھا۔

"کیا ہوا؟" عطیہ اس کو دیکھ کر کھڑی ہوگئی تھی اور اس کے پوچھنے پر سمجھ نہیں آیا کہ بتائے یا نہیں؟ جبکہ اس نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

"مے آئی ہیلپ یو۔" اب کے اس نے سڑک پر بے نیازی سی بیٹھی شاہ تاج کو دیکھا تھا وہ روتی ہوئی اتنی معصوم و پیاری لگی کہ وہ بے اختیار سا اسے دیکھے گیا۔

"عطیہ! پلیز کچھ کرو، مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔" وہ اس کی آواز پر چونکا اور نگاہ کا زاویہ بدلا تو اسے سڑک پر خون نظر آیا اور اس کے پوچھنے پر عطیہ نے بتایا کہ اس کے پیر میں کانچ چبھ گیا تھا کیونکہ اس کی سلیپر ٹوٹ گئی تھی اور وہ ننگے پیر چل رہی تھی، اس نے کرم داد کو فون کیا اور اس سے موڑھے منگوائے اور عطیہ سے کہا کہ وہ زخمی لڑکی کو سہارا دے کر ایک پر بٹھائے پیر وہ دیکھ لے گا کیونکہ وہ ڈاکٹر ہے۔

"تھینک یو سو مچ، کہ آپ نے ہماری مدد کی۔" عطیہ اس کی مشکور ہوئی تھی۔

"نو تھینکس، اٹس مائی ڈیوٹی۔" وہ شائستگی سے بولا تھا۔

"دیکھو یہ کتنا پڑھا لکھا ہے، ڈاکٹر ہے اور تم کہہ رہی تھیں کہ یہاں سب جاہل اجڈ ہیں، تو کیا یہ ہینڈسم ہماری طرح شہر سے آیا ہے؟ یا تم غلط کہہ رہی تھیں۔" وہ اپنے طور پر تو دھیمے لہجے میں بولی تھی اور عطیہ نے اسے گھورتے ہوئے چپ رہنے کو کہا تھا تب ہی وہ بول پڑا تھا۔

"میں شہر سے نہیں آیا یہیں کا رہنے والا ہوں اور ایک میں ہی نہیں میرے خاندان کے لڑکے اور لڑکیاں بھی تعلیم یافتہ ہیں، آپ سردار قاسم کی حدود میں کھڑی ہیں ملک بلاول کی حدود میں نہیں آپ کو یہاں پڑھے لکھے اور وہاں جاہلوں سے آپ کا واسطہ پڑے گا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"آپ ملک بلاول کی رشتے دار تو نہیں لگتیں کہ آپ لوگ حلیے سے ہی شہری لگ رہی ہیں، یہاں ہمارے گاؤں میں کسی خاص مقصد سے آئی ہیں؟" وہ سلیقے سے بات کرنے کے فن سے بہ خوبی واقف تھا اور عطیہ نے آنے کا مقصد بتا دیا تھا۔

"جان کر بہت خوشی ہوئی، اگر ہماری کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو ہم حاضر ہیں، کرم داد دونوں خواتین کو بحفاظت ان کے مقام تک چھوڑ آؤ۔" دھیمے سے کہتا وہ عطیہ کو خاص اور اسے بہت ہی خاص لگا تھا پھر بعد میں وہ حمزہ سکندر سے ملی تھی اور جس سے مل کر بات کرکے اسے بہت اچھا لگا تھا تو عطیہ کو کافی ہیلپ ملی تھی مگر تیسری ملاقات کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

☆☆☆

وہ سب آٹھ لڑکے لڑکیاں آئے تھے تو یں شاہ تاج تھی اپنے کلاس فیلو امجد کے اثر رسوخ کی وجہ سے ملک بلاول کے مہمان تھے اور ان سے مل کر شاہ تاج کا براہ راست سامنا نہیں ہوا تھا نہ بات ہوئی تھی، وہ دونوں اس وقت باہر سے آئی تھیں اور ملک بلاول زمینوں پر جانے کے لئے نکل رہے تھے، عطیہ کے سلام کرنے پر ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور شاہ تاج کو دیکھ تو یوں ساکت ہوئے تھے کہ اس کے سلام کا جواب تک دینے کا خیال نہیں آیا تھا جبکہ وہ تو ان کی جمی نگاہوں سے کچھ خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"عطیہ! یہ مجھے ایسے گھور گھور کے کیوں دیکھ رہے ہیں؟" وہ عطیہ کے کان میں تقریباً گھس کر بولی تھی۔

"ملک انکل! یہ میری چھوٹی بہن شاہ تاج ہے۔" وہ چونکے، خود کو کمپوز کرنا مشکل تو لگا مگر وہ خود کو کمپوز کر گئے اور اس کا حال احوال دریافت کیا تو یوں لگا جیسے کئی برس پہلے کا وقت لوٹ آیا ہو اور وہ اسے دیکھنے لگے تھے، وہی گلابی چہرہ، ساہ آنکھیں آنکھوں پر پہرہ دیتیں سیاہ خمار پلکیں، لمبی کھڑی ستواں ناک، پتلے پتلے عنابی لب، متناسب قد، اس کا سراپا انہیں کئی سال پیچھے لے گیا تھا، وہ ان کی جانچتی نگاہوں سے گھبرائی بڑی تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی مگر دور تک ان کی نگاہ نے اس کا پیچھا کیا تھا اور وہ نہ جانے کیوں یکدم ہی بہت پریشان ہو گئی تھی اور اس نے واپس جانے کی رٹ لگا دی تھی۔

"یہ تمہیں ایکدم ہوا کیا ہے؟ ابھی مجھے کافی ریسرچ کرنی ہے ابھی کیسے جا سکتے ہیں؟" عطیہ کچھ غصہ سے بولی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں پتہ عطیہ، میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، مجھے لگ رہا ہے بہت غلط ہونے والا ہے، مجھے اماں بہت یاد آرہی ہیں، پلیز عطیہ گھر چلو۔" وہ ایکدم ہی رو پڑی تھی اور اس کے بعد وہ یوں بضد ہوئی کہ اگلے ہی دن عطیہ نے واپسی کا انتظام کیا پھر وہ دونوں گروپ کے ایک لڑکے اور لڑکی کے ساتھ کراچی واپس آگئیں، مگر اس کا رونا ان سب کی سمجھ سے باہر بھی تھا اور پریشان کن بھی۔

"شبی، کیا ہوا ہے؟ کیوں اتنا رو رہی ہو؟"

"آپ مجھے بہت یاد آرہی تھیں اماں۔" وہ ماں کے کندھے سے لگی سسک رہی تھی۔

"اب آگئی ہو نہ اپنی اماں کے پاس، اب جا کر فریش ہو جاؤ، میں تم دونوں کے لئے کھانا لگاتی ہوں۔" انہوں نے اپنی لاڈلی کے ماتھے پر آئے بال سمیٹے تھے اور پیشانی چوم لی تھی اور وہ آنسو رگڑتی کمرے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ ڈور بیل بجی تھی۔

"عطیہ! تم جا کر فریش ہو، میں دیکھ لوں

گی، تمہارے ابا آگئے ہوں گے۔" وہ عطیہ کو روکتیں خود دروازہ کھولنے بڑھی تھیں، یہ وقت مسرور درانی کے آنے کا تھا انہوں نے بغیر تصدیق کے دروازہ کھولا اور جو چہرہ نظر آیا پہلی نگاہ میں تو نہیں مگر وہ اسے پہچان ضرور گئیں، ان کے چہرے پہ سائے لہرانے لگے، رنگت زرد پڑنے لگی تھی جبکہ وہ مسکرائے تھے اور اسی وقت مسرور درانی آفس سے آگئے تھے، انہوں نے اپنی ہی عمر کے اس اجنبی شخص کو دیکھا تھا اور ہلکے ہلکے لرزتی ہوئی رضیہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"رضیہ!" اتنا ہی کہنا تھا کہ وہ چند قدم چلتیں ان کا بازو دبوچ گئی تھیں۔

"کون ہے یہ شخص، ہمارے گھر میں کیا کر رہا ہے اور تم اتنا ڈری ہوئی کیوں ہو؟ سب ٹھیک تو ہے؟" انہوں نے ایک ساتھ کتنے ہی سوال کر ڈالے تھے اور وہ کچھ کہہ ہی نہیں پائی تھیں کہ وہ شخص بول اٹھا تھا۔

"مجھے ملک بلاول کہتے ہیں، آپ کی زوجہ محترمہ کا سابقہ شوہر ہوں اور شاہ تاج کا باپ، اتنا تعارف کافی ہے یا پہلے زبردستی کی شادی، شادی سے طلاق اور طلاق سے فرار تک کی کہانی سناؤں؟" وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے نہایت سنجیدہ مگر بارعب لہجے میں بولے تھے اور مونچھوں کو تاؤ دینے لگے تھے، رضیہ بیگم کی حالت خوف سے خراب ہونے لگی تھی اور ان کی حالت اس شخص کی ہر بات کی گواہی دینے کو کافی تھی۔

"آپ یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟" انہوں نے بیوی کو ریلیکس رہنے کا آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا تھا اور ملک بلاول کی جانب گھوم گئے تھے۔

"لمبی چوڑی بات کرنے کا میں قائل نہیں ہوں، صاف سیدھی بات کہوں گا کہ میں یہاں اپنی بیٹی کو لینے آیا ہوں۔"

"وہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔" وہ ملک بلاول کی بات کے درمیان چیخی تھیں۔

"وہ میری ہی بیٹی ہے، جسے تم لے کر فرار ہو گئی تھیں، میں نے ماضی دہرانے آیا ہوں نہ ہی کوئی بدتمیزی چاہتا ہوں، میری بیٹی میرے حوالے کر دو، خاموشی سے چلا جاؤں گا، آئیں بائیں شائیں کرو گی تو مجھے اچھے سے جانتی ہو مجھے انگلی ٹیڑھی کرکے اپنا مقصد پورا کرنا خوب آتا ہے، فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے سیدھے راستے سے مجھے میری بیٹی دینی ہے یا؟ یہ تو طے ہے کہ اب میں یہاں سے اپنی بیٹی لئے بغیر تو جانے سے رہا۔" وہ اپنے مخصوص بے لچک بارعب لہجے میں کہتے ان کے قدموں تلے سے گویا زمین ہی نکال لے گئے تھے۔

"میں تمہیں اپنی بیٹی کسی قیمت پر نہیں دوں گی۔" ان کا لہجہ کانپ رہا تھا اور وہ مسکرانے لگے تھے۔

"ایسے ہی دعوے مجھ سے شادی نہ کرنے کے بھی کیے تھے پھر ہوا کیا تھا جیت میری یعنی ملک بلاول کی ہوئی تھی، آج بھی میں ہی فاتح ٹھہروں گا۔" وہ زعم سے بولے اور اندر کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

"مسرور روکیں، اس شخص کو اس نے میری زندگی برباد کر دی تھی، میں اسے اپنی بیٹی کی زندگی برباد کرنے نہیں دوں گی۔" وہ چلائی تھیں اور وہ ملک بلاول کی باتوں سے اس کے عزائم کا جائزہ لیتے چونکے مگر انہوں نے اسے اندر بڑھنے سے نہیں روکا کہ اس طوفان سے سامنا تو کرنا ہی پڑے گا۔

"دیکھو رضیہ رونے ڈرنے چیخنے چلانے

سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، سنبھالو خود کو ہم اس سے بات کرتے ہیں، اللہ بہتر کریں گے۔" وہ بیوی کو تسلی دیتے اندر لے آئے تھے ملک بلاول کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ انہیں بیٹی چاہیے سیدھے راستے لے جانے دیں گے تو اس سے ملنے کا راستہ کھلا رہے گا، اگر وہ اوچھے ہتھکنڈوں کے بعد لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو رضیہ بیگم کے لئے بیٹی سے ملنے کا ہر رستہ بند ہو جائے گا، وہ وقت دینے کو تیار نہ تھے مگر مسرور درانی نے اتنے سبھاؤ سے بات کی تھی کہ انہیں مانتے ہی بنی اور وہ کل آنے کا کہہ کر چلے گئے۔

"آپ نے کیوں اس کی امید بندھائی مسرور؟ میں اپنی بیٹی اس گھٹیا شخص کے حوالے کبھی نہیں کروں گی۔" وہ شوہر پر بگڑی تھیں۔

"میں نے امید نہیں بندھائی سوچنے کے لئے وقت لیا ہے، کیونکہ وہ گھٹیا شخص ہی شاہ تاج کا باپ ہے اور اس کے تیور دیکھے تھے نہ وہ اسی وقت شاہ تاج کو لے جانا چاہتا تھا، تمہیں وقت مل گیا ہے، سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو کہ وہ با اختیار ہے۔" ان کی نگاہ بہت دور تک دیکھ رہی تھی۔

"مطلب کیا ہے آپ کی بات کا، میں شاہ تاج اسے دے دوں۔"

"عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے رضیہ اور مجھ سے زیادہ تم اس شخص کو جانتی ہو اس لئے جذباتی ہو کر نہیں عقل سے کام لیتے ہوئے کوئی فیصلہ کر لو، ویسے بھی وہ اچھا ہے برا ہے جیسا بھی ہے، ہے تو شہی کا باپ ہے اسے ساتھ لے جانے کا شرعی و قانونی حق رکھتا ہے، مگر تم یہ بھی جانتی ہو وہ ایسا محبت میں نہیں کر رہا، وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے تم سمجھ سکتی ہو اور تمام فائدے، نقصانات تمہارے سامنے ہیں تو سوچ سمجھ کر فیصلہ لو، غصہ میں اس نے کچھ غلط کیا تو سر پکڑ کر روؤ گی، جیسے اب تک روتی رہی ہو۔" وہ تجزیہ کے بعد جو مناسب سمجھتے تھے کہہ گئے تھے۔

☆☆☆

وہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں اور گھر میں سب سے چھوٹی تھیں، این ای ڈی سے کیمیکل انجینئرنگ میں ماسٹرز کر رہی تھیں، ملک بلاول سے جامعہ سے واپسی میں ٹاکرا ہوا تھا، وہ ان کی گاڑی سے ٹکرا گئی تھی، ملک بلاول نے اس وقت مدد کی تھی بعد میں پیچھا لے لیا تھا وہ شادی کرنا چاہتے تھے مگر وہ مسرور درانی جو ماموں زاد تھے ان سے محبت کرتی تھیں، انکاری ہو گئیں مگر ملک بلاول نے بھی پیچھا لے لیا اور ایک دن فون کر کے ان کے بڑے بھائی سے کہہ دیا کہ وہ رضیہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں، رضیہ بھی ایسا چاہتی ہے مگر گھر والوں کے سامنے کہہ نہیں پا رہی، اسی طرح کے فون جس میں ملک بلاول اور رضیہ کی محبت کی داستانیں بیان کی جاتیں مسرور درانی کے گھر پر بھی کیے گئے، مسرور درانی شک کا شکار ضرور ہوئے مگر انہوں نے رضیہ سے تصدیق ضرور کی تھی اور ان کی صداقت پر مسرور درانی یقین بھی لے آئے تھے مگر مسرور درانی کی والدہ جو پہلے بھی رشتے پر خوش نہ تھیں بیٹے کی وجہ سے راضی ہوئیں تھیں وہ اور مسرور درانی کے گھر والے سب رضیہ سے بدظن ہو گئے تھے اور جب ملک بلاول خود اپنا رشتہ لائے تو رضیہ انکار نہ کر سکیں کیونکہ ملک بلاول نے ان کی فیملی کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دی تھی اور ان کا سب کے سامنے کیا جانے والا اقرار انہیں سب کی نظروں سے گرا گیا، چند ہی گھنٹوں میں ان کا نکاح کر کے ملک بلاول کے ساتھ رخصت کر دیا، ہر قسم کا رشتہ ختم کر کے، مسرور درانی کی والدہ نے بھی ان کی شادی اپنی بھانجی سے کر دی۔

رضیہ، ملک بلاول کے ساتھ خوش نہ تھیں کہ وہ اچھے اوصاف حرکات کے مالک نہ تھے مگر وقت گزرتا رہا اور یونہی تین برس بیت گئے، وہ اپنوں کی شکل دیکھنے کو ترستیں گھٹ گھٹ کر جیتی رہتیں، بیمار تھیں، علاج کے لئے ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں وہیں پورے تین سال بعد مسرور درانی سے ملاقات ہو گئی، جن کی بیوی ہاسپٹلائز تھیں، ملک بلاول کو رضیہ کا مسرور درانی سے بات کرنا اور ان کی دو سالہ بیٹی کو گود میں لے کر پیار کرنا، کچھ بھی اچھا نہیں لگا تھا، گھر آ کر دونوں کی کافی لڑائی ہوئی، ملک بلاول کے شک اور زہریلی باتوں نے ان کے بے جان وجود کی رہی سہی جان بھی کھینچ لی تھی، ملک بلاول ان سے تنگ آ چکے تھے کہ انہوں نے اتنا وقت تو کسی عورت کو دیا ہی نہ تھا، ان کی ایک خاندانی بیوی تھی اس سے ایک بیٹا تھا، رضیہ تو محض ضد اور خوشی کا باعث تھیں، ضد پوری ہو چکی تھی، خوشی ہرن ہو چکی تھی ان سے جان چھڑاتا تو کافی عرصے سے چاہ رہے تھے موقع ملا تو اسی کو غنیمت جانا اور کردار پر انگلی اٹھاتے ہوئے شک کے کٹہرے میں کھڑا کر کے انہیں اپنی زندگی سے نکال دیا، وہ ذلت و طلاق لئے گھر لوٹیں تو اپنوں کے سفید ہو جانے والے خون نے جوش نہ مارا، ان کا تو کوئی سہارا، آسرا ہی نہ تھا ایدھی سینٹر چلی گئیں، مسرور درانی بیوی کے چالیسویں کا کھانا ایدھی سینٹر میں دینے آئے تو رضیہ سے ملے، رضیہ نے انہیں ساری حقیقت لفظ بہ لفظ بتا دی اس دوران اس کی ایک بیٹی بھی دنیا میں آ چکی تھی جس کا علم ملک بلاول کو نہ تھا اور یوں ساڑھے تین سال کٹھن زندگی گزارنے کے بعد وہ مسرور درانی کی بیوی کے مرنے کے بعد اجڑ جانے والے آشیانے سہم جانے والی بچی کو ماں کا پیار دینے کے لئے چلی آئیں، مگر انہوں نے مسرور درانی کی بیٹی کو ماں کا پیار دیا تو وہ بھی ان کی بیٹی کے لئے باپ ہی ثابت ہوئے، رضیہ بیٹی کی پیدائش سے ہی خوفزدہ رہیں کہ انہیں لگتا تھا کہ جب ملک بلاول کو اس بات کا پتہ چلے گا تو وہ بیٹی ان کے پاس نہیں رہنے دیے گا، انہوں نے اٹھارہ برس ڈر ڈر کر گزارے اور جب شاہ تاج ماں کا سا رنگ روپ اس کی شباہت اختیار کرتی گئی تو خوف دو چند ہو گیا اور انیسویں سال بعد ان کا شک، وہم دل کا ڈر سچ ثابت ہو گیا اور ملک بلاول جو اٹھارہ برس بیٹی کے وجود سے نا آشنا رہا، یکدم ہی اس کا وارث بن کر آ گیا، رضیہ ایسا ہرگز نہیں چاہتیں، انہوں نے ساری حقیقت شاہ تاج کو بھی بتا دی وہ بھی ماں کے ساتھ ہی رہنا چاہتی تھی اور جب اگلے دن ملک بلاول آئے رضیہ سے زیادہ خود اعتمادی سے وہ باپ سے ملی اور جانے سے صاف انکار کیا مگر وہ کہاں کسی کے انکار کو خاطر میں لائے تھے، زبردستی اسے وہاں سے لے گئے، حویلی آ کر وہ بہت روئی بہت ہاتھ پیر مارے مگر سب بے سود، یونہی تین ماہ گزر گئے ملک بلاول کی بیوی کو شاہ تاج ایک آنکھ نہ بھائی تھی مگر شوہر کے سامنے خاموش ہی بھلی تھی، وہ تین ماہ بعد کراچی رضیہ سے ملنے گئی اور ماں سے مل کر آنے کے بعد وہ کچھ نارمل ہو گئی تھی، کمرے سے نکلنے لگی تھی، ملک بلاول کے چھوٹے بھائی کی بیٹیوں اور بہوؤں سے بات چیت کرنے لگی تھی اور کچھ ہی دنوں کے بعد سیر کے لئے گیا ملک صمد حویلی لوٹ آیا، جو ملک بلاول کے چھوٹے بھائی کا اکلوتا بیٹا تھا، صمد کو شاہ تاج پہلی ہی نگاہ میں اچھی لگی تھی وہ اس سے بات کرنے فری ہونے کی کوشش کرتا تھا مگر اسے صمد ایک آنکھ نہیں بھایا تھا، وہ اس کی بات کا ڈھنگ سے جواب تک نہیں دیتی تھی، ایک دن حویلی کی سب لڑکیاں تفریح

کے لئے گئی تھیں، شاہ تاج بھی ساتھ تھی ان لوگوں کی باتوں میں دل نہ لگا تو وہ ملازمہ کے ساتھ واک کے لئے نکل گئی اور تبھی اس کی ملاقات حمزہ سکندر سے ہوئی تھی، یوشی کو اس کے آواز دے کر روکنے اور خیریت دریافت کرنے پر پہلے پہل حیرت ہوئی تھی مگر جب یہ خیال آیا تھا کہ وہ یقیناً دونوں خاندانوں کی دشمنی سے ناواقف ہوگی حیرت ختم ہوگئی تھی، (ملک بلاول کی بیٹی شہر سے آئی ہے سب ہی اس بات سے واقف ہو گئے تھے) اور ان دونوں کو بات کرتے ہوئے ملک صمد نے دیکھ لیا تھا اور وہ چیل کی طرح ان کے سر پر آن پہنچا تھا، یوشی کو خونخوار نگاہوں سے گھورتا وہ شاہ تاج کی طرف مڑا اور اسے گھورتے ہوئے چلنے کو کہا۔

''آپ جایئے میں کچھ دیر میں آ جاتی ہوں۔'' اس کا یہ کہنا غضب ہو گیا اس نے شاہ تاج کی کلائی مضبوطی سے جکڑی اور اسے تقریباً گھسیٹا ہوا اپنی گاڑی تک لے گیا، اندر دھکیلا، فل اسپیڈ میں گاڑی چھوڑی، رلیش ڈرائیونگ کرتا حویلی پہنچا اسے جیسے بٹھایا تھا ویسے ہی اتارا اور گھسیٹا ہوا حویلی کے اندرونی حصے میں لے آیا، بیٹھک میں بیٹھے چھوٹے بھائی سے بات کرتے ملک بلاول چونک اٹھے۔

''یہ سب کیا ہے صمد؟'' وہ بولے نہیں دھاڑے تھے۔

''مجھ سے نہیں اپنی چہیتی شہری بیٹی سے پوچھیے، دشمنوں کے بیٹے سے کتری عشق کی پینگیں بڑھا رہی تھی۔'' جھٹکے سے اس کی کلائی آزاد کی تھی وہ اوندھے منہ فرش پر گری تھی، ماتھے سے درد کی لہر اٹھی تھی وہ اس کی جرأت پر حیران پریشان تھی اس کے الزام پر لمحے کے ہزارویں حصے میں اٹھ بیٹھی تھی۔

''بکواس بند کیجیے اپنی۔'' وہ چیخی تھی۔

''دیکھ رہے ہیں تایا سائیں، اپنی دختر کی بد لحاظی ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔'' وہ کف اڑانے لگا تھا۔

''بابا سائیں یہ بکواس کر رہے ہیں، میں تو یوشی سے بات کر رہی تھی جب پہلے میں عطیہ کے ساتھ گاؤں آئی تھی تب یوشی نے عطیہ کی بہت مدد کی تھی، اس لئے انہیں دیکھا تو سلام دعا کرنے لگی تھی اور یہ نہ جانے کیا سمجھے؟ اتنی بدتمیزی کی میرے ساتھ، مجھے وہاں سے زبردستی گھسیٹ لائے ہیں، انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا مجھ سے اس طرح پیش آنے کا۔'' اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

''بکواس کی یا جھوٹ بولا اور کارنامے چھپانے کی کوشش کی تو زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا۔'' وہ بدلحاظی سے چیخا تھا۔

''آپ نے مجھ پر بہتان باندھنے کی کوشش کی تو میں آپ کا وہ حشر کروں گی جو ساری عمر یاد کریں گے۔'' وہاں موجود کسی کو بھی امید نہ تھی کہ وہ ملک صمد کے منہ پر تھپڑ دے مارے گی، ملک صمد نے اس کی کلائی جکڑ لی تھی توہین پر اس کی آنکھیں لہو چھلکانے لگی تھیں، ملک بلاول نے ہی آگے بڑھ کر بیٹی کو اس کے کمرے میں بھیجا تو وہ اور چیخنے لگا تھا شاہ تاج کو برا بھلا کہتے ہوئے گالیاں دینے لگا تھا۔

''بس ملک صمد، وہ ملک بلاول کی بیٹی ہے ذرا زبان سنبھال کے۔'' وہ بارعب لہجے میں بولے تھے تو اس کی بولتی بند ہو گئی تھی اور وہ کچھ دیر بعد منمنایا تھا۔

''آپ اسے شہ دے رہے ہیں تایا سائیں اور اس نے جو میری تذلیل کی اسے کیسے آپ نظر انداز کر سکتے ہیں؟''

''تذلیل کروانے کا خود تمہیں شوق چڑھا تھا، چار ماہ میں شاہ تاج کو اتنا تو جان گئے ہیں کہ یقین سے کہہ سکیں کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، تاہم اس پر انگلی اٹھاتے نہ وہ سب ہوتا، خیر جانے دو اس قصے کو میں خود دیکھ لوں گا سب کچھ۔'' وہ اپنے طور پر بات ختم کر گئے مگر وہ تو زخمی ناگ بن گیا تھا اس پر کسی نے پہلی دفعہ ہاتھ اٹھایا تھا وہ بھی بھرے مجمعے میں وہ بھی کسی عورت نے، وہ اپنی تذلیل کا ہر صورت بدلہ لینا چاہتا تھا، کب؟ کیسے؟ موقع کی اسے تلاش تھی اور موقع اسے جلدی ہی مل گیا تھا، حویلی کے سب افراد کسی قریبی عزیز کی شادی میں گئے تھے، شاہ تاج بیمار تھی اس لئے اس نے جانے سے معذرت کر لی، حویلی کی ملازماؤں کو ملک صمد نے خود ہی حویلی سے بھیج دیا کہ اس کی شاہ تاج پر اول روز سے ہی بری نظر تھی اور اسے اب تو اپنی تذلیل کا بدلہ بھی لینا تھا اس لئے موقع و تنہائی کا اس نے فائدہ اٹھانے کا پورا ارادہ کر لیا تھا اس نے شاہ تاج کے ساتھ دست درازی کرنے کی کوشش کی تھی کہ اتنے میں ملک بلاول جو شادی پر نہ گئے تھے اور ڈیرے سے طبیعت بوجھل محسوس کرتے خلاف عادت بیچ پنچایت سے اٹھ کر گھر آ گئے تھے تبھی دوسروں کی عزتیں پامال کرنے والے شخص کو ایک ہی لمحہ میں عزت کی اہمیت و معنی سمجھ آ گئے تھے، بیٹی کی عزت کے آبگینے کو تو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے مگر ضمیر کی عدالت میں جا کھڑے ہوئے تھے اور اگلے دن بیٹی کے رونے پر وہ اسے واپس بھیجنے کا فیصلہ کر چکے تھے، مگر جن کی قسمتوں میں آزمائش لکھی جا چکی ہو انہیں آزمائشوں کی کھائی میں چاہے ان چاہے طور اترنا ہی پڑتا ہے، حمزہ سکندر کے خاندان سے ملک خاندان کی نسلی دشمنی تھی ور جو اس وقت بھڑک کر سامنے آئی، وہ اک سرد آدھی رات تھی، حمزہ سکندر کا چھوٹا بھائی شہر سے آ رہا تھا کہ لڑکی کی چیخ کی آواز پر اس نے گاڑی روکی تھی اور آواز کے تعاقب میں آگے بڑھنے لگا تھا کہ وہ گھبرائی و خوفزدہ اٹھارہ انیس سال کی لڑکی اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی اور اس کا بازو تھام کر اس کی اوٹ میں ہو گئی تھی جبکہ ملک صمد اسے دیکھ ڈرنے یا گھبرانے کی بجائے غصہ میں آ گیا تھا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ملک صمد، تم لوگوں نے تو اپنی عزت و غیرت بیچ کھائی ہے، دوسروں کی عزت تو محفوظ رہنے دو۔'' وہ کڑے تیوروں سے اسے گھور رہا تھا کہ اس لڑکی کا خوف سے چلاتا، دوڑ کر اس تک آنا اور فریاد کرنا اس کے خون کو کھولا گیا تھا اور وہ شرمندہ ہونے کی بجائے جواباً اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''آج تم ہمارے علاقے میں چلے آئے ہو موسیٰ سکندر، زندہ بچ کر جانے دیا تو اپنے باپ کا نہیں۔'' وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا اور اسے بری طرح پیٹنے لگا اور وہ اپنا بچاؤ بھی نہیں کر پا رہا تھا کیونکہ وہ بائیس برس کا درمیانی جسامت کا لڑکا تھا اس کے برعکس ملک صمد بھاری ڈیل ڈول کا تقریباً چونتیس برس کا توانا مرد تھا، وہ لڑکی اس صورتحال پر مزید پریشان ہو گئی تھی، سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا کرے، تب ہی اس کی نگاہ ایک موٹے ڈنڈے پر پڑی تھی اور جسے اٹھا کر اس نے موسیٰ سکندر کو بری طرح پیٹتے ملک صمد کے سر پر مارنا چاہا تھا مگر وہ اسی وقت سیدھا ہوا اور اس کو پلٹتے دیکھ کر ڈنڈا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اس نے اسے گالی دیتے ہوئے پکڑ لیا۔

''تو اور مجھے مارے گی، ہاتھ نہیں توڑ دوں گا میں تیرے۔'' اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر بری

طرح جھٹکا تو وہ کراہ اٹھی تھی۔

”چھوڑ دیں مجھے ملک صاحب، جانے دیں مجھے۔“ وہ سسکی تھی اور اس نے قہقہہ لگا کر اسے دیکھا۔

”ہاں جانے دوں جانے ہی دینا ہوتا تو راہ روکتا ہی کیوں؟“ تمسخر سے بولا تھا اور اتنے میں اسے اٹھ کر جیب سے ریوالور نکالنے کا موقع مل گیا اور اس نے ٹریگر پر انگلی جمائی تھی، ٹھاہ کی آواز پر وہ پلٹا اور ملک اسد کو ریوالور تانے اور موسیٰ سکندر کو زمین بوس ہوئے دیکھا اسے پیروں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہونے لگی تھی۔

”اسد! یہ کیا کر دیا تم نے؟“ وہ اب کچھ خوفزدہ ہو گیا تھا کہ زمین بڑی تیزی سے لہو رنگ ہو رہی تھی۔

”ادا میں اس پر گولی نہ چلاتا تو یہ تم پہ گولی چلا دیتا۔“ وہ لڑکھڑاتے لہجے میں بولا اور وہ......

وہ اس کی طرف بڑھا نبض چیک کی مگر زندگی کا ناطہ ٹوٹ چکا تا، وہ کیا کریں کیا نہیں کی الجھن میں ہی تھے کہ وہاں حمزہ سکندر چلا آیا تھا کہ کافی دیر قبل اس نے یوشی کو اپنے پہنچ جانے کا بتا دیا تھا مگر وہ نہ پہنچا تو وہ تشویش کا شکار ہوتا ڈیرے سے گھر جانے کی بجائے گاؤں کے داخلی راستے کی جانب بڑھا تھا اور اس کی گاڑی دشمنوں کی حدود میں دیکھ کر وہ کافی تیزی سے اس تک آیا، مگر گاڑی خالی تھی اور باتوں کی دھیمی آواز پر وہ آگے بڑھا اور زمین پر ساکت خون میں لت پت موسیٰ سکندر کو دیکھ کر زمین، آسمان اسے اپنی آنکھوں کے سامنے گھومتے محسوس ہونے لگے تھے۔

”موسیٰ...... موسیٰ...... آنکھیں کھول موسیٰ کیا ہو گیا ہے تجھے؟ آنکھیں کھول موسیٰ۔“ وہ اس کا سر زانو پر رکھے گال تھپتھپا رہا تھا جبکہ وہ دونوں وہاں سے فرار ہو گئے تھے، سرداروں کی حویلی میں ہنگامہ برپا ہو گیا تھا، جوان بیٹے کا لاشہ دیکھ نوری بی (والدہ) کو سکتہ ہو گیا تھا وہ سب ملکوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے، یوشی اور جمال کو سنبھالا بڑا ہی مشکل ہو رہا تھا لیکن سردار قاسم نے بڑے بیٹے اور چھوٹے بیٹے کے دونوں بیٹوں کو اپنی قسم دے کر قابو کیا ہوا تھا اور پنچائیت بیٹھی تھی اور قتل کی وجہ جیسے ہی دریافت کی گئی جو الزام ملک صمد کی طرف سے لگایا گیا وہ سب بیٹھے سے کھڑے ہو گئے تھے۔

”زبان کو لگام دو ملک صمد، ورنہ میں تمہیں یہیں زندہ گاڑھ دوں گا۔“ حمزہ سکندر غصہ سے کف اڑا رہا تھا۔

”تمہارا بھائی اپنے نفس کے بے لگام گھوڑے کو لگام نہ ڈال سکا اور تم ہماری زبان کو لگام ڈالو گے، مگر کس بنیاد پر؟ تمہارے چلانے سے حقیقت بدلے گی نہیں، موسیٰ سکندر نے ہمارے گاؤں کی مزارعے الٰہی بخش کی بیٹی کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا اور اس کی عزت بچانے کو ملک اسد کو گولی چلانی پڑی، ارادہ مارنے کا نہیں تھا۔“

”بکواس بند کرو ملک صمد ہمارا پوتا ایسا نہیں تھا۔“ سردار قاسم دھاڑے تھے۔

”وہ ایسا ہی تھا، یقین نہیں تو الٰہی بخش کی دھی کو بلا کر تصدیق کر لیں۔“ وہ پرسکون انداز میں بولا تھا کہ اس نے نوشابہ کو جھوٹ بولنے کے لئے مجبور کر دیا تھا نوشابہ کی چھوٹی بہن اس کے قبضہ میں تھی، ماں باپ کی جان لینے کی دھمکی الگ دی ہوئی تھی اس لئے اسے یقین تھا کہ وہ جھوٹ ہی بولے گی اور اسے جھوٹ کھلنے کا خطرہ نہیں تھا۔

”ہمیں کسی سے تصدیق نہیں کرنی، ہمیں اپنے بیٹے پر پورا بھروسہ ہے اور سردار امانت علی خان، ہمیں انصاف چاہیے، جوان جہان بیٹے کو

دفنا کر آیا ہوں، انصاف چاہتا ہوں، الزام نہ سننے آیا ہوں نہ ہی سنوں گا، ملکوں نے اپنی حدود میں میرے بیٹے کی جان لی ہے اور الزام بھی میرے ہی بیٹے پر لگا رہے ہیں، جبکہ مجھے وجہ نہیں جاننی ملکوں کا خون چاہیے، آنکھ کے بدلے آنکھ، جان کے بدلے جان۔“ سردار سکندر ایکدم ٹھوس دبنگ بے لچک لہجے میں بولے تھے۔

”اور عزت کے بدلے عزت، کیوں ٹھیک کہا نہ میں نے؟“ ملک بلاول بولے تھے اور وہ سب انہیں دیکھنے لگے تھے۔

”بات انصاف کی ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور جان کے بدلے جان کی ہے تو ہمیں اعتراض نہیں، گولی ہماری طرف سے چلی ہے، جان لی گئی ہے مگر بے سبب نہیں، کسی معصوم لڑکی کی عزت بچانے کے لئے ایسا کیا گیا، سردار سکندر کو بیٹے کی موت کا بدلہ لینا ہے تو پہلے عزت پر ہاتھ ڈالنے کا بدلہ عزت پر ہاتھ ڈلوا کر دیں، پھر شوق سے جان لیں۔“ ملک بلاول بہت بڑی بات کہہ گئے تھے سردار غصہ سے کھولتے مارنے مرنے پر تل گئے تھے، پنچائیت کے ممبران نے ہی قابو کیا تھا، معاملہ ٹھنڈا پڑتے ہی پرسکون انداز میں سردار امانت علی خان بولنا شروع ہو گئے۔

”سردار سکندر تم نے بیٹا کھویا ہے، یہ فیصلہ تم پر چھوڑا جاتا ہے کہ تم معاف کرتے ہو خون بہاتے ہو، خون بہا لیتے ہو، مگر خون کا جو سبب سامنے آیا ہے نظر انداز کرنے کے لائق نہیں ہے، گاؤں میں سردار، کی بیٹی ہو، ملک کی بیٹی ہو یا کسی مزارعے کی، بہن بیٹیوں کی عزت سانجھی ہے، الٰہی بخش کی بیٹی کو بلایا جائے گا اس سے تصدیق کی جائے گی، سردار موسیٰ پر لگا الزام وہی لڑکی سچ اور جھوٹ ثابت کر سکتی ہے اور اس سب کی روشنی میں ہی آگے کا فیصلہ ہو گا کیونکہ الزام سچ ثابت ہوا تو سردار موسیٰ مجرم بن جائے گا اور مجرم کی سزا کا تعین ہو چکا ہے اس لئے آپ کو خاموشی اختیار کرنی ہو گی، کہ عزت پر ہاتھ ڈالنے والے کا انجام......“

”سردار امانت علی خان، کچھ کہے بناء تصدیق کے لئے اس لڑکی کو بلائیں۔“ حمزہ سکندر برداشت نہ کر سکا تو تلخی سے بول اٹھا، سربراہ پنچائیت کو اپنی بات کاٹے جانا پسند تو نہ تھا مگر وہ محض اسے گھور کر رہ گئے اور چند ہی منٹوں بعد نوشابہ کالی چادر میں کانپتے ہوئے وہاں چلی آئی اس نے ڈرتے ڈرتے ملک صمد کو دیکھا تھا اسے نگاہ ہی نگاہ میں اس نے بہت کچھ سمجھایا تھا اور وہ سردار امانت علی خان کے قدموں میں بیٹھے سر جھکائے اپنے باپ کو دیکھنے لگی تھی اور باپ کی آنکھوں سے گرتے آنسو، چہرے پر بکھری بے بسی اور تذلیل کی آندھی اس کا تڑپتا وجود و دل لمحے بھر کو سکڑا تھا۔

”ڈرو نہیں لڑکی جو بات جیسے ہے سب کے سامنے بتا دو کہ سردار موسیٰ نے تمہاری عزت پر ہاتھ ڈالا تھا یا نہیں؟“ وہ دبنگ لہجے میں بولے تھے اور اس کی زبان سردار موسیٰ کہتے ساتھ ہی لڑکھڑا گئی تھی اس میں اتنی ہمت نہیں جمع ہو پا رہی تھی کہ وہ اس شخص کو بے آبرو کر دے، سب کے سامنے اسی پر الزام دھر دے جس کے سبب آج آبرو سے تھی، جس شخص نے جان دے کر اس کی عزت بچائی تھی وہ اسی پر الزام نہ رکھ سکی اور جو کچھ اس نے کہا، ملکوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، فخر سے تنی گردنیں جھک گئیں۔

”سائیں تو مجھ پر الزام لگاتی ہے۔“ ملک صمد آپے سے باہر ہوتا نوشابہ کو مارنے کو لپکا تھا جسے بروقت ملک بلال نے جکڑ لیا تھا، وہاں کی فضا یکدم ہی تبدیل ہو گئی تھی، ملکوں کا سارا اطمینان

غارت ہو گیا تھا اور سرداروں کی نگاہ کا مرکز وہ لڑکی بن گئی تھی جوان کے بیٹے کی صداقت بیان کر رہی تھی۔

''میری عزت پر ملک صمد نے ہاتھ ڈالا تھا، سردار موسیٰ نے تو اس وقت وہاں پہنچ کر میری مدد کی تھی۔'' وہ روتے ہوئے تفصیل بتا رہی تھی۔

''ملک صمد نے میری چھوٹی بہن رطابہ کو اغواء کر لیا اور مجھے کہا کہ میں سارا الزام سردار موسیٰ پر ڈال دوں وگرنہ وہ میری بہن اور اماں ابا کو جان سے مار دیں گے، میں نے ملک صمد سے وعدہ کر لیا جھوٹ بولنے کا لیکن میں اس شخص پر بہتان نہیں باندھ سکی جو میری آبرو بچاتے بچاتے جان کی بازی ہار گیا۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی یکدم ہی مجرم بدل گیا تھا جرم مگر وہی تھا۔

''ہم ہمیشہ ہی درمیانی راہ نکالتے آئے ہیں مگر اب پانی سر سے گزر گیا ہے، خون بہا نہیں ہمیں جان کے بدلے جان چاہیے۔'' سردار قاسم پوتے کے قاتل کو دیکھتے ہوئے کڑے لہجے میں بولے تھے اور اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور اجازت پاتے ہی بولنے لگا۔

''جو سچائی الٰہی بخش کی دھی کے ذریعے سامنے آئی ہے میں اس سے آپ سب کی طرح انجان ہی تھا، میں نے سردار موسیٰ کو ادا پر ریوالور تانے دیکھا تو آؤ دیکھا نہ تاؤ اس پر گولی چلا دی، میرا ارادہ قتل کا نہ تھا میں نے محض ادا کی جان بچانی چاہی تھی اور جو بات پنچایت میں بتائی گئی میرے علم میں بھی وہی سب تھا، مگر اب مجھے اپنے عمل پر از حد شرمندگی ہے کہ کیوں میں نے سردار موسیٰ پر گولی چلائی جبکہ وہ ادا کی جان لے لینے میں حق بجانب تھا کہ، سردار موسیٰ کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی ملک صمد کی جان لے لیتا مگر میں نے نہ حالات جاننے کی کوشش کی نہ مجھے کچھ اندازہ ہوا اور میں نے ایک مجرم کو بچانے کے لئے بے گناہ کی جان لے لی، سزا کا حقدار ہوں، سزا سے بچنا نہیں چاہوں گا، ہاں بس اتنا ضرور کہوں گا کہ میں نے جو کیا انجانے میں، ادا کی حفاظت کی نیت سے کیا جبکہ غلط ادا ہی تھے اس لئے ادا کو بھی سزا ملنی چاہیے کہ ادا نے نہ صرف ایک لڑکی کے ساتھ زیادتی کرنی چاہی بلکہ ایک باکردار شخص پر تہمت بھی لگائی۔'' وہ اپنا موقف بیان کر کے چپ کر گیا، سردار قاسم نے بیٹے کو دیکھا آنکھوں ہی آنکھوں میں تبادلہ خیال ہوئے اور وہ بولے۔

''ہم خون بہا لینے کو تیار ہیں مگر ہماری ایک شرط ہو گی۔''

''ہمیں ہر شرط منظور ہے مگر خون بہا کس نوعیت کا ہو گا۔'' کب سے خاموش تماشائی بنے ملک بلاول بولے تھے کہ وہ پہلے ہی جھٹکے سے نہ سنبھلے تھے کہ دوسرا جھٹکا، اکلوتا جوان بیٹا، قتل کر چکا تھا اس کی موت یقینی نظر آ رہی تھی اک روزن جیسے ہی کھلا تو لگا گونگے کو زبان مل گئی۔

''خون بہانے کی نوعیت سردار امانت علی خان جو متعین کریں گے وہ ہمیں منظور ہو گی اور ہماری شرط یہ ہے کہ ملک صمد کو اپنی آدھی جائیداد الٰہی بخش کی دختر کے نام کرنی ہو گی اور اس لڑکی کو اپنے نکاح میں لینا ہو گا۔'' سردار قاسم کے فیصلے پر وہاں موجود ہر شخص کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

کیونکہ کسی کو بھی امید نہ تھی کہ وہ اس کی اور نوشابہ کی شادی کی شرط رکھیں گے، ملک صمد بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''بیٹے کی موت نے دماغ خراب کر دیا ہے تمہارا، میں اس کی کمین عورت سے نکاح کروں گا، اس کی اتنی اوقات ہے؟'' سب کی طرح ساکت کھڑی نوشابہ کو اس نے خونخوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے نفرت وحقارت سے کہا تھا۔

''اس کی اوقات تم سے بہتر کون جانتا ہو گا ملک صمد، اس کی کمین عورت کی عزت لوٹتے تمہیں اپنے حسب نسب کا خیال نہ تھا، عزت بناتے حسب نسب یاد آ رہا ہے، سردار امانت علی خان یہی ہماری شرط ہے جس لڑکی کی عزت بچاتے بچاتے ہمارا بیٹا جان کی بازی ہارا ہے ہمیں اس کو عزت دینی ہے، تحفظ لوٹانا ہے اور اگر ملک نہیں راضی تو ہم خون بہا لینے کو تو تیار ہیں ملک صمد کو گاؤں کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کے جرم میں سنگسار کرنا پڑے گا اور یہ گاؤں کی اور گاؤں کی بہن بیٹیوں کی عزت کی بقاء کے لئے بہت ضروری ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر دفعہ سردار موسیٰ اور اس جیسے لوگ معصوم عزت کو پامالی سے جان دے کر بچا لیں۔'' سردار سکندر نے ملک صمد کے لئے بچاؤ کی کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی اور وہ راضی تو نہ تھا مگر ملک بلاول دوسری کوئی راہ نہ پاتے ہوئے مجبور ہو گئے تھے، سردار سکندر کی شرائط پر وہیں پنچایت میں نوشابہ کا نکاح ملک صمد سے ہو گیا تھا اور خون بہا کے بدلے ملک اسد کی بہن کا نکاح بھی سردار موسیٰ کے بھائی سے ہو گیا تھا حمزہ سکندر نے کسی بھی جذبے کے بغیر انتقام کی آگ میں نکاح نامے پر دستخط کیے تھے اور وہ جو شہر جانے کی مکمل تیاری میں تھی، اسے کچھ بھی بتائے بغیر نکاح نامے پر سائن کروائے گئے تھے کہ وہ نہ وہاں کے رواج جانتی تھی نہ اسے کسی نے بتائے، ملک بلاول نے ہاتھ جوڑ کر نکاح نامے پر اس سے دستخط کرنے کو کہا اور اس نے باپ کے جڑے ہاتھ دیکھ بنا ایک سوال کیے سائن کر دیے اس گھمنڈی، مغرور شخص کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''اسد کے لئے میں نے آج تمہیں قربان کر دیا ہے، تمہاری زندگی بے حد مشکل ہونے والی ہے، بہت سی تکلیفیں منتظر ہیں تمہاری، مگر اس باپ کو معاف کر دینا جس نے وارث کے لئے نام کے لئے، اپنی نسل کی بقاء کے لئے جانتے بوجھتے بیٹی کو کھائی میں دھکیل دیا ہے۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھے بولے تھے وہ ان کی کوئی بات نہیں سمجھی تھی مگر وقت نے سمجھا دینی تھیں اور کچھ دیر بعد اسی ہلکے کاٹن کے گلابی پرنٹڈ سوٹ میں سرداروں کی حویلی سے آئی دو ملازماؤں کے ساتھ اسے رخصت کر دیا گیا تھا، نہ مہندی لگی تھی، نہ شہنائی بجی تھی، نہ سرخ جوڑا پہنا، نہ ماں کی دعائیں تھیں، نہ خوشی کا احساس تھا اور وہ الجھے ہزار سوال لئے سرداروں کی حویلی آ گئی اور اسے دیکھ کتنی ہی عورتیں چیل کی طرح اس پر جھپٹی تھیں کوئی مار رہا تھا کوئی کوسنے دے رہا تھا اور وہ اپنا تصور تک نہیں پوچھ سکی تھی، ذلت آمیز استقبال کے بعد اسے بتا دیا گیا تھا کہ اس گھر میں اس کی حیثیت نوکرانی کی ہو گی، حمزہ سکندر سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو گا اور پورے دو سال جس شخص کے نام نہاد ہی سہی حوالے سے آئی تھی انجان ہی رہی تھی، وہ ملازماؤں کے ساتھ ہی رہتی، سوتی تھی اور اس نے دھیرے دھیرے وہ کام کرنا سیکھ لئے تھے جنہیں کرنے کی کبھی آرزو دل میں مچلا کرتی تھی، رضیہ اس کی شادی کا سن تڑپ ہی تو اٹھی تھی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے وہ سرداروں کی حویلی جتنی بار بھی آئیں، ہاتھ جوڑ کر بھی نامراد ہی لوٹیں۔

☆☆☆

حمزہ سکندر سے اول تو اس کا دو سالوں میں سامنا ہی نہ ہونے کے برابر ہوا اور جب ہوا اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اور وہ بہت کچھ پوچھنے کی چاہ میں ایک لفظ بھی نہ پوچھ سکی تھی اور دو سال مشقت بھری اذیت ناک زندگی

گزارتے گزر گئے تھے اور اس کی نام نہاد شادی کو دوسرا سال تھا جب حویلی میں حمزہ سکندر کی شادی کا شور اٹھا تھا اور اس کی اکلوتی پھپھو کی اکلوتی بیٹی اس کی بیوی بن کر آ گئی تھی، اس نہ خوش فہمی تھی نہ کوئی امید ہی باقی تھی کہ ان لوگوں سے تو کوئی امید باندھی بھی نہ تھی مگر اس کے باوجود بھی حمزہ سکندر کی شادی نے اسے خون کے آنسو رلا دیا تھا اور یوشی کے ساتھ سندس کا بیٹھنا، ہنسنا مسکرانا اس کے دل کی تکلیف بڑھنے لگی تھی کہ وہ کچھ نہ ہو کر بھی اسے اپنا بہت کچھ لگا کرتا تھا اور یہ اس کے ساتھ ہوئے ظلم کا جواب تھا یا ان کی خوشیوں کو اس کی آہ یا نظر لگی تھی کہ سندس کا نہ صرف مس کیرج ہوا تھا، وہ ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی تھی اور فقط گیارہ ماہ بعد ہی حویلی میں دوبارہ حمزہ سکندر کی شادی کا غلغلہ اٹھا تھا کیونکہ سردار قاسم بیمار تھے اور وہ اپنے پوتے کی اولاد دیکھنا چاہتے تھے، دوسری شادی کی بات چلی تو سندس نے اپنے مفاد کے لئے ایک ایسی بات کی تھی جسے حویلی کے مکین ماننے کو تیار نہ تھے اور حمزہ سکندر تو یوں بھڑکا تھا کہ سندس بھی حیران پریشان رہ گئی تھی کیونکہ اس نے یوشی کا بچپن سے ہی نرم روپ دیکھا تھا اور شادی کے ایک سال بعد ان کی پہلی لڑائی ہوئی تھی جو اتنی بڑھی تھی کہ یوشی نے کبھی جس سے سخت لہجے میں بات نہ کی تھی طمانچہ دے مارا تھا اور دوبارہ وہ بات نہ کرنے کا حکم صادر کر دیا تھا مگر وہ یوشی کا ردعمل دیکھ کر تو اور بضد ہو گئی تھی اور اس نے نانا سے خود بات کی تھی کہ اس میں اس کا مفاد تھا اسے لگتا تھا کہ جو اوقات شاہ تاج کی اس وقت ہے وہ ساری زندگی رہے گی، یہاں تک کہ حویلی کو وارث دینے کے بعد بھی کہ کوئی اسے قبول کرے گا ہی نہیں، جبکہ کوئی اور لڑکی یوشی کی بیوی بن کر آئے گی تو سندس کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ جائے گی، وہ حویلی کو وارث دے کر حویلی والوں کے لئے اہم بن جائے گی اور وہ حویلی کے لئے ناکارہ حیثیت اختیار کر جائے گی اس لئے اس نے خود کو ناکارہ بنانے سے بہتر حمزہ کی پہلی بیوی کو اس کا مقام دلانا چاہا تھا اسی میں اس کو اپنا مفاد نظر آیا تھا، اس نے اور اس کی ماں نے سردار قاسم سے نہ جانے کس طرح اور کیا بات کی تھی کہ وہ ان کے حامی بن گئے تھے اور ان کی راضی ہونے کے بعد کسی کو بھی بولنے کا اختیار نہیں رہا تھا، یہاں تک کہ حمزہ کے تمام اعتراضات تمام نفرت ذہن و دل میں ہی دبی رہ گئی تھی اور وہ ملازماؤں کے کمرے سے اٹھا کر اپنے مفاد کے لئے حمزہ سکندر کی خواب گاہ میں پہنچا دی گئی تھی، حمزہ گھر والوں کے فیصلے سے آگاہ تھا مگر اس نے اسے نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا اور اس کی جتنی تذلیل کر سکتا تھا کی تھی۔

”تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری آزمائش ختم ہو گئی، تم میرے لئے غیر اہم تھیں اور ہمیشہ رہو گی، تمہارے ناپاک وجود سے نہ مجھے کل کوئی دلچسپی تھی نہ آج ہے، نہ آئندہ ہو گی، اپنے سائے کو بھی مجھ سے دور رکھنا سمجھیں اور اس کمرے کی بات اس کمرے سے نکلی تو جان سے مار دوں گا۔“ دادا کے سامنے بے بس ہو گیا تھا مگر ساری کمزوری و بے بسی اس کے سامنے ہوا ہو گئی تھی اور وہ جو سمجھی تھی کہ آزمائش ختم ہوئی نئی آزمائش میں ڈال دی گئی تھی، ان سب کا رویہ بہتر نہ ہوا تھا مگر لالچ کے سبب اس میں دراڑیں پڑ گئی تھیں اور چند ماہ میں ہی اس سے جو سوال کیے جا رہے تھے اس کا جواب اس کے پاس نہ تھا وہ تھی اور اس کی خاموشی بے بسی تھی اور جب اس کی خاموشی ٹوٹی تھی تو وہ حمزہ سکندر کو گونگا بنا گئی تھی۔

حویلی میں خوشگوار ہلچل سی تھی وہ اپنے اور

سندس کے مشترکہ کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اس کے اور شاہ تاج کے کمرے سے یوشی کی ماں نکلی تھی اور وہ ماں کی آواز پر رکا تھا اور انہوں نے اس کی پیشانی چوم کر مبارکباد دے ڈالی تھی، حویلی کی تمام عورتیں مسکرا رہی تھیں اور وہ ساکت کھڑا تھا یوں کہ کاٹو تو بدن میں لہو کی ایک بوند نہیں اس کی وہ حالت تھی اور اس کی حالت سے وہ سب انجان مبارکباد دے رہے تھے، سردار قاسم نے مٹھائی کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھایا تھا جسے اس نے کھانے کی بجائے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

”دادا سائیں میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ سب کو حیران چھوڑ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا، کمرے میں آیا تو وہ بیڈ پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی اور اسے دیکھ کر جیسے اس کے تن مردہ میں جان پڑ گئی تھی اور وہ تیر کی تیزی سے اس تک پہنچی۔

”حمزہ! سب غلط سمجھ رہے ہیں، آپ جانتے ہیں نہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔“ بخار چکر، وومیٹنگ سے اس کا برا حال تھا اور حویلی کی کم عمر ملازمہ اس کی واحد خیر خواہ نے اس سب کا دوسرا ہی مطلب اخذ کیا اور حمزہ سکندر کی ماں سے کہہ دیا اور جس پل وہ اس کے کمرے میں آئیں اس کی حالت دیکھ انہوں نے پوری حویلی میں خوشخبری کا شور اٹھا دیا تھا، اپنے اندازے کی ڈاکٹر سے تصدیق تک کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی، جبکہ وہ ہر معاملے کی طرح اس معاملے میں بھی ایک لفظ نہیں بولی تھی کہ اس کی وہاں کوئی سن بھی نہیں رہا تھا، کچھ ہی گھنٹوں میں وہ بہت اہم ہو گئی تھی اس سے مخاطب تک نہ کرنے والی عورتوں نے نظر اور بلائیں اتاری تھیں، خاندانی کپڑے و زیورات دیے تھے اور وہ ان کے اہمیت دینے پر نہیں اس بات کو لے کر پریشان تھی جو سرے سے نہ تھی مگر کسی کی غلط فہمی دور نہ کر پائی تھی اور یوشی کے آنے کی دعا کرنے لگی تھی تا کہ اصل بات سب کے علم میں آ سکے۔

”ہاں میں جانتا ہوں وہ بھی جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو کبھی سامنے نہیں لانا چاہا تھا اور جب سچائی سامنے آ گئی تو اپنے گناہ پر، پردہ ڈالنے کی تمہیں کیا ضرورت ہے، میں تو ہوں ہی ایک بے غیرت شخص ایک بدکردار عورت کو اپنی چھت تلے رکھ سکتا ہوں، پھر اسے کمرے میں رکھ سکتا ہوں، صرف اپنی عزت کے لئے، تماشا نہ بننے کے ڈر سے، تو دنیا کے سامنے اٹھے سر کو اٹھے ہی رہنے دینے کے لئے، صرف عزت بنے رہنے کے لئے تو میں اپنی بیوی کی ناجائز اولاد کو نام بھی دے سکتا ہوں۔“ وہ بڑے پرسکون لہجے میں بولا تھا مگر اس کے پیروں تلے سے تو زمین ہی سرک گئی تھی۔

”یہ...... یہ...... آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ گہری کھائی سے گویا اس کی آواز نکلی تھی اور اس نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا تھا۔

”اس سادگی پہ کون نہ مر جائے لیکن اپنے ڈھونگ اپنے پاس رکھو، جب سے تم اپنا ناپاک وجود میرے گھر میں لے کر آئی ہو میں صرف اپنی اور خاندان کی عزت کی خاطر چپ رہا، آگے بھی تماشائی بنے رہنے کو تیار ہوں، تمہارے داغ اپنی عزت کی چادر میں ڈھانپنے کو تیار ہوں تو فضول کا ڈرامہ چہ معنی دارد۔“ وہ اب بھی ٹھنڈے بے لچک لہجے میں بولا تھا اور بیڈ کی طرف بڑھا تھا کہ وہ اس کا بازو تھام گئی تھی اور وہ اس کی اتنی جرأت پر اسے دیکھنے لگا اور بھڑک کر کچھ کہتا کہ وہ بول پڑی۔

”آپ کیا بول رہے ہیں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا، میں نے کسی سے کچھ نہیں چھپایا۔

ہے، نہ میں نے ایسے کوئی گناہ کیے ہیں جنہیں چھپانے کی نوبت آتی، آپ کے گھر والوں کو تو خیر غلط فہمی ہوئی ہے آپ اسے سچ مانتے ہیں تو بے شک جو ٹیسٹ کروانا چاہیں کرالیں اور یہ یاد رکھیں، قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی بہت سن لیا، مگر اب مزید نہیں سنوں گی۔'' وہ خود ہی اپنا ہاتھ کھینچتی چٹانوں سے سخت لہجے میں بولی تھی۔

''بدکردار کو بدکردار نہ کہوں تو پھر کیا کہوں پارسا، باکردار عورت۔'' وہ کل رات سے اس کی باتوں میں الجھا ہوا تھا اور وہ الجھن و شرساری گھر آتے ہی مٹ گئی تھی، وہ اس کی بات پر چونکا ضرور مگر اس پر تو شک کا بھوت سوار تھا، سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور پھر سے طنز سے بول گیا۔

''میں بدکردار ہوں تو لائیے میری بدکرداری کا کوئی ثبوت، کہ مجھ پر تو پچھلے تین سالوں میں آپ نے بھروسہ نہیں کیا آج کیا کریں گے اور آپ کو لگتا ہے کہ میں پریگنٹ ہوں تو چیک کرلیں ڈاکٹر ہیں نہ آپ، ورنہ ڈاکٹروں کی دنیا میں کمی بھی نہیں ہے، الزام نہ لگائیں مجھ پر کہ ساری تکلیفیں برداشت کرسکتی تھی، بدکردار ہونے کا لیبل برداشت نہیں کرسکتی اور آپ مجھ پر بدکرداری کا لیبل لگا کررہے ہیں۔''

''ہاں تو وہ ملک صمد تمہارا کیا لگتا ہے۔''

''ملک صمد۔'' وہ زیرلب نام دہرا کر الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں ملک صمد جس کے ساتھ تم نے اچھا برا وقت گزارا، تمہارا ناپاک وجود خون بہا میں میرے نام کردیا گیا، جبکہ میں تم جیسی عورت کے ساتھ رہنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں، مگر توہین برداشت کی کس سے کہتا کہ خون بہا میں جو عورت مجھے ملی ہے وہ ایک برتی ہوئی عورت ہے۔''

''چٹاخ! میں خاموش ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کا جو دل چاہے گا وہ مجھے کہیں گے میں ملک صمد سے بات کرنا گوارا نہیں کرتی تھی اس کے ساتھ وقت گزاروں گی، لعنت ہے مجھ پر اور آپ کی اس سوچ پر۔'' وہ غصہ کی لپیٹ میں بہت بڑا قدم اٹھا گئی تھی۔

''ذلیل عورت اب اپنا جرم، اپنا گناہ چھپانے کو تم مجھے جھوٹا کہو گی۔'' اس کا منہ حمزہ سکندر نے تھپڑوں سے سرخ کرڈالا تھا۔

''ہاں ہیں آپ جھوٹے، مجھ پر بہتان باندھ رہے ہیں، ہیں سچے تو لائیے میرے گناہ کا ثبوت۔'' وہ کسی بھی بات کی پرواہ کیے بغیر غصہ سے چیخی تھی۔

''ثبوت کی بات کرتی ہو، جس کے ساتھ منہ کالا کرتی رہی ہو اس نے خود مجھ سے کہا تھا کہ تم اس کی......'' وہ لفظ ادا نہیں کرسکا تھا اور اس کی گردن اپنی گرفت سے آزاد کردی تھی۔

''وہ جھوٹ بولتے ہیں، انہوں نے آپ سے جھوٹ کہا تھا میں ایسی نہیں ہوں، میں جب سے میں حویلی آئی تھی وہ مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے، اس شام جب میں آپ سے بات کررہی تھی وہ آپ کے سامنے کتنی بدتمیزی سے مجھے اپنے ساتھ لے گئے تھے، انہوں نے بابا سے کہا تھا کہ میرا آپ سے افیئر چل رہا ہے، تب ان کی بہتان باندھتی زبان کو لگام ڈالنے کے لئے میں نے انہیں تھپڑ مارا تھا، انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھ سے میرا سارا غرور چھین کر ہی دم لیں گے اور اس کے اگلے دن ہی میرا آپ سے آناً فاناً نکاح ہوگیا، انہوں نے آپ سے کیا کہا میں نہیں جانتی اور نہ ہی میرے پاس اپنی باکرداری کا ثبوت ہے، میں جانتی ہوں اور میرا اللہ، میں آپ کو یقین نہیں دلاسکتی کہ میں ناپاک گناہگار وجود کے

ساتھ آپ کے نکاح میں نہیں بندھی، میرا ملک صمد سے کوئی تعلق نہیں ہے، میری گواہی صرف میرے اللہ کے پاس ہے اور میں اپنے اللہ اور رسول کی اس پاک کتاب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتی ہوں کہ میں بدکردار نہیں ہوں، ملک صمد سے میرا کوئی اچھا برا تعلق نہیں ہے۔'' اس نے حمزہ سکندر کو کچھ کہنے کرنے کا مزید موقع دیا ہی نہیں، روتے ہوئے اپنی صفائی میں جتنا کہہ سکتی تھی کہا تھا، سچائی اس کے لفظوں میں ہی نہیں اس کی شفاف آنکھوں سے بھی بیان ہورہی تھی اور بہ حیثیت مسلمان اس کا اٹھایا ہوا قدم حمزہ سکندر کو ساکت کرگیا تھا اور وہ اب اسے دیکھ رہا تھا جس نے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر اپنے سچے و بے گناہ ہونے کا یقین دلانا چاہا تھا، قرآن پاک سینے سے لگائے سسک رہی تھی۔

''میں گناہ گار، بدکردار سب کچھ ہوسکتی ہوں اللہ کی اس پاک کتاب کو گواہ بنا کر نہ جھوٹ بول سکتی ہوں نہ میں نے بولا ہے، آپ مجھ پر یقین نہیں کرسکتے حمزہ سکندر مگر اس کتاب پر تو یقین رکھ سکتے ہیں تو میرا بھی یقین کرلیں کہ اس پاک کتاب کو گواہ بنا کر آپ سے میں نے جھوٹ نہیں بولا، اللہ اور اس کے رسول کی گواہی جھوٹی نہیں ہوسکتی۔'' کمرے میں اب صرف اس کی ہچکیاں و سسکیاں ہی گونج رہی تھیں وہ کافی دیر شرمندہ سا کھڑا رہا، پیشانی سے عرق ندامت پونچھتا، اس تک پہنچا، اس کے ہاتھ سے قرآن پاک لے کر چوم کر اس کی جگہ پر حفاظت سے رکھ دیا اور گھٹنوں کے بل وہیں زمین پر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تین سال کسی کو نفرت سے دھتکارنے اور اس پر انگلی اٹھانے کے لئے کم نہیں ہوتے، میں تمہیں نہیں جانتا تھا مگر میں نے تمہیں وہ سمجھ لیا جو ملک صمد نے مجھے بتایا، ملک صمد نے چاہت کے

فیصلے اور نکاح کے بعد مجھ سے کہا کہ تمہارے اور اس کے غلط قسم کے تعلقات ہیں، میں نے یقین کرلیا، تمہیں چھوڑ نہیں سکتا تھا نہ یہ بات زبان سے نکال سکتا تھا، ہاں تم سے تصدیق کرسکتا تھا، مگر میں نے نہیں کی، اس کے باندھے بہتان کی روشنی میں تم سے نفرت کی، تم سے بے انتہا نفرت کی، تمہیں غلط و بدکردار سمجھ کر تمہیں تذلیل کے قابل جانا اور صبح و شام تمہاری تذلیل کی، تین سال سے تمہیں غلط سمجھ کر تمہارے خلاف ذہن و دل میں عداوت رکھی، اس حویلی میں ہونے والے ظلم کو بھی درست جانا کہ مجھے لگتا تھا کہ تم اس سے زیادہ کی سزاوار ہو، میں تو وہ شخص تھا جس نے ہمیشہ انصاف کی بات کی تھی مگر تمہیں انصاف نہ دلا سکا، تم اس حویلی کی بہو تھیں، میں نے نوکرانی بن جانے دیا، میں سوچتا تھا کہ اس زندگی پر بھی تمہاری جیسے گناہگار عورت کا حق نہیں ہے تمہارا قتل تو واجب ہو چکا ہے، اس لئے اس طرح زندگی گزارنا ہی تمہاری سزا ہے، ورنہ یہ میں ہی تو تھا جس نے ادا اجمل کی بیوی کو حویلی میں ان کا حق و مقام دلایا تھا جبکہ ادا اجمل کی بیوی بھی خون بہا میں ہی آئی تھی، مگر میں اس عورت کے حق کے لئے لڑا تھا، کامیاب بھی ہوگیا تھا، مگر بھرجائی کی زندگی نے ہی وفا نہ کی، اور میں لیکن تمہارے اپنی بیوی کے حق کے لئے آواز اٹھانا ہی نہیں چاہتا تھا کیونکہ میری نگاہ میں میری بیوی بدکردار تھی اور جب دادا سائیں کے فیصلے پر تم میرے کمرے میں پہنچائی گئی تھیں اس شب سے آج کچھ گھنٹوں قبل تک کی اذیت لفظوں میں بیان کرنے لگوں تو جس کرب میں میں گزرتا رہا ہوں، میں نہیں کہتا بہت متقی پرہیزگار، برائیوں سے مبرا، نیکی کا پتلا ہے، ہاں حمزہ سکندر سب کچھ ہوسکتا ہے بدکردار

[illegible]

اور ایمان کی سلامتی کے لئے حمزہ سکندر نے حیا کو ہمیشہ سلامت رکھنے کی کوشش کی اور اللہ نے مجھے کامیاب بھی کیا اور میری آزمائش مجھے بھٹکا کر نہیں کی گئی، بلکہ میری بیوی کو بھٹکا ہوا پیش کر کے کی اور میں نہ جانے کس لمحے سے حیا کے راستے پر چلتے چلتے اس پر چلتے رہنے پر خدا کا شکر ادا کرنے کی بجائے زعم میں مبتلا ہو گیا اور وہی زعم مجھے لے ڈوبا، مجھے اپنے باحیا ہونے پر فخر تھا مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تھی، اچھائی کا تقاضہ تو یہ تھا کہ میں لوگوں کو برائی سے روکنے کی کوشش کرتا بلکہ میں تو بے حیاؤں کے خلاف عناد پال کر بیٹھ گیا، جبکہ نفرت گناہ کے مرتکبین سے نہیں گناہ سے کی جاتی ہے، جبکہ میں نے برے کو اس کی برائی بتانے اور روکنے کی کوشش بھی نہ کی، میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے راستے پر تو کبھی چلا ہی نہیں اور میں سزا دینے والا کون ہوتا تھا؟ تم بدکردار تھیں بھی تو اللہ کی گناہگار تھی نہ میں کیوں تمہیں سزا دیتا رہا؟ اور میں کیسے خود ہی سارے فیصلے کرتا گیا؟ مجرم تھیں تم تو خدانخواستہ تمہیں ایک بار تو صفائی کا موقع دینا چاہیے تھا، لیکن میں نے نہیں دیا، کسی پر بہتان باندھنا کتنا سخت گناہ ہے اور میں سمجھتا رہا کہ میں نیکی کے راستے پر چل رہا ہوں مگر نہیں ایک پاکباز عورت پر بہتان باندھ کر میں گناہگاروں کی صف میں شامل ہو گیا، کوئی مجھے جھوٹا کہے تو مجھے برداشت نہیں ہوتا اور میں تمہیں چیخ چیخ کر بدکردار کہتا رہا کس بنیاد پر؟ ثبوت کیا تھا میرے پاس؟ کچھ بھی نہیں، میں نے تم پر ہی نہیں خود پر بھی ظلم کیا ہے، تمہیں وہ سمجھا جو تم نہیں تھیں، میں نے تمہیں شک کی نگاہ سے دیکھا تمہیں بدکردار سمجھا اور کہا، میں معافی کے لائق نہیں ہوں، شاہ تاج لیکن مجھے معاف کر دو، مجھے معاف کر دو شاہ تاج مجھے معاف کر دو۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر روتا اس کے سامنے دو زانوں بیٹھ گیا۔

"میں تمہیں برا کہتا سمجھتا رہا، اللہ سے شکوے کرتا رہا کہ میرا نکاح ایسی لڑکی سے کیوں ہوا جو میرے لائق نہ تھی، میں اپنی اچھائی کے زعم میں رہا کاش کہ میں آنکھیں اور ذہن و دل کھول کر ہر چیز و بات کا معائنہ کرتا تو حقیقت مجھ پر کھل جاتی تین سال صرف تم نہیں لیکن میں بھی اذیت میں رہا ہوں تم اپنے بے قصور ہونے کی سزا جھیل رہی تھیں اور میں تمہیں سزا دینے کی چاہ میں خود کو سزا دیتا رہا، کاش کہ میں سچائی جاننے کی کوشش کرتا۔"

"سچائی جاننے کی آپ کوشش جب کرتے جب آپ کو یقین ہوتا کہ وہ جھوٹ بھی ہو سکتا ہے۔" اس کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"ہاں مجھے ملک صمد کے کہے پر یقین تھا، تمہارے روز و شب نے بھی جس پر دراڑ نہیں ڈالی، میری آنکھوں پر شک کی پٹی بندھ گئی تھی، میں نے تمہارے ساتھ......"

"آپ نے میرے ساتھ بہت غلط کیا ہے، میری ذات میرے پندار، میری نسوانیت کے غرور کے تنکے سے بھی ہلکا کر دیا ہے، تین سال میں نے جس اذیت میں گزارے ہیں میں جانتی ہوں یا میرا اللہ اور میں ان تین سالوں کی اذیت بھلا سکتی ہوں، مگر وہ ایک لمحہ بھی مجھے نہیں بھول سکتا جب آپ نے مجھے بدکردار سمجھا، کہا نہیں تھا نہ لیکن آپ کے رویے سے میں نے اپنے لئے نفرت سے زیادہ حقارت محسوس کی تھی اور وہ حقارت مجھے نہیں بھول سکتی، معاف کرنے کا اختیار اس کے پاس ہوتا ہے جو با اختیار ہو، مگر میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، ماں نے بڑی حفاظت سے پالا، میرا باپ مجھے میری ماں سے

چھیننے میں کامیاب ہو گیا کہ میری ماں کمزور تھی اور باپ با اختیار اور میرے باپ نے بیٹے کی زندگی، نسل کی بقاء کے لئے مجھے ناکارہ سامان کی طرح رخصت کر دیا، میں کمزور تھی حق تک کا استعمال نہ کر سکی اور لب سیئے بابل کی دہلیز پار کر لی، سسرال میں نوکرانی بنا دی گئی کہ قاتل کی بہن کو اتنی تو سزا ملنی ہی چاہیے کہ وہ اپنے جائز حقوق اور عزت و مان سے بھی محروم رہے، میں نہ بھی کمزور تھی نہ اس لئے محرومی میں تین سال بسر کیے، مگر با اختیار لوگوں نے نسل کی بقاء کے لئے خیرات میں مجھے میرے جائز حق دینا چاہے، مگر میرا شوہر انکاری ہو گیا کہ اس کی نظر میں، میں بدکردار تھی اور وہ ایک بدکردار عورت کو اپنی نسلوں کی آبیاری نہیں سونپ سکتا تھا، مگر وہ با اختیار شخص یہاں مجبور تھا کہ وہ بیوی کی بدکرداری کی داستان لب سے کہہ نہیں سکتا تھا کہ اسے اپنی نام نہاد عزت سکون سے زیادہ عزیز تھی، بے سکون رہا، اذیت میں رہا مگر بیوی کو آزاد نہیں کر سکا اور میں تو ہوں ہی ازل سے کمزور، نہ رشتے میں مرضی سے بندھی نہ الگ ہو سکتی ہوں، کہ جیسے آپ کسی کے سامنے یہ نہیں کہہ سکے تھے کہ آپ کی بیوی بدکردار ہے، میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ میرا شوہر مجھے بدکردار سمجھتا ہے اسے میری پاکیزگی پر شک ہے، ہم سب اپنے اپنے طور پر مجبور ہیں، کمزور و بے بس ہیں، معاف کرنے کا اختیار تو جب ہوتا میرے پاس جب مجھے دوسرا راستہ نظر آ رہا ہوتا، معاف کروں تو یہیں رہوں گی، نہ کروں تو یہیں رہوں گی، اس لئے معافی رہنے دیں اور مجھے کچھ وقت دے دیں تاکہ نئی اذیتوں کو جھیل لوں، فراموش نہ کر سکوں، بھولنے کی کوشش ہی کر دیکھوں، کہ کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں ہے، نہ معاف کرنا نہ بھولنا، ہاں کوشش کر سکتی ہوں اور

جس دن اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی، آپ کو معافی خود بخود مل جائے گی، مگر مجھے تو انتظار کرنا ہو گا کہ تین سالوں کی اذیت تین لمحوں میں مٹ نہیں سکتی۔" اس نے آنسو رگڑے تھے اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تین لمحے نہیں میں تین صدیاں انتظار کر سکتا ہوں کہ غلطی بہر حال مجھ سے ہوئی ہے، تم سزا دینے میں حق بجانب ہو اور میں انتظار کے ریپر میں لپٹی سزا کو قبول کرتا ہوں اور کوشش کروں گا کہ سزا کی مدت پوری کر سکوں جب تک تم چاہو اور میں وعدہ تو نہیں کرتا مگر تمہارے یہ دکھ اور اذیت کے مداوے کی تمہارے کھوئے ہوئے مان اور عزت اور مقام کو تمہیں لوٹانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا کہ سزا صرف تم نے نہیں میں نے خود اپنے لئے منتخب کی ہے کہ میں تمہاری آنکھوں سے گر کر زندہ رہ سکتا ہوں مگر اپنی آنکھوں سے گر کر نہیں اور آج میں اپنی ہی نگاہوں سے گر گیا ہوں اور تب ہی اٹھ سکوں گا جب تمہیں تمہارے مقام و حیثیت کے مطابق دنیا کی نظروں میں اپنی اور تمہاری نظروں میں اٹھا دوں گا۔" وہ آنسو پونچھتا کھڑا ہوا تھا اور ایک نئے عزم سے بولا تھا، اس نے حمزہ سکندر کی طرف دیکھا۔

"وہ مقام جو آپ اب مجھے دلانا چاہتے ہیں اس کی چاہ نہیں ہے مجھے کہ کنول کیچڑ میں کھل کر بھی کنول ہی رہتا ہے، سلوک میرے ساتھ جو بھی ہو، سمجھا کچھ بھی جائے مگر میرا مقام اس حویلی میں بہو اور بیوی کا ہی رہے گا، جیسے کیچڑ بھی کنول پر اثر انداز نہیں ہوتا، میری حیثیت کسی کی سوچ اور رویے سے متاثر نہیں ہوتی کہ نوکرانیوں جیسی زندگی گزارنے کے بعد بھی میں اس حویلی کی بہو ہی کہلاتی ہوں، ہاں مجھے اس بات سے فرق پڑتا ہے کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں کہ آپ کے بدکردار سوچنے سے میں بدکردار ہو گئی نہیں مگر یہ الزام برداشت بھی نہیں ہوتا کیونکہ جسم کی تکلیف تو برداشت ہو جاتی ہے لیکن روح کی تکلیف نہیں ہوتی، آپ کی آنکھوں میں آپ کے رویے میں مجھے جس دن بے اختیاری یا اعتباری نظر آ گئی تو میں سمجھوں گی کہ کنول کھل گیا ہے، ورنہ سمجھوں گی کیچڑ میں کھلنے والا کنول اپنی الگ پہچان رکھتے ہوئے بدنصیبی کا شکار ہو کر کھلنے کی بجائے مرجھا گیا ہے اور یہ اب آپ پر منحصر ہے کہ کنول کو اس کی پہچان ہی رہنے دیتے ہیں یا نہیں۔" وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے خود اعتمادی سے بولی تھی۔

"ہاں ٹھیک کہا، مگر کنول مرجھا کر بھی کنول رہتا ہے جیسے تم میری سوچوں کے برعکس جو تھیں وہیں رہیں اور میں انشاء اللہ اس کنول کو مرجھانے نہ دوں گا اور یہ اپنی انفرادیت کے ساتھ ضرور کھل کر رہے گا اور یہ دعویٰ نہیں یہ وقت ثابت کرے گا کیونکہ تمہاری زندگی کی رات ختم ہو گئی ہے شاد تاج اور روشن سویرا بانہیں پھیلائے تمہیں خوش آمدید کہہ رہا ہے۔" اس نے اس کے چہرے کو نظر بھر کر دیکھا تھا جہاں سادگی اور بھولپن، پاکیزگی اور نور رچا تھا جسے وہ دیکھ نہیں سکا تھا کہ بعض دفعہ سامنے کی نمایاں چیزوں کے لئے بھی مائیکرو اسکوپ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اس کو دیکھ کر مسکرا دیا تھا مگر وہ مسکرا نہیں سکی کہ ابھی اس کا اعتبار لوٹا نہیں ہے، مگر وہ وقت دور نہیں ہے جب اس کا اعتبار لوٹے گا اور اس کا انتظار ختم ہو گا اور زندگی بہاراں بن جائے گی کہ خزاں کے بعد بہار کو آنا ہی ہے۔

☆☆☆

”مجھے لائف میں ہمیشہ سیکنڈ ہینڈ چیزیں ہی ملیں ہیں، ایک جوتے سے لے کر انسانوں تک، استعمال شدہ ریجیکٹڈ انسان ہی میرے حصے میں آتے ہیں، ماں کے خالص رشتے کے علاوہ، ماں کے مرنے کے بعد جب میں سوتیلی ماں کے پاس آئی تو میں سمجھتی تھی کہ اب پاپا مجھے سنبھال لیں گے، مگر پاپا کے پاس تو پہلے سے ہی عزہ تھی میں کہاں انہیں نظر آتی، وہ گول مٹول سی، نیلی آنکھوں والی میری ہم عمر لڑکی عزہ احمد میرے پاپا کی کل کائنات تھی تو بھلا مجھ جیسی عام سی شکل و صورت والی لڑکی پر ان کی نگاہ کیسے پڑتی، بچپن میں اس کے ٹوٹے کھلونے ملتے، مما اس کے لئے مزے مزے کے کھانے بناتیں وہ چھوڑ دیتی تو وہ مجھے مل جاتے، اس کی اترن مجھے ملتی، پھر جب سکول داخل ہوئی تو کیونکہ وہ مجھ سے آگے تھی، تو اس کی کتابیں مجھے ملتیں، ماں کی بیماری کی وجہ سے میں پانچ سال کی ہونے کے باوجود سکول داخل نہیں ہوئی تھی، یہ تو پاپا کی مہربانی تھی کہ انہیں اس کا خیال آ گیا، یوں وقت بڑھتا چلا گیا، مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا پر کیا کرتی یہ میری مجبوری تھی اور اب بھی مجھے اسی گھر میں رہنا ہے اور اس لئے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے، ابھی پرسوں ہی پاپا نے مجھے گریجویشن کرنے پر کار دی ہے دراصل عزہ کو نئی کار پسند آ گئی تھی تو وہ مجھے مل گئی۔“ اس نے ڈائری بند کر دی وہ لکھتے لکھتے تھک گئی تھی آج نجانے کیوں اس کا دل بھرا رہا تھا وہ ڈائری لے کر بیٹھی تو پھر لکھتی چلی گئی۔

”سیرت یہ ذرا عزہ کے کپڑے استری کر دو، اور یہ سوٹ تم رکھ لو، عزہ تو اسے ماسی کو دینے لگی تھی، حالت اچھی تھی اس لئے میں نے تمہارے لئے نکال دیا۔“ وہ کپڑے بیڈ پر رکھتی ہوئی بولیں۔

”دس منٹ میں کر دو اسے پارٹی میں جانا ہے۔“ وہ جی اچھا کہتی اٹھ گئی، پہلے ان میں سے ایک سوٹ نکال کر اپنی الماری میں ٹانک دیا کیونکہ اب وہ اس کا تھا پھر دوسرا سوٹ استری کرنے لگی۔

☆☆☆

”سیرت بیٹا! گریجویشن تو کمپلیٹ ہو گیا ہے اب جاب کر لو، یوں گھر میں فارغ کب تک پھرو گی۔“ پاپا نے اسے آگے پڑھنے سے منع کر دیا تھا، وہ ہمیشہ کی طرح چپ چاپ مان گئی۔

”پر انکل مجھے جاب کون دے گا، صرف گریجویشن ہوں، نا کوئی تجربہ ہے اور نہ کوئی سفارش۔“ انکل گفتار پاپا کے دوست تھے اپنے نام کی طرح گفتگو میں ماہر اور نہایت ہی شفیق انسان، بالکل ایک باپ کی طرح ہی اسے ٹریٹ کرتے تھے۔

”ہم دیں گے جاب تمہیں اور تجربہ بھی کرنے سے ہی آتا ہے۔“ انہوں نے چائے کا سیپ لیتے ہوئے کہا، وہ ہنسنے لگی۔

”انکل آپ غالباً ایک اخبار چلاتے ہیں اور میں نے صرف سمپل گریجویشن کیا ہے۔“

”مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے بس تم جاب کر رہی ہو میں خود ہی تمہارے پاپا سے بات کر لوں گا۔“ پھر انہوں نے پاپا سے بات کی اور انہیں کس طرح راضی کیا یہ تو وہی جانتے ہیں، وہ ان کے آفس میں بحیثیت پرسنل سیکرٹری کام کرنے لگی، گھر میں رہ کر وہ بور ہو گئی تھی یہ چینج اچھا لگا، پہلے پہل کام کرنے میں دقت ہوئی لیکن پھر انکل کی نرم مزاجی کی وجہ سے سہل ہو گیا۔

اسے آفس کا ماحول بھی بہت اچھا لگا، جب اس کے ہاتھ میں اپنی پہلی سیلری آئی تو اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا خریدے، ہمیشہ اترن پہننے

والی جب خود شاپنگ کرنے گئی تو خالی ہاتھ ہی لوٹ آئی۔

”چلو پھر کسی دن خرید لوں گی۔“ گھر آ کر اس نے پیسے سنبھال کر رکھ لئے، ایک دن وہ ٹیبل پر فائل رکھے کام میں مصروف تھی، جب اس کا ٹیبل بجا سامنے وہ کھڑا تھا۔

”جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟“ وہ رسمی لہجے میں بولی۔

”گفتار صاحب سے۔“ وہ ان سے انٹرکام پر رابطہ کرنے لگی۔

”آپ کا نام؟“

”محبت عالم!“

”آپ اندر جا سکتے ہیں۔“

”تھینک یو ویسے بائے دا وے آپ یہاں نئی آئی ہیں؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا وہ اثبات میں سر ہلا گئی، یہ ان کی پہلی ملاقات تھی، پھر وہ اکثر ہی ان کے آفس میں آنے لگا، ایک دن انکل گفتار نے اسے آفس میں بلوایا، وہ جب اندر گئی تو سامنے چیئر پر وہ بیٹھا تھا۔

”سیرت اس سے ملو یہ میرا بھتیجا محبت ہے اور محبت یہ سیرت ہے میری بیٹی۔“ وہ ہمیشہ ہی اسے اپنی بیٹی کہتے تھے، ان کے بیٹی کہنے پر اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”بات دراصل یہ ہے بیٹا کہ میں پرسوں کیلیفورنیا جا رہا ہوں علاج کے لئے۔“

”کیا ہوا انکل آپ کو؟“ وہ بے ساختہ بولی پھر سر جھکا گئی کیونکہ دائیں طرف بیٹھے محبت نے اس کی پریشانی کو غور سے دیکھا تھا۔

”کچھ نہیں بیٹا! بس ذرا معدے میں درد رہتا ہے لاکھ سمجھایا وقار کو رہنے دو میں ادھر ہی ٹھیک ہوں پر کہتا ہے کہ آپ وہاں آئیں میں آپ کا علاج کرواؤں گا۔“ وقار محبت کا بڑا بھائی ہے وہیں ہوتا ہے۔

انکل گفتار کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے ہی وہ سب کو اپنے بچوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتے تھے۔

”میرے پیچھے سے محبت ہی آفس دیکھے گا، ابھی دو ماہ پہلے امریکہ سے لوٹا ہے، اب تم تھوڑے دن اس کے ساتھ کام کرنا اور فکر نہ کرنا میں جلد لوٹوں گا۔“ وہ اس کی تسلی و تشفی کروا کر چلے گئے، محبت عالم نے سارا آفس سنبھال لیا تھا، جس طرح انکل گفتار اپنے نام کی طرح نرم مزاج تھے اسی طرح محبت بھی پکا محبت وطن تھا، امریکہ میں رہنے کے باوجود بھی اس کی سوچ بہت خالص تھی،

☆☆☆

محبت عالم کی شخصیت کا سحر دن بدن اسے جکڑے جا رہا تھا، وہ جتنا اس کی ذات سے نکلنا چاہتی تھی اس کی ذات اتنی ہی تیزی سے اس پر چھا رہی تھی، وہ جاب چھوڑنے کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ ایک دن محبت عالم نے اس کے سامنے دھماکہ کر دیا۔

”سیرت میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔“ سچی محبت کی شمعیں اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھیں، وہ تو پہلے ہی پور پور اس کی محبت میں ڈوبی تھی، اس کے ایک اقرار میں گھٹنے ٹیک گئی۔

”تم میری پہلی محبت ہو۔“ جب وہ یہ کہتا تو اس کا دل ہواؤں میں اڑنے لگتا، وہ بھی کسی کے لئے ”پہلی“ ہو سکتی ہے، یہ احساس ہی اس کے لئے انوکھا تھا، سیکنڈ ہینڈ چیزوں کو استعمال کرتے کرتے اب اس خالص اور ”پہلی“ محبت نے اس کے دل کو چھوا تو اسے سب کچھ نیا نیا سا محسوس ہونے لگا۔

''شاید خدا نے میری سن لی ہے۔'' وہ سجدہ ریز ہو جاتی، اس دن وہ اس کے ساتھ لنچ کر رہی تھی کہ اچانک عزہ وہاں آ گئی۔

''محبّ تم واٹ آ پلیز سرپرائز۔'' وہ دونوں ایک دوسرے سے ہاتھ ملانے لگے وہ اسے نظر انداز کیے محبّ سے باتیں کرنے لگی۔

''اور سیرت تم یہاں۔'' باتیں کرتے ہوئے وہ اس کی طرف مڑی وہ گھبرا سی گئی کہ اس کی دوستوں نے اسے بلانا شروع کر دیا وہ بائے کہتی ہوئی چلی گئی۔

''تم عزہ کو جانتی ہو؟'' اس نے وہی سوال پوچھا جو وہ اس سے پوچھنا چاہ رہی تھی۔

''میری بہن ہے سوتیلی۔'' سوتیلی کا لفظ اچانک ہی منہ سے نکلا تھا۔

''اور آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟''

''ہم یونیورسٹی میں اکٹھے پڑھتے تھے میری ''فرینڈ'' کہنے پر اس نے سکون کا سانس لیا، شاید کچھ اور سننا اس کے بس میں نہیں تھا، عزہ کی اب کوئی اترن پہننے کے بارے میں وہ سوچنے سے بھی کانپ رہی تھی، محبّ عالم اس کے لئے اب بہت اہم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''یہ تم محبّ کو کیسے جانتی ہو؟'' گھر جاتے ہی اس کا سامنا عزہ سے ہو گیا۔

''وہ باس ہیں میرے۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''یونیورسٹی میں میرے ساتھ ہی پڑھتا تھا۔'' وہ خود ہی شروع ہو گئی تو مجبوراً اسے سننا پڑا۔

''ہم بہت اچھے دوست تھے، جب ہم لوگوں کی فیئر ویل پارٹی تھی کہ اچانک محبّ نے مجھے پرپوز کر دیا۔'' کوئی دھماکہ ہی ہوا تھا اس کے سر پر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے بیٹھی اس مغروری سی عزہ احمد کو دیکھ رہی تھی، پر وہ اس کی حالت سے بے خبر بولے گئی۔

''کہنے لگا عزہ تم بالکل میرے آئیڈیل کے قریب ہو، پر میں ابھی ان شادی وادی کے چکروں میں پڑنا نہیں چاہتی تھی سو انکار کر دیا، ابھی تو مجھے لائف کو انجوائے کرنا ہے شادی کے لئے تو ساری زندگی پڑی ہے، میں نے اسے کہا پھر وہ امریکہ چلا گیا تو بات چیت بھی ختم ہوئی اب آج نظر آیا ہے، سیرت آر یو آل رائٹ۔'' اس کی سفید پڑتی رنگت کو دیکھ کر اس نے کہا۔

''نہیں وہ سر میں درد ہے میں چلتی ہوں۔'' کمرے میں آ کر ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔

''تم میری پہلی محبت ہو۔'' کوئی اس کے کانوں میں بولا۔

''ہو سکتا ہے عزہ جھوٹ بول رہی ہو؟'' اپنے دل خوش فہم کو سنبھالا۔

''میں کل خود بات کروں گی۔'' وہ بولی پر اندر ہی کہیں کو ڈر تھا۔

''سوچتا ہوں اب تمہارے گھر پرپوزل لے ہی جاؤں۔'' اگلے دن محبّ عالم نے اس سے کہا۔

''آپ عزہ کو پسند کرتے تھے؟'' اس نے جان بوجھ کر پسند کا لفظ استعمال کیا ''محبت'' کہنے کی اس میں ہمت نہیں تھی، وہ حیران ہو گیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ بولا پھر اس کی شکل دیکھ کر خود ہی بتانے لگا۔

''میں اور عزہ اچھے دوست تھے، مجھے لگا اس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو میری لائف پارٹنر میں ہونی چاہئیں سو میں نے اسے پرپوز کر دیا، اس نے انکار کیا بس پھر یہ بات ختم ہو گئی اور اب

تم مجھے ملی ہو تو مجھے لگتا ہے کہ وہ سب تو صرف ایک وقتی جذبہ تھا جبکہ تم تو میرا اصل ہو۔'' اس نے بہت واضح الفاظ میں اسے سمجھایا تھا لیکن اس کے ذہن میں تو صرف ایک ہی جملہ گونج رہا تھا۔

''اس نے انکار کر دیا۔''

''میں نے انکار کر دیا۔''

وہ بناء اس سے کچھ بھی کہے لوٹ آئی وہ پکارتا رہ گیا، وہ جو چند دنوں سے آسمانوں میں تھی پھر سے زمین پر آ گری، اس نے کئی بار اسے فون کیا پر وہ آواز سنتے ہی فون رکھ دیتی، وہ خود نہیں جانتی تھی کہ اسے کیا ہو گیا ہے، رات کو وہ پانی پینے کچن میں آئی تو اس نے مما کی آواز سنی۔

''کل زاہدہ آئی تھی ایک رشتے کی بات کی ہے اس نے، میرا خیال ہے سیرت کے لئے وہ لوگ ٹھیک رہیں گے اسے تو ویسے بھی مڈل کلاس لوگ ہی پسند کر سکتے ہیں، بالکل ڈل ہے نہ کوئی ایکٹیویٹی نا پارٹیز، اب ایسی لڑکی کے اپر ہائی کلاس سے تو رشتے آنے سے رہے، آپ اس سے بات کر لیں پھر میں انہیں او کے کہہ دوں گی۔''

''سیرت تو یہ ہے تمہاری اوقات اس گھر میں۔'' وہ سوچ کر رہ گئی رات کو پاپا اس کے پاس آئے۔

''سیرت اب بس کرو یہ جاب، ہم تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ ہمیشہ کی طرح تحکمانہ انداز میں بولے پھر ان لوگوں کے بارے میں بتانے لگے۔

''اف خدا میں کیا کروں۔'' اس کے جیسے سمجھنے کی صلاحیت سلب ہو گئی تھی وہ تکیہ پر سر رکھ کر رو پڑی۔

☆☆☆

''سیرت مجھے بتاؤ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے کہ تم میرے ساتھ یہ سب کر رہی ہو۔'' وہ لان میں گم صم بیٹھی تھی کہ وہ چلا آیا، مضمحل سا چہرہ اس کی اندرونی حالت کا غماز تھا۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہو، میں نے تمہیں بتایا ہے نا کہ عزہ تو صرف ایک خواب تھی، پھر مجھ سے اس قدر بدگمانی کیوں آئی لو یو سیرت، آئی ریئلی لو یو۔'' وہ ٹوٹ رہا تھا اور وہ اسے ایسا نہیں دیکھ سکتی تھی وہ دوڑتی ہوئی اندر آ گئی کھڑکی سے اس نے اسے شکستہ قدموں سے جاتے دیکھا تھا اس کے آنسو دل پر گر رہے تھے۔

''جب کوئی اتنی محبت سے آپ کی طرف بڑھتا ہے تو اسے ٹھکراتے نہیں ہیں اور ویسے بھی تمہیں تو بچپن سے میری ''اترن'' پہننے کی عادت ہے تو اب بھی سہی۔'' عزہ طنز کے تیر چلاتی وہاں سے چلی گئی اور اس رات روتے ہوئے اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا وہ اسٹڈی روم میں چلی آئی۔

''پاپا مجھے آپ کا فیصلہ قبول ہے۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تھی، یہ فیصلہ کرتے ہوئے اس کے دل پر کیا گزری تھی یہ تو صرف وہی جان سکتی تھی، وہ محبّ عالم سے بہت محبت کرتی تھی اس کے بغیر اسے اپنا جینا محال لگتا تھا، پر وہ محبت کی اترن نہیں پہن سکتی تھی، وہ جانتی تھی کہ محبّ عالم اس سے سچی محبت کرتا ہے اور عزہ اور محبّ دونوں کے درمیان ''محبت'' جیسا جذبہ نہیں ہے پر وہ اس کو کیسے سمجھاتی جو بچپن سے لے کر اب تک عزہ احمد کی ریجیکٹڈ چیزیں پہن پہن کر تھک گئی تھی، آج وہ اپنی انا کے ہاتھوں ہار گئی تھی اور اس نے اپنی انا کو عزہ احمد کی نظروں کے سامنے بلند رکھنے کے لئے، اپنے عزت نفس اپنے بھرم کو قائم رکھنے کے لئے اپنی محبت کا گلا گھونٹ دیا تھا، اب پتہ نہیں اس نے درست کیا تھا کہ غلط؟

☆☆☆

''تم غلط کر رہے ہو معیز...... بہت غلط۔''
معیز نے جیسے ہی فون بند کیا ٹیبل کے دوسری طرف بیٹھے اویس نے اسے سمجھانا چاہا۔
''تم تو سب کچھ جانتے ہو نا میرے ساتھ کیا ہوا تھا پھر بھی مجھے ہی غلط کہہ رہے ہو؟''
''ہزار بار سن چکا ہوں تمہارے وہ مظلومیت کے قصے، انکل نے تمہیں ایموشنل بلیک میل کر کے تمہاری شادی کر دی تھی، تمہارے ساتھ ظلم ہوا تھا وغیرہ وغیرہ۔'' اویس کے لہجے میں بیزاری تھی معیز کو دکھ ہوا۔
''اور اب تم جو ظلم کر رہے ہو، اس کی زندگی برباد کر دی تم نے اب اس سے اس کا بیٹا بھی چھین لو گے، کہاں رہے گی وہ اور کیا کرے گی؟ کبھی سوچا ہے تم نے؟'' اویس اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
''میں اسے حق مہر کے علاوہ بھی بہت کچھ

ناولٹ

دوں گا، میں اپنا گلشن والا فلیٹ بھی اس کے نام کر دوں گا اور اسے وہ سب دوں گا جو زندگی گزارنے کے لئے چاہیے ہوتا ہے۔'' معیز کے جواب پر اویس کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ آ گئی۔
''بہت سخی ہیں آپ معیز رضا صاحب سخاوت کے اس عظیم مظاہرے پر تاریخ آپ کا نام سنہرے حرفوں میں ضرور لکھے گی'' 'عظیم' کو قصداً کھینچ کر ادا کیا گیا تھا اویس کے کاٹ دار لہجے پر معیز تلملا کر رہ گیا۔
''تم نے سوچا وہ اکیلی تنہا عورت کیسے زندگی گزارے گی؟''
''وہ چاہے تو دوسری شادی کر لے گی۔''
''دوسری شادی...... تمہیں پتہ ہے تمہارے اس معاشرے میں کیا حیثیت ہے طلاق یافتہ عورت کی؟ اس سے شادی کرنے سے پہلے ہر کوئی یہی پوچھے گا کہ ایسا کیا کر دیا تھا اس نے،

کہ پہلے شوہر نے بیٹے کے ہوتے ہوئے بھی چھوڑ دیا، کیا جواب دے گی وہ؟" اویس نے تلخی سے پوچھا۔

"تم کیوں زندہ درگور کررہے ہو اسے؟ کیا قصور ہے اس بیچاری کا؟"

"میرا کیا قصور تھا؟" معیز نے الٹا اس سے سوال کیا۔

"معیز تم ایک ایسے بے ضرر انسان سے بدلہ لے رہے ہو جس کا اس پورے واقعے میں کہیں کوئی قصور نہیں تھا۔" اویس اسے ہر صورت اس کے ارادے سے باز رکھنا چاہتا تھا۔

"پھر انہیں کہاں سے لاؤں جن کا قصور تھا؟ اور اگر وہ زندہ ہوتے بھی تو میں کیا بدلہ لیتا ان سے، ساری مجبوری ہی یہی تھی کہ وہ شخص میرا باپ تھا۔" معیز کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"حیان کا کیا سوچا ہے اتنا چھوٹا بچہ ماں کے بغیر کیسے رہے گا؟"

"میں نے سارے انتظام کر لئے ہیں دو، تین دن میں آیا کا بندوبست ہو جائے گا، میں تو پاپا کی ڈیتھ کے فوراً بعد اسے چھوڑ دیتا اتنا عرصہ اسے صرف حیان کی وجہ سے برداشت کیا ہے میں نے۔" معیز کے لہجے میں محبت اور نفرت دونوں بیک وقت موجود تھیں محبت اپنے بیٹے کے لئے نفرت اس کی ماں کے لئے۔

"مانا تم بہت شارپ بزنس مین ہو تم معیز، کچھ کرنے سے پہلے اچھی طرح پلاننگ کرتے ہو، بٹ تم نے یہ سوچا کہ ماں کے بغیر حیان کی ذات میں کتنی محرومیاں ہوں گی تم ماں کی کمی کیسے پوری کرو گے؟ اور کل کو وہ بڑا ہو کر تمہیں ہی قصور وار ٹھہرائے گا۔"

"میں اسے کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دوں گا، دنیا کی ہر شے اس کے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔" معیز نے اطمینان سے کہا۔

"آئی نو معیز رضا تم بہت امیر ہو دولت کی کوئی کمی نہیں ہے تمہیں، پر یہ پیسہ حیان کی ماں کی کمی پوری نہیں کر سکے گا اسے زندگی میں قدم قدم پر ماں کی ضرورت پڑے گی، تمہیں اندازہ ہے معیز ماں کے بغیر پلنے والے بچے کیسے ہوتے ہیں؟ کتنی محرومیاں ہوتی ہیں ان کی ذات میں۔" اویس اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا پر اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"مجھے دیکھو معیز، ماں کے بغیر پلنے والے بچے میرے جیسے ہوتے ہیں بظاہر نارمل نظر آتے ہیں مگر میری محرومیوں کا تمہیں اندازہ نہیں ہے پیسہ میرے باپ کے پاس بھی بہت تھا پر وہ مجھے دنیا کی کسی مارکیٹ سے ماں لا کر نہیں دے سکے، میں تو انہیں قصوروار بھی نہیں ٹھہرا سکتا کیونکہ خدا کی مرضی کے آگے تو وہ بھی بے بس تھے انہوں نے دوسری شادی بھی کی وہ عورت ان کی بیوی تو بن گئی پر میری ماں نہیں بن سکی، میں رات کو خواب میں ڈر جاتا تھا، ماما کو آواز دیتا تھا لیکن میری آواز سننے والا کوئی نہ تھا، کسی کو یہ فکر نہیں ہوتی تھی کہ میں نے کھانا ٹھیک سے کھایا ہے یا نہیں، کسی کو یہ پروا نہیں ہوتی تھی کہ میں بارش میں بھیگنے سے بیمار ہو جاؤں گا، میرے ذرا سے کھانسنے پر کوئی دوائی لیے میرے پیچھے نہیں پھرتا تھا، کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رات کا رکھا ہوا دودھ کا گلاس فٹافٹ ختم کرو پھر میں اپنے بیٹے کو کہانی سناؤں گی۔" اویس کے لہجے میں محرومیاں تھیں دکھ تھا، معیز نے نظریں چرا لیں۔

"کیوں کر رہے ہو اپنے بیٹے پر اتنا ظلم؟"

اویس کو اس چھوٹے سے بچے سے بہت ہمدردی تھی۔ اس کی ذات میں وہ خود کو دیکھ رہا تھا شاید۔

"تم مجھے کتنے بھی جذباتی قصے کہانیاں سنا دو، میں اپنے فیصلے سے ایک انچ نہیں ہٹوں گا۔"

معیز کی ڈھٹائی پر اویس کو بے تحاشا غصہ آیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم۔" اویس نے ہاتھ میں پکڑی فائل ٹیبل پر پٹختے ہوئے کہا۔

"لعنت بھیجتا ہوں میں تم پر۔" اویس نے نفرت بھری نظر اس پر ڈالی اور تیز تیز قدم اٹھاتا آفس سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اویس اس وقت معیز کے گھر ڈرائنگ روم میں بیٹھا آفیشل کام نمٹا رہا تھا، معیز ہاتھ میں فائل لئے بہت غور سے دیکھ رہا تھا آج صبح اویس بہت اہم معاملہ ڈسکس کرنے آیا تھا لیکن معیز کو ایڈووکیٹ اسجد انصاری سے بات کرتے دیکھ کر اس نے اسے سمجھانا چاہا پر معیز کچھ سمجھنا نہیں چاہ رہا تھا۔

آفس میں گھریلو مسئلہ ڈسکس کرنے کے بعد اب وہ دونوں گھر میں آفس کا کام نمٹا رہے تھے ان دونوں کے لہجے بالکل نارمل تھے وہاں صبح ہونے والی تلخ کلامی کا کوئی تاثر نہ تھا، وہ دونوں بہترین دوست ہونے والے کے علاوہ اچھے بزنس پارٹنرز بھی تھے۔

"او کے پھر کل کی میٹنگ ضرور اٹینڈ کر لینا، مجھے سائٹ ایریا پر جانا ہے۔" اویس کام ختم کر کے اٹھا، معیز سر ہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا اور اسے گیٹ تک چھوڑنے کے لئے اس کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔

"حیان بہت اٹیچ ہے بھابھی سے۔" اویس نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے دور لان میں ٹہلتی عدن کو دیکھا، جو حیان کو گود میں لے ٹہل رہی تھی۔

"یہ سب یہ جان بوجھ کر کر رہی ہے یہ جانتی ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں گا پھر بھی اس نے میرے بیٹے کو خود سے اٹیچ کر لیا ہے یہ کچھ بھی کرے پر میں کسی صورت اس کا وجود اس گھر میں برداشت نہیں کروں گا اب۔" معیز نے اٹل انداز میں کہا۔

"معیز! اس ایج میں بچے باپ سے زیادہ ماں سے اٹیچ ہوتے ہیں، تم نے بھابھی کو چھوڑنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میری مانو حیان کو ابھی دو چار سال بھابھی کے پاس چھوڑ دینا۔" اویس نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا۔

"ہرگز نہیں، میرا بیٹا کہیں نہیں جائے گا۔"

معیز کی میرا بیٹا، میرا بیٹا کی گردان پر اویس ہنسا۔

"وہ صرف تمہارا بیٹا نہیں ہے وہ حیان کی ماں ہے جنم دیا ہے اسے۔"

"اولاد باپ کی ہوتی ہے۔"

"اتنے چھوٹے بچے کو کورٹ بھی ماں کے حوالے کر دیتی ہے وہ کوٹ سے با آسانی حیان کو لے سکتی ہیں۔" اویس نے اسے تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جو اس نے دیکھا نہیں تھا یا دیکھنا چاہتا نہیں تھا۔

"وہ کورٹ تک کبھی نہیں جائے گی اتنا تو میں اسے جانتا ہوں۔" معیز کے اتنے وثوق سے کہنے پر اویس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔

"فرض کرو اگر چلی گئیں تو......؟"

"تو میں اس کا حشر کر دوں گا، میں اسے اتنا کچھ صرف اسی لئے دوں گا کہ وہ زندگی بھر میرے بیٹے پر حق نہ جتائے۔"

"اگر وہ یہ سب نہ لینا چاہے تو......؟"

"یہ اس کی مرضی ہے لے یا نہ لے، میں نہیں چاہتا کہ وہ لاوارث مرے اس لئے اسے اتنا کچھ دے دوں گا کہ وہ بقیہ زندگی آرام سے

گزارے اور مجھے کوئی پشیمانی نہ رہے۔"

"تم پشیمان بھی ہوتے ہو معیز رضا۔" اویس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا نہ معیز نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"اویس! تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔" معیز کے لہجے میں ناراضگی تھی وہ سب کچھ جاننے کے باوجود بات بے بات اسی پر طنز کرتا رہتا تھا۔

"ہاں، حد سے واقعی نہیں بڑھنا چاہیے، اللہ کو حد سے بڑھنے والے پسند نہیں ہیں۔" اویس کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گیا اور اسے سوچوں میں گم چھوڑ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور اپنی منزل کی طرف رواں ہو گیا۔

وہ کچھ دیر ساکت کھڑا اویس کے کہے جملے پر غور کرتا رہا اور سر جھٹک کر داخلی دروازے کی طرف چل پڑا، وہ خود کو حق بجانب سمجھتا تھا۔

☆☆☆

"فرض کرو اگر یہ دنیا مجھے تم سے چھین لے تو تم کیا کرو گے؟" ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکائے ماریہ نے اپنی سیاہ آنکھوں کو پورا کھولتے ہوئے پوچھا۔

"میں دنیا سے لڑوں گا، اتنا لڑوں گا کہ دنیا خود تمہیں لا کر میرے ساتھ کھڑا کر دے گی۔" معیز نے بڑے فلمی انداز میں جواب دیا، ماریہ کی خاموشی کی انتہا نہ تھی اس نے اپنے تاثرات کو کنٹرول کرتے ہوئے پھر سوال کیا۔

"اور اگر تم دنیا سے نہ لڑ سکے تو؟"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" معیز نے اٹل انداز میں کہا وہ ماننے کو ہی تیار نہ تھا کہ کبھی ایسی سچویشن آ سکتی ہے۔

"فرض کرو، فرض کرو کوئی مجبوری آڑے آ گئی، کوئی بھی ایسی مجبوری کہ تمہیں مجھ سے یعنی اپنی محبت سے دستبردار ہونا پڑے تو؟" وہ آج معیز کو تنگ کرنے پر تلی ہوئی تھی یا شاید اسے معیز کے جواب سے خوشی ہو رہی تھی کہ وہ اس سے اتنی محبت کرتا ہے اس کے لئے دنیا سے لڑ سکتا ہے۔

"تو میں خود مر جاؤں گا یا تمہیں مار دوں گا۔" معیز نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہائیں مجھے کیوں مارو گے؟" ماریہ نے آنکھوں میں حیرت سجاتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تم میری نہیں ہو سکتی تو کسی کی نہیں ہو سکتی، میں تمہیں اپنی زندگی میں کسی کا نہیں ہونے دوں گا۔" ماریہ کے کانوں نے مشہور زمانہ ڈائیلاگ سنا لیکن یہ آواز معیز کی نہیں تھی، بلکہ دائیں طرف کھڑے اویس کی تھی جو کلاس اٹینڈ کر کے آیا تھا، اور اب خاموشی سے کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ان دونوں کو اس کی آمد کی بالکل خبر نہ ہوئی تھی دونوں اس کی اس اچانک انٹری پر بدمزہ ہوئے۔

"لیلیٰ مجنوں تم دونوں کو اندازہ ہے تمہاری اس لو اسٹوری سے تم لوگوں کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔" اویس ایک چیئر کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔

"تم دونوں کے ماں باپ بہت خوش ہوتے ہوں گے کہ ہمارے بچوں کا MBA کا فائنل ایئر ہے پر انہیں کیا پتہ کہ تم دونوں یہاں کتابیں نہیں بلکہ ایک دوسرے کو پڑھنے آتے ہو۔" اویس نے کتابیں ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا اور ماریہ کے سامنے رکھا ہوا سالن اپنی طرف کر لیا اور بے تکلفی سے کھانے لگا، اس کی اس حرکت پر ماریہ کا خون جل گیا۔

"او کے معیز! میں چلتی ہوں، کل راعنا آپی کی مہندی ہے مجھے ابھی کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے۔" ماریہ نے ٹیبل سے بیگ اٹھا کر شانے پر ٹکایا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"یار جب اتنی دور سے یونیورسٹی آ ہی گئی ہو

تو ایک آدھ کلاس اٹینڈ کر ہی لو، یقین کرو تمہارے بغیر کلاس کے در و دیوار سے بھی اداسی ٹپک......"

"شٹ اپ" ماریہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا، اسے اویس کی بے تکلفی زہر لگتی تھی اور اویس اسے چڑانے سے کبھی باز نہیں آتا تھا۔

ایک خونخوار نظر اویس پر ڈالنے کے بعد وہ تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔

"کیا تکلیف ہے تجھے؟ کیوں تنگ کرتا ہے اسے؟" معیز نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے یہ تکلیف ہے میرے بھائی کہ یہ لو اسٹوری تیری پڑھائی پر اثر انداز ہو رہی ہے پہلے پڑھائی مکمل کر، پھر اپنے پیروں پر کھڑا ہو، اس کے بعد محبت اور شادی کے بارے میں سوچنا۔" اویس نے اسے اپنے مخلصانہ مشورے سے نوازا یہ اور بات کہ معیز نے ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی بات پر کان نہیں دھرے۔

"ایک بات بتا معیز؟"

"ہاں پوچھ۔"

"تجھے محبت کرنے کے لئے ماریہ سے بہتر لڑکی نہیں ملی تھی؟" اویس کے سوال پر معیز ہنسا۔

"میرے بھائی محبت کی نہیں جاتی، محبت ہو جاتی ہے۔" معیز نے شاعرانہ انداز میں کہا۔

"تجھے دیکھ کر لگتا ہے واقعی محبت اندھی ہوتی ہے۔" اویس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

"تم اپنے اس ایڈیٹ دوست کو سمجھا لو، وہ کسی دن میرے ہاتھوں ختم ہو جائے گا۔" ماریہ کو اویس پر اب بھی بے تحاشہ غصہ تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا اویس کا گلا دبا دے۔

"اس کی باتوں کو مائنڈ مت کیا کرو یار، وہ جسٹ مذاق کرتا ہے۔" معیز نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"مذاق...... اتنا گھٹیا مذاق کرتا ہے ایسا لگتا ہے مذاق کر نہیں رہا مذاق اڑا رہا ہے۔"

"میں سمجھاؤں گا اسے، تم فکر مت کرو۔" معیز نے اسے تسلی دی۔

"ہاں اسے کہہ دینا آئندہ میرے منہ نہ لگے۔"

"اچھا بابا کہہ دوں گا سب کہہ دوں گا۔" معیز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"معیز ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں پوچھو۔"

"تمہیں اس دنیا میں دوست بنانے کے لئے اویس سے زیادہ ڈھنگ کا بندہ نہیں ملا تھا؟" ماریہ کے سوال پر معیز نے بہت مشکلوں سے اپنی ہنسی چھپائی، وہ اسے کیا بتاتا کچھ ایسا جملہ ذرا سے رد و بدل کے ساتھ اویس نے بھی اسے کہا تھا ماریہ کے بارے میں۔

"ماریہ میں نے تمہیں اسی لئے فون کیا تھا کہ تم اور میں اویس کے متعلق باتیں کریں، ہمارے بیچ کوئی تیسرا نہ ہے اور نہ کبھی آئے گا اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو...... اور مجھے یہ بتاؤ کہ میں کل کس وقت آؤں۔" معیز نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"تم جس وقت مرضی آ جانا آخر اس گھر کے ہونے والے داماد ہو۔" ماریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" معیز اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرایا۔

"اچھا سنو! آپی کے بعد میری فائنل اور پر آ

جائے گی تم اپنے گھر والوں کو اب میرے متعلق بتا دو۔"

"ہاں سوچ رہا ہوں ماما سے بات کرلوں، دیکھو ٹائم ملتا ہے تو کروں گا۔"

"تمہارے گھر والے مان تو جائیں گے نا؟" ماریہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"اس بات کی تو بالکل ٹینشن مت لو، ماما پاپا میری کوئی خواہش رد نہیں کرتے؟ انہوں نے کبھی مجھ پر اپنے فیصلے مسلط نہیں کیے۔" اس کے لہجے میں فخر تھا حقیقت بھی یہی تھی ماما پاپا نے کبھی اس کی بات رد نہیں کی تھی۔

"معیز ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم راعنا آپی کی مہندی میں آنٹی کو بھی ساتھ لے آؤ۔" ماریہ کا دل چاہا کہ معیز کی ماما سے ملے۔

"نہیں یار! ماما تو پاپا کے ساتھ بھی پارٹیز میں نہیں جاتیں، انہیں الرجی ہے لیٹ نائٹ فنکشنز سے۔" معیز نے بہانہ گھڑا، وہ کسی صورت بھی ماما کو راعنا کی مہندی پر نہیں لا سکتا تھا کیونکہ ماریہ کی فیملی کچھ زیادہ ہی براڈ مائنڈڈ تھی، اکثریت ان میں سے شوبز سے وابستہ تھی، معیز کو اندازہ تھا ماما اگر اس فنکشن میں گئیں تو کبھی ماریہ کے لئے رضامند نہیں ہوں گی۔

☆☆☆

اسے یہ خوش فہمی تھی کہ اس کے ماں باپ کبھی اس کی خواہش رد نہیں کر سکتے، وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا، اس نے جب جس چیز کی فرمائش کی پاپا نے کبھی ناں نہ کیا، اسے کبھی اندازہ نہ تھا کہ اس کے جان سے پیارے پاپا اس پر اتنا ظلم بھی کریں گے۔

وہ بہت خوش تھا اپنی زندگی میں مگن، اس نے سوچا تھا پڑھائی مکمل ہو جائے گی تو ماما پاپا کو ماریہ کے بارے میں بتائے گا، پر اچانک اس کی چچا زاد کزن جانے کہاں سے ٹپک پڑی، اسے بس اتنا معلوم تھا کہ اس کے ایک چچا بھی تھے جو شادی کے چھ ماہ بعد وفات پا گئے تھے، چچا کی موت کے بعد چچی اپنے بھائیوں کے ساتھ چلی گئیں تھیں اور پھر کبھی واپس نہ آئیں نہ ہی پاپا کو کبھی فرصت ملی بیوہ بھابھی کے متعلق جاننے کی۔

اب اچانک انہوں نے شدید بیماری کی حالت میں جیٹھ کو فون کرکے بھائی کی آخری نشانی کے متعلق بتایا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ ان کی زندگی کی کچھ امید نہیں ہے اور ان کے مرنے کے بعد ان کی بھتیجی بے آسرا ہو جائے گی۔

حیدر رضا کو اپنے چھوٹے بھائی سے بے حد محبت تھی، اس فون کے بعد وہ بہت شرمندہ تھے۔

"اب کیا کریں گے آپ؟" فون ہاتھ میں لئے حیدر رضا کو سوچوں میں گم دیکھ کر مسز حیدر نے پوچھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" دوسری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر مسز حیدر نے پھر سوال کیا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کتنا ظلم ہو گیا مجھ سے، میں نے اتنا عرصہ بھابھی کی بالکل خبر نہ لی، مجھے تو یہ تک نہ پتہ تھا کہ معین کی بیٹی بھی ہے کتنا بد نصیب ہوں میں، مرحوم بھائی کی بچی کے سر پہ آج تک دست شفقت تک نہ رکھ سکا، بھابھی سے کیسے معافی مانگوں گا اور کل حشر کے دن معین ...... معین مجھے معاف کرے گا کیا؟" حیدر رضا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ بہت مضبوط اعصاب کے مالک تھے مگر اس وقت بہت نادم تھے انجانے میں ان سے بہت غلطی ہو گئی تھی انہوں نے ان بیس سالوں میں ایک بار بھی بیوہ بھابھی کی خیر خبر نہ لی تھی۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی، میں......

میں کیسے معافی مانگو گا اب ان سے؟" وہ شرمندہ تھے بہت زیادہ شرمندہ۔

یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی یا احسان کہ حیدر رضا کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ دنیا سے چلی گئی تھیں، نہ ہی وہ کوئی شکوہ کر سکیں نہ ہی حیدر رضا کو معافی مانگنے کی مہلت ملی، وہ بھتیجی کو ساتھ لے کر کراچی آ گئے، گھر میں اس گم صم اور خاموش طبع لڑکی کے آنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔

معیز اپنی زندگی میں مگن تھا اس کا ارادہ تھا پڑھائی سے فارغ ہو کر پاپا کو ماریہ کے متعلق بتائے گا۔

"صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔" ملازم نے اسے پاپا کا پیغام دیا تو وہ سارے کام چھوڑ چھاڑ کر اسٹڈی روم کی طرف چل دیا، اس کا خیال تھا پاپا پہلے کی طرح آج بھی وہی سوالات پوچھے گے۔

"اسٹڈی کیسی چل رہی ہے؟"

"آگے کیا ارادے ہیں؟"

"آفس کب تک جوائن کرو گے؟" وغیرہ وغیرہ اور پھر ہلکی پھلکی گپ شپ ہو گی پاپا اسے بزنس کے داؤ پیچ سمجھائیں گے اور اسٹڈی روم سے نکلتے ہوئے اس کا موڈ بہت خوشگوار ہو گا ہمیشہ کی طرح۔

پر آج ایسا کچھ نہ تھا، وہ حیرت بھری نظروں سے پاپا کو دیکھ رہا تھا جو آج بہت سنجیدہ تھے، وہ اپنا فیصلہ سنا رہے تھے کہ اگلے ہفتے اپنی بھتیجی سے اس کا یعنی معیز رضا کا نکاح کر رہے ہیں۔

وہ پوچھ نہیں رہے تھے بتا رہے تھے شاید، پر دوسری طرف معیز تھا جس نے بچپن سے اپنی منوائی تھی، اپنی بات منوانے کے لئے اسے کبھی زیادہ اسٹرگل نہیں کرنی پڑی تھی بس تھوڑی سی ضد کی اور پاپا مان گئے۔

"آئی ایم سوری پاپا! میں اس سے شادی نہیں......"

"میں نے آج تک تمہاری کسی بات کا انکار نہیں کیا تو اصولاً آج تمہیں بھی میرے فیصلے پر "نہیں" نہیں کہنا چاہیے۔" حیدر رضا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا، انہیں آج ہر صورت اپنی بات منوانی تھی وہ بھابھی سے تو معافی نہیں مانگ سکے تھے لیکن اب انہیں اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا تھا۔

"پاپا میں ماریہ سے محبت کرتا ہوں وہ میرے ساتھ پڑھتی ہے اس کے ڈیڈ ارمغان احمد سے تو آپ واقف......" حیدر رضا آج اس کی کوئی بات مکمل نہیں سن رہے تھے۔

"سوری پاپا میں اس لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔" معیز کو تو اس کا نام بھی نہیں پتہ تھا شاید ماما نے ایک دو بار بتایا ہو پر اسے کوئی دلچسپی ہوتی تو وہ یاد رکھتا، اسے تو وہ 1970 کا ماڈل لگی تھی۔

"میں تم سے پوچھ نہیں رہا تمہیں بتا رہا ہوں کہ اگلے ہفتے تمہارا نکاح......"

"میں یہ شادی نہیں کروں گا۔" پہلی بار اس نے پاپا کی بات کاٹی۔

"اگر اس گھر میں رہنا ہے تو تمہیں یہ شادی کرنی ہو گی۔" حیدر رضا کو آج ہر صورت اپنی بات منوانی تھی۔

"میں آپ کا گھر چھوڑ دوں گا۔" وہ سر جھکائے دروازے کی طرف بڑھ گیا، (پاپا میری کوئی بات کوئی خواہش رد نہیں کر سکتے) اس کی ساری خوش فہمیاں ہوا ہو گئی تھیں۔

"اپنے ساتھ اپنی ماں کو بھی لے جانا اس گھر سے، تمہارے انکار کے بعد اس کے لیے ابھی کوئی جگہ نہیں ہے یاد رکھو اگر تم نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا اور میری بات نہیں مانی تو میں تمہارے

ساتھ تمہاری ماں کو بھی چھوڑ دوں گا۔" معیز کے قدم رک گئے تھے، وہ حیرت اور بے یقینی سے حیدر رضا کو دیکھ رہا تھا اسے اپنی سماعت پر شبہ ہوا تھا۔

اس نے غلط سنا ہے پاپا ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہیں، ہاتھ میں ٹرے لئے اسٹڈی روم میں داخل ہوتی مسز حیدر رضا کے سر پر جیسے آسمان آ گرا تھا ان کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹ گئی تھی وہ منہ پر ہاتھ رکھے رضا صاحب کو دیکھ رہی تھیں ان کی برسوں کی ریاضت کا یہ صلہ......؟

جس شخص کی خدمت میں انہوں نے اپنا آپ فراموش کر دیا تھا وہ انہوں نے اس عمر میں چھوڑنے کی بات کر رہا تھا۔

معیز نے فوراً مڑ کر دیکھا، فرش پر چائے کے برتنوں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے ماما دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی حیرت سے پاپا کو دیکھ رہی تھیں۔

"میرے کانوں نے ٹھیک سنا ہے۔" معیز نے تکلیف سے سوچا۔

"کاش میں Senseless ہو جاؤں۔" معیز نے بے ساختہ دعا کی زندگی میں کبھی کبھی اتنا تکلیف دہ لمحہ آتا ہے کہ انسان بے ساختہ سوچتا ہے کاش میں Senseless ہو جائے، بالکل بے حس بے خبر۔

حیدر رضا معیز کے جواب کے منتظر تھے، وہ اس وقت باپ بن کر نہیں سوچ رہے تھے نہ ہی انہیں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی کوثر نظر آئی تھی، جنہوں نے پچیس تیس سال ان کی خدمت کی تھی انہیں تو بس اپنے مرحوم بھائی کی نشانی کی فکر تھی جس سے انہوں نے انیس سال غفلت برتی تھی ان کی کوتاہیوں کی ایک لمبی فہرست تھی اور وہ ہر صورت ازالہ کرنا چاہتے تھے۔

اس نے پاپا کی بات مان لی کیونکہ اور کوئی راستہ نہیں تھا وہ اس عمر اپنی ماں کا تماشہ نہیں ہوا سکتا تھا، نکاح کے فوراً بعد وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا، گھر سے نکلتے ہوئے اس نے یہی سوچا تھا اب کبھی دوبارہ یہاں نہیں آئے گا، وہ اویس کے پاس چلا گیا اسے ساری روداد سنائی، اس برے وقت میں اویس اس کے بہت کام آیا تھا، اس نے اویس کو سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ اس کے گھر میں کسی کو نہ پتہ چلے کہ وہ یہاں رہتا ہے۔

بیس دن ہو گئے تھے اسے گھر والوں سے رابطہ توڑے ہوئے۔

وہ اتوار کا دن تھا معیز بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" اسے ایسے ٹہلتے دیکھ کر اویس نے پوچھا۔

"پتہ نہیں یار! عجیب سی حالت ہو رہی ہے دل بہت بے چین ہے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" اس نے پریشانی سے کہا۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں تمہاری اس حالت کی وجہ۔" اویس کی بات پر معیز نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ دو دن سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں۔"

"کہ..... کون سے..... ہاسپٹل میں؟ اور تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"مجھے خود آج پتہ چلا ہے اور میں یہی بتانے آیا تھا تمہیں۔" اویس نے ہاسپٹل کا نام بتا کر وضاحت دی، وہ رکا نہیں وہ اب ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس سے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی اس کی ناراضگی پاپا سے تھی پر اس نے اتنا عرصہ ماما سے بھی رابطہ نہ کیا انہیں ایک بار بھی فون کر کے اپنی خیریت سے آگاہ نہ کیا اور نہ

ہی ان کی خیریت دریافت کی۔

ریسپشن سے روم نمبر معلوم کر کے وہ تیزی سے مطلوبہ روم کی طرف بڑھا تھا مشینوں میں جکڑا وجود جیسے اس کی آمد کا منتظر تھا اس نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا، کوثر بیگم نے ایک نظر اسے دیکھا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

ماما کی اچانک موت نے اسے توڑ دیا تھا حقیقت تو یہ تھی وہ بہت پچھتا رہا تھا پاپا نے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اس نے ماما کو کیوں سزا دی؟ اتنے عرصے میں ایک بار بھی ان سے ملنے کے لئے نہیں گیا تھا اس نے انہیں بہت ستایا تھا۔

اسے دعائیں دینے والی ہستی اس دنیا سے چلی گئی تھی وہ اس دنیا سے جاتے ہوئے اس سے ناراض ہوں گی اتنا عرصہ انہیں اپنی شکل نہیں دکھائی تھی وہ اس کی یاد میں تڑپتی ہوں گی، اس نے بہت ظلم کیا تھا خود پر؟ ماما پر۔

اس برے وقت میں اگر اویس اس کا ساتھ نہ دیتا تو وہ پاگل ہو جاتا شاید، اویس کی تسلیاں دلاسے اسے پھر سے زندگی کی طرف لے آئے تھے۔

وہ ابھی اس صدمے سے نہیں سنبھلا تھا کہ ماریہ کی شادی کی خبر اس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برسی تھی۔

"ماریہ! تم کسی اور سے شادی کر سکتی ہو، میں تم سے بہت محبت......" خبر سنتے ہی معیز فوراً ماریہ کے گھر پہنچا اور اب اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"بکواس مت کرو معیز، تمہارے منہ سے محبت جیسا لفظ اچھا نہیں لگتا؟" وہ قہر برساتی نظروں سے معیز کو دیکھ رہی تھی۔

"تم کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ ایسا؟" معیز کے لہجے میں دکھ تھا۔

"اتنے بھولے نہیں ہو تم، اتنا عرصہ مجھے بیوقوف بنائے رکھا تم نے، چپکے سے شادی کر لی اور میرے ساتھ محبت کا ڈرامہ رچاتے رہے۔" معیز کو جھٹکا لگا، یہ بات اویس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

"اویس نے ماریہ کو یہ بات......"

(نہیں اویس ایسا نہیں ہے) دماغ نے فوراً اس خیال کی تردید کی۔

"اتنا حیران مت ہوں معیز صاحب، اس طرح کی باتیں زیادہ دیر چھپتی نہیں ہیں۔" طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ایک پیپر معیز کے سامنے لہرایا، وہ نکاح نامے کی کاپی تھی۔

"یہ تمہارے والد صاحب نے بھجوائی تھی۔" ماریہ نے چبا چبا کر لفظ ادا کیے۔

"ماریہ میرا یقین کرو، میں نے تمہیں اس لئے نہیں بتایا تھا کہ یہ جسٹ پیپر میرج ہے تم کہو گی تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔" وہ اپنی صفائی پیش کر رہا تھا۔

"میرا یقین کرو میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں، پاپا نے مجھے بلیک میل کیا کہ مجبوراً ان کی بات ماننا پڑی پر اب ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے میں اسے طلاق دے دوں گا، تم پلیز یہ شادی رکواؤ۔" معیز نے التجائیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایک خود غرض انسان ہو، میں تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں کروں گی، علی تم سے لاکھ درجے بہتر ہے تم جیسے "جی پاپا" ٹائپ کے بندے کا کیا بھروسہ، کل کو ان کے دباؤ میں آ کر مجھے بھی چھوڑ دو گے۔" ماریہ کے لہجے میں اس کے لئے نفرت ہی نفرت تھی۔

"ماریہ تم میرا یقین کرو۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" اس نے ماریہ

کی بہت منتیں کی اسے ہر طرح یقین دلانے کی کوشش کی پر ماریہ نے اس کی ایک نہ سنی اسے خوب ذلیل کرکے گھر سے نکال دیا۔

معیز کا بس نہیں چل رہا تھا ساری دنیا تہس نہس کردے، حیدر ولا کے درو دیوار ہلا دے، اس کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی، ناانصافی کی گئی تھی، اس کی ذات کی دھجیاں اڑائی گئی تھیں، اس کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا گیا تھا، اس کی تذلیل کی گئی تھی۔

اسے بدلہ لینا تھا اس پورے قصے میں سب سے زیادہ قصور حیدر رضا کا تھا۔ اس کی مجبوری تھی کہ ان سے بدلہ نہیں لے سکتا تھا انسان کی فطرت بھی عجیب ہے ہمیشہ کمزور سے بدلہ لیا جاتا ہے اس نے بھی بدلے کے لئے عدن رضا کو منتخب کیا تھا۔

وہ عدن رضا جس نے محرومیوں میں آنکھ کھولی تھی جو دنیا میں آئی تو بدقسمتی سے باپ کے پرشفقت سائے سے محروم تھی وہ ڈری سہمی سیدھی سادی لڑکی جو ماں کی موت کے بعد حیدر ولا میں آ گئی تھی وہ خواب دیکھتی تھی بہت عام سے خواب تھے اس کے، اس نے کبھی کسی شہزادے کی تمنا نہیں کی تھی۔

قسمت نے اس کے ساتھ عجیب کھیل کھیلا تھا اسے بن مانگے ہی شہزادوں جیسی آن بان رکھنے والا شخص مل گیا تھا پر اتنا بھیانک شہزادہ اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا وہ بہت حساس دل کی مالک تھی دانستہ اس نے کبھی چیونٹی بھی نہیں ماری تھی امی نے بچپن سے ہی یہ بات سمجھائی تھی کہ بے زبان جانور بھی بددعا دیتے ہیں انہیں تنگ نہیں کرنا چاہیے۔

اس دن اسے لگا تھا اسے کسی نے بددعا دی ہے "معیز رضا" اسے بددعا ہی لگا تھا۔

☆☆☆

وہاں اب اس کے لیے کچھ نہ تھا اسے حیدر رضا سے شدید بےزاری تھی اور عدن کو دیکھ کر اس کا دل چاہتا وہ اسے جان سے مار دے کیونکہ اسے لگتا یہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے نہ وہ آتی اور نہ یہ سب ہوتا وہ ماما کی موت ذمہ دار بھی اسے ہی سمجھتا تھا، اس کی وجہ سے ان کا ہنستا بستا گھر تباہ ہو گیا تھا، پھر چند دن بعد وہ وہاں سے چلا گیا جاتے ہوئے اس نے یہی سوچا تھا کہ اب بھی دوبارہ یہاں قدم نہیں رکھے گا۔

پر قسمت اسے چند ماہ بعد پھر سے حیدر ولا میں لے آئی تھی حیدر رضا کی موت کا سن کر وہ دوڑا ہوا آیا تھا اس کا خیال تھا کہ وہ حیدر رضا سے شدید نفرت کرتا ہے پر نہیں۔

وہ حیدر رضا سے نفرت نہیں کر سکا تھا، وہ ان کی موت پر بچوں کی طرح رو رہا تھا وہ اپنے سنگدل باپ سے نفرت نہیں کر سکا تھا اس نے سعادت مند بیٹوں کی طرح ان کی میت کو کاندھا دیا تھا انہیں اپنے ہاتھوں سے مٹی کے سپرد کیا تھا اور چند دن بعد ان کا آفس سنبھال لیا تھا۔

وہ اب عدن کے منحوس وجود کو ایک منٹ بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کرنا چاہتا تھا پر قسمت کو ابھی ایسا منظور نہیں تھا عدن کی حالت کے پیش نظر اسے اپنا ارادہ کینسل کرنا پڑا تھا۔

اپنے بیٹے کی پیدائش پر وہ بہت خوش تھا عرصے بعد وہ اتنا خوش ہوا تھا۔

گزرے وقت نے اس کے دل سے عدن کی نفرت ختم تو کیا ذرا بھی کم نہیں کی تھی وہ آج بھی اس سے شدید نفرت کرتا تھا وہ اب بھی اس کی شکل دیکھنے کا روادار نہ تھا پر اپنے بیٹے کے خاطر اسے کچھ عرصہ اور برداشت کرنا تھا اتنا چھوٹا بچہ ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا یوں ان کے لئے اس

نے عدن کو کچھ عرصہ اور اپنے گھر میں جگہ دے دی تھی پر اپنی زندگی نہ پہلے جگہ دی تھی نہ اب دینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

اویس کے سمجھانے کے باوجود وہ اپنے فیصلے پر قائم تھا زندگی نے اس کے ساتھ جتنی من مانی کرنی تھی کر لی وہ اب کسی کی نہیں سنے گا وہ اب کسی کے دباؤں میں نہیں آئے گا، وہ اپنی زندگی کا ہر فیصلہ خود کرے گا۔

آج بھی ایک معروف دن گزار کر وہ تھکا ہوا آفس سے آیا تھا گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی، اس نے حیان کی تلاش میں اردگرد نظر دوڑائی۔

''صاحب کھانا لگا......''

''حیان کہاں ہے؟'' ملازمہ کھانے کا پوچھ آئی تو اس نے پوری بات سنے بغیر حیان کا پوچھا۔

''اسے عدن بی بی اپنے ساتھ لے گئی ہے۔''

''کہاں......؟'' معیز کے قدم رک گئے۔

''اپنی کسی دوست کے گھر گئی تھی صبح، ابھی تک نہیں آئی۔'' ملازمہ خود بھی پریشان تھی عدن آج تک کہیں باہر نہیں گئی تھی اور آج صبح کی گئی ابھی تک نہیں آئی تھی۔

''کون سی دوست؟ اچانک سے کون سی دوست پیدا ہو گئی اس کی اور وہ صبح سے غائب ہے اور تم لوگوں نے مجھے فون کیوں نہیں کیا؟'' معیز چلایا تھا ہوش کیسے اڑتے ہیں یہ آج معیز کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا۔

''وہ...... صاحب...... ہم سمجھے...... کہ۔'' معیز کے غصے کو دیکھ کر ملازمہ سہم سی گئی۔

''کس کے ساتھ گئی تھی وہ؟ ڈرائیور کہاں ہے؟'' اس نے بریف کیس سائیڈ پر پھینکا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا تیزی سے کمرے سے نکلا۔

''وہ عدن بی بی ڈرائیور کے ساتھ نہیں گئی، ڈرائیور کو انہوں نے کام سے بھیج دیا تھا خادم سے ٹیکسی منگوائی تھی۔'' ملازمہ نے جلدی سے بتایا۔

''خادم کہاں ہے؟''

''وہ باہر لان میں......''

''اسے بلا کر لاؤ جلدی۔'' فوراً سے اسے حکم کی تعمیل ہوئی کچھ ہی دیر بعد مالی بوتل کے جن کی طرح حاضر تھا۔

''جی...... جی صاحب۔'' مالی نے کندھے پر رکھے رومال سے ماتھے کا پسینہ صاف کیا۔

''صبح بی بی نے تم سے ٹیکسی منگوائی تھی؟''

''جی صاحب!''

''ٹیکسی والے سے اس نے کہاں جانے کا کہا تھا؟''

''یہ نہیں پتہ صاحب! بس مجھے کہا ٹیکسی لے آؤ میں ٹیکسی لے آیا تو بولیں اپنا کام کرو میں اپنے کام میں لگ گیا مجھے نہیں پتہ وہ کہاں......؟''

''تم اس ٹیکسی والے کو پہچان لو گے؟'' معیز نے سوالیہ نظروں سے مالی کو دیکھا جس کی عمر پچاس پچپن سے کم نہیں تھی۔

''ج...... جی۔'' معیز عجیب بات کر رہا تھا اس اتنے بڑے شہر میں دو چار ٹیکسی والے نہیں تھے دو تین سو بھی نہیں تھے ان کی اصل تعداد کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

یہ بھی ہو سکتا تھا وہ اس ٹیکسی میں بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن یا بس اسٹینڈ گئی ہو، پانچ گھنٹے بہت تھے وہ کہیں سے کہیں پہنچ سکتی تھی معیز کا دماغ پھٹنے کو تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا وہ سیدھی سادی ڈرپوک سی عدن اسے اتنے آرام

سے ڈاج دے جائے گی۔

"اس کی جرأت کیسے ہوئی، میں اسے جان سے مار دوں گا، ایک بار...... ایک بار مل جائے مجھے۔" پورے شہر میں پاگلوں کی طرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا تھا، پتہ نہیں اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا تھا۔

☆☆☆

"تم خود اسے چھوڑ رہے تھے اب وہ چلی گئی ہیں تو تمہیں کیا پرابلم ہے۔" اویس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے اپنے پاؤں سامنے رکھے ٹیبل پر رکھ دیئے، معیز کے ساتھ پورے شہر کی سڑکوں کی خاک چھانک کر وہ بھی اچھا خاصا تھک چکا تھا۔

"ویسے مان گئے بھابھی کو اتنی بیوقوف بھی نہیں ہیں اس سے پہلے کہ تم انہیں چھوڑتے وہی تمہیں چھوڑ گئیں۔"

"وہ خود بھلے جہنم میں جاتی میری بلا سے، پر میرے بیٹے کو کیوں لے کر گئی، میں اسے زمین کی تہہ سے بھی نکال لوں گا اور اس کا وہ حشر کروں گا کہ دنیا عبرت پکڑے گی۔"

"حشر تو تم نے ویسے بھی ان کا "عبرت" والا ہی کیا ہوا تھا۔" اویس نے طنزیہ نظروں سے معیز کو دیکھا جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"وہ خود کو بہت اوور سمارٹ سمجھتی ہے مجھے مل جائے میں اس کا خون پی جاؤں گا۔"

"تم ڈریکولا والی خصوصیات بھی رکھتے ہو، یہ بات مجھے آج پتہ چلی ہے۔" اویس نے مصنوعی حیرت سے اسے دیکھا اور ساتھ ہی شکوہ بھی کر ڈالا کہ اتنی اہم خصوصیت رکھتے ہو اور مجھے بتایا بھی نہیں۔

"اویس پلیز! یہ بکواس کسی اور وقت کر لینا، تمہیں اندازہ نہیں ہے میں کتنا پریشان ہوں مجھے لگتا ہے میرا دماغ پھٹ جائے گا۔" معیز نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میرا خیال ہے ہمیں پولیس میں رپورٹ درج کروا دینی چاہیے۔" اویس نے ٹیبل پر رکھا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟ کیا عزت رہ جائے گی میری اس شہر میں، معیز رضا کی بیوی گھر سے بھاگ گئی ہے، یہ خبر سن کر لوگ مجھ پر تھوکیں گے۔" معیز کو اس کا مشورہ ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"تو تم لوگوں کو بتا دینا کہ خدانخواستہ وہ بھاگنے والی عورت نہیں تھی بلکہ اسے تم نے مجبور کیا ہے یہ قدم اٹھانے پر۔"

"بکواس مت کرو، میں نے اسے مجبور نہیں کیا وہ خود بھاگی ہے۔" اویس کے اس الزام پر معیز تلملا کر رہ گیا۔

"معیز! اگر وہ بھاگنے والی عورت ہوتی نا تو اتنا عرصہ تم جیسے سنگدل انسان کے ساتھ اپنا ٹائم ویسٹ نہ کرتی بلکہ کسی ڈھنگ کے بندے کے ساتھ عیش کر رہی ہوتی، میرا خیال ہے عدن بھابھی نے ممتا سے مجبور ہو کر یہ قدم اٹھایا ہے تم ان سے ان کا بیٹا چھین رہے تھے تو وہ اپنے بیٹے کو لے کر چلی گئیں۔" اویس نے اسے آئینہ دکھایا۔

"وہ میرا بیٹا ہے۔"

"وہ آسمان سے تمہاری گود میں آ کر نہیں گرا تھا جو تم میرا میرا کی گردان کر رہے ہو، عدن بھابھی ماں ہیں حیان کی، اور یاد رکھو حشر کے دن اولاد ماؤں کے ناموں سے پکاری جائے گی۔"

"اویس پلیز مجھے ان باتوں میں مت الجھاؤ، میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" معیز نے التجائیہ نظروں سے اویس کو دیکھا۔

"اوکے میں چلتا ہوں، رات بہت ہو گئی ہے۔" اویس نے چائے کا خالی کپ ٹیبل پر رکھا اور دیوار پر لگی گھڑی دیکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"تم بھی کچھ دیر آرام کر لو، وہ جہاں بھی ہوں گی خیریت سے ہوں گی۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دینے کے بعد وہ چلا گیا۔

☆☆☆

ایک ہفتہ ہو گیا تھا پر عدن کا کچھ پتہ نہ چلا تھا وہ صبح اس کی تلاش میں نکلتا تھا رات گئے، واپسی ہوئی تھی وہ جانے کہاں چلی گئی تھی معیز ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا تھا، وہ ایک ہفتے سے آفس نہیں گیا تھا۔

"بھائی صاحب بہت آرام کر لیا اب آفس کو بھی رونق بخش دیجئے۔" وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی گھر آیا تھا بیڈ پر دراز چھت کو گھور رہا تھا جب اویس کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"آرام۔" اس نے کمرے میں داخل ہوتے اویس کو غور سے دیکھا وہ مذاق کر رہا تھا یا مذاق اڑا رہا تھا۔

"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" اسے خالی خالی نظروں سے اپنی طرف دیکھتے پا کر اویس نے تشویش سے پوچھا۔

"ہاں بس تھوڑا سر میں درد ہے۔" معیز بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"بالکل مجنوں لگ رہے ہو، بھابھی یاد آ رہی ہیں کیا؟" اس کی بڑھی ہوئی شیو اور سرخ آنکھیں دیکھتے ہوئے اویس نے راز داری سے پوچھا حالانکہ وہ جانتا تھا وہاں یاد کرنے اور یاد آنے والا کوئی سین نہیں تھا عدن کے لئے اس کے دل میں، اس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں تھی۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کی غلطیاں معاف کر دیتے ہیں اور کچھ بھول جاتے ہیں اور کچھ تو اتنے عظیم ہوتے ہیں جو معاف بھی کر دیتے ہیں اور بھول بھی جاتے ہیں ایسے لوگ نایاب ہوتے ہیں اور کچھ معیز رضا جیسے بھی ہوتے ہیں جو نہ بھولتے ہیں اور نہ معاف کرتے ہیں ساری زندگی انتقام کے طریقوں پر غور کرتے رہتے ہیں ایسے لوگ نہ تو خود سکون سے رہتے ہیں اور نہ دوسروں کو رہنے دیتے ہیں۔

"مجھے اس کے ہونے یا نا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" معیز نے تنفر سے کہا۔

"پھر بھی معیز، اتنا عرصہ کسی جانور کے ساتھ بھی رہو تو عادت پڑ جاتی ہے وہ تو پھر بھی تمہاری بیوی تھی۔"

"تم جانتے ہو اگر وہ یہاں ہوتی تو اب تک میں اسے فارغ کر چکا ہوتا۔" معیز کی زندگی میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"ہو سکتا ہے قدرت تمہیں ایک موقع دے رہی ہو سدھرنے کا، تمہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو جائے۔"

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا ہمیشہ میرے ساتھ غلط ہوا ہے۔" معیز بالکل شرمندہ نہیں تھا وہ خود کو حق بجانب سمجھتا تھا۔

"رہنے دو یار، تمہاری مظلومیت کا پتہ ہے مجھے، ٹھیک ہے انکل نے تمہارے ساتھ غلط کیا، لیکن تم نے کون سا اچھا بیٹا بن کر ان کے فیصلے کی لاج رکھی، تم نے کبھی اپنا احتساب کیا ہے کتنی غلطیاں کی ہیں تم نے، تم نہ اچھے بیٹے ثابت ہوئے نہ اچھے شوہر۔" معیز خاموش تھا اویس جانتا تھا معیز ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی غلطیاں تو بھول جاتے ہیں پر دوسروں کی نہیں۔

"تمہیں ڈر نہیں لگتا معیز، تم نے عدن بھابھی پر اتنا ظلم کیا جو لوگ زبان سے کچھ نہیں کہتے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے دل میں

تمہارے لئے کوئی اچھے جذبات ہوں گے ہوسکتا ہے وہ تم سے شدید نفرت کرتی ہوں، صبح و شام تمہیں بددعائیں دیتی ہوں، مظلوم کی آہ ساتویں آسمان تک جاتی ہے۔"

"ظلم تو میرے ساتھ بھی ہوا تھا مظلوم تو میں بھی ہوں۔" معیز نے فوراً کہا تو اویس ہنسا۔

"تم...... مظلوم...... کیوں مذاق کررہے ہو بھائی، اگر تم انکل کے کہنے پر عدن سے شادی کر لی تھی تو پھر تم ماریہ کو بھلا کر انکل آنٹی کی خوشی کے خاطر عدن کے ساتھ نارمل زندگی گزارتے اور اسے خوش رکھتے تو واقعی میں تمہیں مظلومیت کے دو چار نمبر دے دیتا، پر میرے بھائی عرصہ ہوا تم مظلوموں کی صف سے نکل کر ظالموں کی صف میں کھڑے ہو چکے ہو اور حد تو یہ کہ تمہیں احساس تک نہیں ہے۔" اویس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"اویس پلیز یار......" اویس کا طنزیہ لہجہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔

"اوکے...... اوکے میں جا رہا ہوں، کل آفس ضرور آ جانا بہت اہم میٹنگ ہے تمہارا وہاں ہونا بہت ضروری ہے۔" وہ اسے ہدایت دیتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

"میرا نام عدن ہے۔" اس نے اپنا تعارف کروایا، اس فلیٹ میں پہلے سے دو لڑکیاں رہتی تھیں، یہ دو کمروں کا فلیٹ تھا۔

"میرا نام ثمرہ ہے اور یہ رجا ہے۔" گوری چٹی لڑکی نے پہلے اپنا اور پھر ساتھ بیٹھی سانولی لڑکی کا تعارف کروایا۔

"ہم دونوں ایک روم شیئر کریں گے جبکہ تم اکیلی دوسرا روم رکھو گی اس لحاظ سے تمہیں اس فلیٹ کا آدھا کرایہ دینا پڑے گا جبکہ ہم دونوں مل کر آدھا دیں گے۔" رجا نے اسے بتایا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی وہ یہ بات پہلے سے جانتی تھی۔

"کیا کرتی ہو تم؟" ثمرہ نے اس سے اس کا ذریعہ معاش پوچھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں، جاب ڈھونڈنی ہے۔"

"جاب...... کس ٹائپ کی جاب چاہیے تمہیں؟" رجا کے سوال پہ عدن کو حیرت ہوئی اسے سمجھ نہیں آیا تھا وہ کیا پوچھنا چاہ رہی ہے۔

"بس جاب کیسی بھی مل جائے۔" عدن نے معصومیت سے کہا۔

"مطلب یہ کہ ٹیچنگ کرو گی یا آفس جاب؟" ثمرہ نے سوال کی وضاحت کی۔

"ٹیچنگ ٹھیک رہے گی۔" وہ کنفیوژ تھی اسے کیا کرنا چاہیے۔

"تعلیم کیا ہے تمہاری؟"

"انٹر۔" عدن کے جواب پر ثمرہ کو جھٹکا لگا۔

"واٹ...... صرف انٹر اور جاب، محترمہ آپ کو اندازہ ہے اتنی تعلیم کے ساتھ تو آپ کو کسی اچھے انگلش میڈیم اسکول میں چپڑاسی کی جاب ملے گی جبکہ اردو میڈیم میں شاید کوئی اللہ کا بندہ پی ٹی ٹیچر رکھ لے۔" رجا دل کھول کر ہنسی تھی۔

"جہاں ایم اے، ڈبل ایم اے سڑک ناپ رہے ہوں وہاں انٹر کی کیا ویلیو ہوگی۔" عدن خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر چھائے مسکینیت پر آخر کار ثمرہ کو ترس آ ہی گیا۔

"تم کہو تو میں تمہیں ایک بوتیک میں لگوا سکتی ہوں میں نے بھی شروع میں وہیں کام کیا تھا مسز ہمدانی بہت اچھی خاتون ہیں۔"

"اگر آپ ایسا کر دیں تو میں آپ کی بہت مشکور ہوں گی۔" عدن نے تشکر بھری نظروں سے ثمرہ کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے کل آفس سے واپسی پر میں ان کے پاس جاؤں گی۔"

"میں اپنے بیٹے کو کہاں چھوڑوں گی کیا وہاں ساتھ رکھنے کی اجازت ہوگی؟" عدن کو حیان کی فکر تھی۔

"نہیں یہاں تھرڈ فلور پر مسز نثار رہتی ہیں بلڈنگ کی ساری ورکنگ ویمنز اپنے بچے انہیں کے پاس چھوڑ کر جاتی ہیں۔" ثمرہ نے فوراً اس مسئلے کا حل بتایا۔

"وہ قابل اعتماد خاتون ہیں؟" عدن نے سوالیہ نظروں سے ثمرہ کو دیکھا۔

"ہاں، کیونکہ یہ ان کا کاروبار ہے بچے رکھنے کا وہ اچھا خاصا معاوضہ لیتی ہیں۔"

"اچھا اب کام کا فیصلہ ہو جائے۔" رجا نے ان دونوں کی توجہ گھر کے کام کی طرف مبذول کروائی۔

"صبح کا ناشتہ تم بناؤ گی۔" رجا نے عدن کی طرف اشارہ کیا، عدن نے اثبات میں سر ہلا دیا، صبح جلدی اٹھنا رجا اور ثمرہ دونوں کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف تھا آفس ہی دونوں بہت مشکل سے پہنچتی تھیں۔

"دوپہر کا کھانا ثمرہ کے ذمے اور رات کا میرے ذمے۔" رجا نے بڑی ہوشیاری سے کام بانٹ دیئے تھے۔

"ہم ناشتہ زیادہ ہوی نہیں کرتے اس لئے ڈسٹنگ بھی تم ہی کرو گی۔" ثمرہ نے عدن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور شام کی چائے؟" رجا چائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

"وہ بھی عدن بنائے گی۔" ان دونوں نے کافی سارے کام بڑی آسانی سے اس کے ذمے لگا دیئے تھے وہ خاموشی سے سر ہلاتی رہی تھی۔

"ایک بات بتاؤ۔" رجا نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی پوچھیں؟"

"تمہارے شوہر کو کیا ہو گیا تھا؟" رجا کے سوال پر عدن نے حیرت سے اسے دیکھا وہ اس کے سوال کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔

"مجھے مسز اعظمی نے بتایا تھا کہ کوئی بیوہ لڑکی ہے تو میں سمجھی کہ کوئی ایجڈ سی عورت ہوگی بٹ تم تو...... اتنی سی عمر میں بیوگی چچ چچ چچ۔" رجا کو افسوس سے سر ہلاتے دیکھ کر عدن حق دق رہ گئی۔

"بیوہ۔" عدن نے ان دونوں کو دیکھا وہ دونوں ترحم بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں عدن نے ذہن پر زور دے کر یاد کرنا چاہا کہ اس نے ایسی بات کب کہی تھی، مسز اعظمی اس فلیٹ کی مالک تھیں۔

"مسز اعظمی نے ایسا کیوں کہا؟"

"میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے میرے بیٹے کے علاوہ۔" اسے فوراً اپنا کہا ہوا جملہ یاد آیا، یعنی انہوں نے اس جملے کو یہ مطلب لے لیا تھا، عدن کو بات سمجھ آ گئی۔

"اوہ آئی ایم سوری، مجھے اندازہ نہیں تھا میرا سوال تمہیں اتنا دکھی کر دے گا۔" عدن کو خاموش سوچوں میں گم دیکھ رجا نے فوراً معذرت کی، عدن چپ رہی اس نے ان کی غلط فہمی دور نہیں کی، غلط فہمی دور کرتی تو ان کے ڈھیروں سوالات کے جواب دینے پڑتے، حیان کے رونے کی آواز اسے حال میں لے آئی تھی، وہ اٹھ

کر تیزی سے کمرے میں گئی وہ حیان کو سلا کر باہر آ گئی تھی حیان اٹھ گیا تھا اور اسے وہاں نہ پا کر زور زور سے رو رہا تھا اس نے آگے بڑھ کر حیان کو گود میں لیا اور اس کا فیڈر بنانے کی غرض سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"سنو تم اپنے اس باجے کو چپ کروا کے رکھنا ہم صبح گھر سے نکلتے ہیں سارا دن آفس میں مغز ماری کر کے گھر آرام کرنے آتے ہیں۔" رجا نے ناگواری سے کہا اسے اپنے آرام کی فکر ستا رہی تھی کہیں عدن کو اپنے ساتھ رکھنا انہیں مہنگا نہ پڑ جائے۔

"حیان زیادہ روتا نہیں ہے آج جگہ چینج ہوئی ہے نا تو اس لئے اتنا رو رہا ہے کچھ دنوں میں ایڈجسٹ ہو جائے گا۔" عدن نے اسے چپ کرواتے ہوئے کہا اور کچن میں جا کر حیان کے لئے دودھ گرم کرنے لگی۔

صبح اٹھنے کے لئے اسے کسی آلام کی ضرورت نہیں تھی حیان فجر سے پہلے اٹھ جاتا تھا حیان کے کاموں سے فارغ ہو کر اس نے نماز پڑھی اور کچن کی طرف چل پڑی، جب رجا اور ثمرہ اٹھی وہ ناشتہ تیار کر چکی تھی۔

"ارے واہ تم تو بہت کام کی لڑکی ہو۔" ناشتہ تیار دیکھ کر ثمرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینک گاڈ آج میں وقت پر آفس پہنچ جاؤں گی ورنہ وہ بڈھا منیجر روز دس باتیں سناتا ہے۔" رجا نے کہا اور جلدی جلدی ناشتہ کرنے لگی، ناشتے سے فارغ ہو کر وہ دونوں آفس چلی گئیں، وہ کمرے میں آ گئی، حیان کھلونوں سے کھیل رہا تھا اور اسے الٹے سیدھے خدشے ستا رہے تھے۔

"اگر وہ یہاں تک پہنچ گئے تو؟" وہ آگے کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی اس لئے سر جھٹک کر حیان کے اور اپنے کپڑے الماری میں سیٹ کرنے لگی۔

☆☆☆

ثمرہ نے عدن کو بوتیک میں جاب دلوا دی تھی عدن حیان کو مسز نثار کے پاس چھوڑ کر جاتی تھی شروع شروع میں اسے سارا دن حیان کی فکر رہتی عجیب عجیب سے وہم ستاتے رہتے تھے پھر یہ اس کی روٹین کا حصہ بن گیا، مسز نثار بہت اچھی خاتون تھیں، چھٹی کے بعد وہ حیان کو لے کر ہی گھر جاتی تھی۔

"ارے واہ تم تو چھپی رستم نکلی اتنے خوبصورت ڈیزائن۔" مسز ہمدانی کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت تھی۔

"تم نے فیشن ڈیزائننگ کی ڈگری لی ہوئی ہے کیا؟" مسز ہمدانی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں۔" عدن نے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر کوئی کورس، کوئی ڈپلومہ؟"

"نو میم۔" اس کے انکار پر مسز ہمدانی کو حیرت ہوئی

"یہ مجھے امی سے ورثے میں ملا ہے۔" عدن نے ان کی حیرت دور کی۔

"تمہاری مدر کوئی......"

"نو میم، وہ ایک عام سی عورت تھیں گھر پر لوگوں کے کپڑے سلائی کرتی تھیں۔" مسز ہمدانی کا سوال وہ سمجھ گئی تھی اس لئے فوراً جواب دیا، مسز ہمدانی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

"تم یوں کرو عدن؟ اپنے یہ ڈیزائنز مہر کو دکھاؤ، وہ تمہاری رہنمائی کرے گی، کچھ دن تم اس کے ساتھ کام کرو، پھر سمجھو تمہاری پروموشن ہو

جائے گی اور سیلری بھی ڈبل۔" مسز ہمدانی نے مسکراتے ہوئے کہا، عدن حیرت سے انہیں دیکھے گئی، اسے سمجھ نہ آئی خوشی کا اظہار کیسے کرے۔

"مجھے خوش ہونا نہیں آتا شاید۔" مسز ہمدانی کے آفس سے نکلتے ہوئے اس نے اداسی سے سوچا۔

☆☆☆

"واؤ۔" ان دونوں کے چہروں پر خوشگوار حیرت تھی۔

"اس پر تو ٹریٹ بنتی ہے۔" رجا نے مسکراتے ہوئے فرمائش کی۔

"ہاں کیوں نہیں ضرور۔"

"تم یوں کرنا دو دن میرے حصے کا کام کر دینا، دو دن میری لنچ بنانے سے جان چھوٹ جائے گی یہی میرے لئے ٹریٹ ہو گی۔" ثمرہ کو روز آفس سے آ کر کچن میں جانا پڑتا تھا دو تین بار وہ ہوٹل سے کھانا پیک کروا کر لائی تھی پر روز روز باہر کا کھانا وہ افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

"اور دو دن میری جگہ ڈنر بنا دینا۔" رجا نے بھی ثمرہ کی دیکھا دیکھی کام سے جان چھڑانی چاہی۔

"ٹھیک ہے اور حیان کو دو دن تم لوگ سنبھالو گی۔" عدن کی بات پر دونوں نے کان پکڑے۔

"معاف کرو یار، ہم اپنے کام خود کر لیں گے، تم اپنے صاحبزادے کو اپنے پاس رکھو، کل پارلر سے بال سیٹ کروائے تھے غلطی سے تمہارے بیٹے کو گود میں لیا موصوف نے میری وہ درگت بنائی کہ نہ پوچھو۔" رجا کی بات پر عدن بے ساختہ ہنسی، ان تینوں میں اچھی خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

عدن کو گئے ایک ماہ ہو گیا تا معیز آفس سے آ کر گاڑی لئے دیر تک سڑکوں کی خاک چھانتا رہتا تھا اس امید پر کہیں وہ تو نظر آئے گی کبھی تو وہ ملے گی۔

"صاحب کھانا۔" وہ نفی میں سر ہلاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، کمرے میں ہر چیز ترتیب سے رکھی تھی اس کے کمرے میں جتنی ترتیب تھی اس کی زندگی میں اتنی ہی بے ترتیبی۔

اس نے گاڑی کی چابی اور والٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور جوتے اتار کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

"معیز تمہیں بددعاؤں سے ڈر نہیں لگتا، مظلوم کی آہ ساتویں آسمان تک جاتی ہے۔" اویس کی آواز اس کے کانوں میں گونجی اس نے بے چینی سے کروٹ بدلی۔

"ظلم تو میرے ساتھ بھی ہوا تھا، مظلوم تو میں بھی ہوں۔" اس کے کانوں میں اویس کی ہنسی گونجی اسے لگا اویس کے ساتھ ساتھ یہ در و دیوار بھی اس پر ہنس رہے ہیں۔

"تم......اور مظلوم......؟"

"اگر تم اپنے ماں باپ کے خاطر ماریہ کو بھلا کر عدن کو اپنا لیتے اور اسے خوش رکھتے تو میں تمہیں مظلومیت کے دو چار نمبر دے ہی دیتا اور تم مظلوموں کی صف کے آخری ممبر ہوتے۔"

"کیوں کر رہے ہو ایسا، کیوں قصور ہے ان کا؟"

"میرا کیا قصور تھا؟"

"میرا قصور......؟ اس کا قصور......؟" معیز نے سائیڈ ٹیبل سے سلیپنگ پلز نکالی اور پانی کے ساتھ نگل لی، کئی دنوں سے یہ اس کا معمول تھا۔

"ہو سکتا ہے زندگی تمہیں ایک موقع دے رہی ہو سد ھرنے کا۔"

"مجھے کسی موقع کی ضرورت نہیں ہے زندگی نے بہت من مانی کر لی میرے ساتھ، اب میں کسی کی نہیں سنوں گا، میرے دل میں میری زندگی میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

غنودگی میں جاتے ہوئے اس کا کانوں میں اپنے کہے ہوئے جملے گونج رہے تھے۔

پگھل پتھر بھی سکتے ہیں
الٹ دریا بھی سکتا ہے
جو شب مجھ پہ ہنستی ہے
محبت ہو بھی سکتی ہے

☆☆☆

"تم شادی شدہ ہو۔" عدن نے حیرت سے سامنے بیٹھی ثمرہ کو دیکھا۔

"ہوں نہیں تھی اب طلاق یافتہ ہوں۔" ثمرہ نے اپنا حالیہ سٹیٹس بتایا، عدن حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی اسے اتنی حیرت ہوئی کہ وہ کچھ بول بھی نہ پائی۔

"میں نے گھر سے بھاگ کر شادی کی تھی۔" عدن کو ایک اور جھٹکا لگا۔

"بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ میں شادی کرکے بھاگی تھی، کیونکہ میں نے بھاگنے سے پہلے کورٹ میرج کی تھی۔"

"میں نے بھی ایسے سینکڑوں قصے سنے ہوئے تھے جس میں گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیاں بیچ دی جاتی تھی یا کوٹھوں کی زینت بنتی تھیں، لیکن میرے ان قصوں سے عبرت لینے کا وقت نہیں تھا کیونکہ محبت کا شدید اٹیک تھا اور یوں تو محبت اندھی ہوتی ہے، اور شادی نظر ٹیسٹ کرنے کا بہترین طریقہ۔" ثمرہ ہنسی تھی اس کی اس ہنسی میں دکھ کرب اور جانے کیا کچھ تھا۔

عدن ابھی حیان کے لئے دودھ گرم کرکے فیڈر میں ڈال کر لائی تھی حیان فیڈر تھامنے کو بے تاب تھا مگر عدن تو آنکھوں میں ڈھیروں حیرت لئے سامنے بیٹھی ثمرہ کو دیکھ رہی تھی، وہ اتنے عرصے سے ساتھ رہ رہی تھیں لیکن ان میں سے کوئی کسی کے ماضی سے واقف نہیں تھا۔

عدن کی بے توجہی پر حیان نے گلا پھاڑ لیا تھا عدن فوراً ہوش میں آئی اور فیڈر اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور خود ثمرہ کو دیکھنے لگی وہ مزید سننا چاہتی تھی۔

"پھر......؟"

"میں اس کے خاطر سب کچھ چھوڑ دیا تھا لیکن میری قربانیوں کے باوجود میرا کردار اس کی نظر میں مشکوک تھا، کچھ عرصہ ہم چھپ کر رہے پھر وہ مجھے اپنے گھر لے گیا، اس کے گھر والوں نے مجھے دل سے قبول نہیں کیا تھا کچھ دن وہ میرے ساتھ ٹھیک رہا پھر اس کا رویہ بہت ہتک آمیز ہو گیا تھا وہ محبت جس کے لئے میں نے سب کچھ قربان کیا تھا اس کا تو کہیں نام و نشان بھی نہیں رہا تھا مجھے اندازہ ہو گیا تھا میں نے گھاٹے کا سودا کیا ہے اپنے ماں باپ بہن بھائیوں کو زندہ درگور کر دیا تھا میں نے، میرے پاس برداشت کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا، میں اس آس پر عاصم کے ظلم و ستم برداشت کرتی رہی کہ کبھی تو اس کے دل میں سوئی ہوئی محبت جاگے گی، وہ غصے میں مجھے مارتا میں خاموشی سے پٹتی رہتی کبھی پلٹ کر جواب نہ دیتی، اس کے گھر والوں کے طعنے برداشت کرتی صرف، اس آس پر کہ کبھی تو انہیں احساس ہو گا میں دن رات ان کی خدمت میں جتی رہتی ہوں پھر ایک دن عاصم نے غصے میں مجھے طلاق دے دی، جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اسے احساس ہوا کہ اس نے کیا کیا ہے، اس نے بہت منتیں کیں کہ میں یہ بات کسی کو نہ بتاؤں خاموشی سے اس کے ساتھ رہوں، اس نے مجھے دنیا میں تو کہیں کا نہیں چھوڑا تھا وہ میری آخرت بھی خراب کرنا چاہ رہا تھا، میں کوئی بدکردار لڑکی نہیں تھی میں تو بہت سیدھی سادی لڑکی تھی مجھے تو اس شیطان نے بہکا دیا تھا تبھی اتنی محبت کرنے والے ماں باپ کو جیتے جی مار دیا میں نے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ نادم سی سر جھکائے بیٹھی اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی اس نے انجانے میں آگ میں ہاتھ ڈال دیئے تھے وہ یہ بھول گئی تھی آگ دیکھنے میں سرخ ہوتی ہے پر اس سے جلے ہوئے سیاہ ہو جاتے ہیں۔

"میں یہ نہیں کہتی کہ میرا کوئی قصور نہیں تھا اس سارے قصے میں، میرا قصور تھا تو میں آج اس کی سزا بھگت رہی ہوں عاصم کے ساتھ جتنا عرصہ گزارا اسے بھی سزا میں ہی شمار کر لو، میرے ماں باپ میں بہن بھائی سب ہیں مگر میں پھر بھی تنہا زندگی گزار رہی ہوں، بالکل تنہا، یہ بھی تو سزا ہے نا۔"

"اس نے بہت روکا، مجھے بہت واسطے دیئے کہ میں یہ بات کسی کو نہ بتاؤں اور اسے نہ چھوڑوں، پر میں اس کے ساتھ کس رشتے سے رہتی، مجھے خدا کو منہ دکھانا تھا، میرے دل میں عاصم کی محبت موجود تھی لیکن پھر میں نے اس محبت کا گلا گھونٹ دیا، میں نے گھر سے بھاگ کر غلط کیا تھا پر میں نے عاصم سے شادی کی تھی کوئی جرم یا گناہ نہیں کیا تھا، اپنی کی ہوئی غلطی کی سزا میں بھگت رہی ہوں، میں نے دنیا میں تو گھاٹے کا سودا کر لیا پر آخرت کا گھاٹا مجھے کسی طور قبول نہیں ہے۔" ثمرہ خاموش ہو گئی تھی۔

کچھ دیر بعد جھٹکے سے دروازہ کھلا اور رجا شاپنگ بیگز سے لدی پھدی گھر میں داخل ہوئی، ثمرہ اب بڑے اشتیاق سے اس کی شاپنگ دیکھ رہی تھی۔

"عدن! یہ دیکھو یہ پرنٹ کتنا خوبصورت ہے۔" ثمرہ نے اس کی توجہ رجا کے سوٹ کی طرف مبذول کروانی چاہی۔

"ہوں۔" عدن نے اثبات میں سر ہلایا، وہ کوشش کے باوجود بھی اس کی شاپنگ میں دلچسپی نہیں لے سکی تھی وہ تو اب تک ثمرہ کی باتوں میں الجھی ہوئی تھی۔

اس نے بہت پہلے اپنی ڈائری میں ایک نظم لکھی تھی اسے بے ساختہ وہ نظم یاد آئی۔

رات کی کوکھ سے
صبح کی ایک ننھی کرن نے یوں جنم لیا
شب نے ننھی شفق کی گلابی
حسین مٹھیاں کھول کر
کچھ لکیریں پڑھیں
اور صبا سے نہ معلوم چپکے سے کیا کہہ دیا
یوں کہ شبنم کی آنکھ سے آنسو بہے۔
اک ستارہ ہنسا
چاندنی مسکراتی ہوئی چل پڑی
اور نفاست سے پہلو بدلتے ہوئے
چونک کر میری ماں نے بہت شوق سے
کچھ اشارہ کیا
آہٹوں اور سرگوشیوں میں کسی نے کہا
آہ لڑکی ہے یہ
اتنی افسردہ آواز میرے خدا
میری پہلی سماعت پہ لکھی گئی
میری پہلی ہی سانسوں میں گھولا گیا

ان شکستہ بچوں کا زہریلا پن
آہ لڑکی ہے، لڑکی ہے
اس کی قسمت کی مانگو دعا

☆☆☆

وہ ڈنر کے بعد گاڑی لے کر نکل گیا تھا اور بے مقصد شہر کی سڑکوں پہ دوڑا رہا تھا اس کی زندگی سے سکون ختم ہو گیا تھا وہ تنہا تھا بالکل تنہا اور یہ تنہائی اس نے خود اپنے لئے منتخب کی تھی۔

نہ منزل ہوں نہ منزل آشنا ہوں
مثال برگ اڑتا پھر رہا ہوں
میری آنکھوں کے خشک و تر میں جھانکو
کبھی صحرا کبھی دریا نما ہوں
وہ ایسا کون ہے جس سے بچھڑ کر
خود اپنے شہر میں تنہا ہوا ہوں
میری انفاس کی توقیر کرنا
بڑی مشکل سے میں زندہ ہوا ہوں
جو میری روح میں اترا ہوا ہے
میں اس سے بے تعلق بھی رہا ہوں
بتاتا کیوں نہیں کوئی کہ اب میں
کہاں ہوں کس طرف کو جا رہا ہوں
سلا دو اے ہواؤ اب سلا دو
بہت راتوں کا میں جاگا ہوا ہوں

معیز نے گاڑی اویس کے گھر کی طرف موڑ لی۔

''شکر ہے تم نے ان بے چین اور بے تاب نگاہوں کو اپنا دیدار کروا دیا میں تو ترس ہی گیا تھا۔'' اویس اسے دیکھتے ہی بولا، وہ پچھلے دو ہفتے سے آفیشل کام کے سلسلے میں اسلام آباد گیا ہوا تھا۔

''کام ہو گیا؟'' معیز نے اس سے اسلام آباد میں ہونے والے کام کے متعلق پوچھا۔

''یس باس سارا کام نمٹا کر آیا ہوں وہاں کا، بس اب تم حیدر آباد جا کر جونیجو صاحب سے مل لو۔''

''میں......؟'' معیز نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں تم...... مانا کہ میرے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم سارا کام میرے سر تھوپ دو، میں رات دن کام کر کر کے بیمار ہو جاؤں اور ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی۔'' اویس نے چہرے پر مسکینیت طاری کرتے ہوئے حسرت سے کہا۔

''او کے، میں حیدر آباد چلا جاؤں گا۔'' اویس کے چہرے سے جھلکتی تھکاوٹ دیکھ کر اسے اویس پر واقعی ترس آیا، وہ کافی دنوں سے کام کے سلسلے میں سفر کر رہا تھا۔

''ہاں یاد آیا، ایئر پورٹ پر مجھے ماریہ ملی تھی۔'' چائے کی طرف بڑھتا معیز کا ہاتھ ایک پل کے لئے رکا تھا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو نارمل کر لیا۔

''اچھا، کیا کر رہی ہے آج کل وہ؟'' معیز نے بہت عام سے لہجے میں پوچھا۔

''دوسرے شوہر کو چھوڑنے کے بعد تیسرے کی تلاش میں لگی ہوئی ہے۔'' معیز کو جھٹکا لگا اویس اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

''اور ایک مزے کی بات سنو، مجھ سے میرا ایڈریس مانگ رہی تھی کہہ رہی تھی اسے مجھ سے مل کر بہت خوشی ہوئی وہ مجھ سے دوبارہ ملنا چاہے گی، ہے نا لطیفہ؟ جس اویس سے اس کی کبھی ایک منٹ نہیں بنتی تھی اس سے وہ دوبارہ ملنے کی بات کر رہی تھی۔'' اویس ہنس رہا تھا۔

''پھر...... تو نے ایڈریس دیا؟'' معیز نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں میں نے اسے کہہ دیا کہ مجھے اس سے مل کر بالکل خوشی نہیں ہوئی اور میں اس سے دوبارہ بالکل نہیں ملنا چاہوں گا۔'' معیز کے ہاتھ سے چائے کا کپ گرتے گرتے بچا، معیز کو حیرت ہوئی تھی حالانکہ اسے حیرت ہونی نہیں چاہیے تھی وہ اویس کے صاف گو پلس منہ پھٹ ہونے سے اچھی طرح واقف تھا۔

''پھر......؟''

''پھر کیا تھا ہنستے ہوئے بولی تم آج بھی اتنے ہی مزاحیہ ہو، تو میں نے کہا نہیں ماریہ ڈیئر میں اب پہلے سے بھی مزاحیہ ہو گیا ہوں۔'' اویس دل کھول کر ہنس رہا تھا وہ اپنی کارگزاری پر بہت خوش تھا۔

کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کر کے معیز وہاں سے اٹھ گیا، کل اسے حیدر آباد جانا تھا گھر جا کر سامان چیک کرنا تھا وہاں اسے دو تین دن لگ جانے تھے واپسی کا سارا راستہ وہ حیرت سے سوچتا رہا ماریہ کے ذکر پر اس کے دل و دماغ میں ہلچل کیوں نہیں مچی، یہ وہی ماریہ تھی جس سے کسی دور میں وہ شدید محبت کرتا تھا۔

☆☆☆

اسے مسز نثار کا فون آیا تھا حیان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ مسز ہمدانی کو بتا کر بوتیک سے نکلی، سامنے سے آتا رکشہ روک کر ڈرائیور کو ایڈریس سمجھانے کے بعد رکشے میں بیٹھ گئی۔

سڑک کے دوسری طرف ریسٹورنٹ کی گلاس وال سے معیز نے جیسے ہی اسے دیکھا تھا فوراً دوڑتا ہوا گاڑی تک آیا تھا لیکن تب تک وہ رکشہ آنکھ سے اوجھل ہو چکا تھا۔

''اوہ شٹ۔'' معیز کو خود پر غصہ آیا تھا۔

''چلو یہ تو معلوم ہو گیا وہ یہاں اس شہر میں چھپی بیٹھی ہے، لیکن وہ یہاں اس بوتیک میں کیا کر رہی تھی؟ اس کے حلیے سے نہیں لگ رہا تھا کہ شاپنگ کرنے آئی ہو گی اور اس کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے ہوں گے؟ گھر سے تو وہ کچھ نہیں لائی تھی؟'' اس کے ذہن میں بہت سے سوالات تھے ان کا جواب عدن کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا تھا، پھر بھی جانے کیوں وہ سڑک پار کر کے اس بوتیک میں آ گیا۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ یہاں شاپنگ کے لئے آئی تھی تو واپسی میں اس کے ہاتھ میں کوئی شاپنگ بیگ کیوں نہیں تھا؟ وہ سامنے لٹکے سوٹوں کو بے دھیانی سے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے اسے کچھ پسند نہ آیا ہو۔'' وہ ایسے سوٹ دیکھ رہا تھا جیسے واقعی وہ شاپنگ کے لئے یہاں آیا ہے لیکن اس کا دماغ کہیں اور تھا۔

''تہمینہ! عدن کہاں ہے؟'' دائیں طرف بنے کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی سے کسی نے پوچھا تھا اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے اس نے مڑ کر پوچھنے والی کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔

''اسے ابھی گھر سے فون آیا تھا اس کے بیٹے کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ مسز ہمدانی سے چھٹی لے کر چلی گئی ہے۔'' اس دنیا میں بہت سی عدن ہو سکتی تھیں لیکن اس کو ایک سو ایک فیصد یقین تھا کہ یہ وہی عدن ہے جس کے لئے وہ اتنے عرصے سے خوار ہو رہا تھا اور وہ یہاں کام کرتی ہے۔

کچھ دیر بعد وہ مسز ہمدانی کے آفس میں بیٹھا تھا، مسز ہمدانی آنکھوں میں حیرت لئے سامنے بیٹھے اس شاندار شخص کو دیکھ رہی تھیں جو اپنا کارڈ نہ بھی دکھاتا تو بھی انہیں اندازہ ہو جاتا کہ وہ کس

کلاس سے تعلق رکھتا ہے۔

"عدن اس شخص کی بیوی ہے تو یہاں کیوں؟" مسز ہمدانی کے ذہن میں ڈھیروں سوالات تھے۔

"پلیز مسز ہمدانی یہ میرا انتہائی پرسنل میٹر ہے میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔" مسز ہمدانی نے ابھی کچھ پوچھنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ معیز ان کا ارادہ بھانپ گیا تھا۔

مسز ہمدانی نے فوراً ایک چٹ پر ایڈریس لکھ کر سامنے بیٹھے شخص کو تھما دیا۔

"بہت شکریہ۔" کہتا وہ وہاں سے چلا گیا، مسز ہمدانی بہت دیر تک ساکت سی بیٹھی دروازے کو دیکھے گئیں جہاں سے کچھ دیر پہلے معیز رضا گیا تھا۔

☆☆☆

حیان کی طبیعت اب کافی بہتر تھی عدن اسے نہلا رہی تھی ثمرہ اور رجا سپیڈو فلیکس چینل لگائے بڑے جوش و خروش سے میچ دیکھ رہی تھیں دروازے پر ناک ہو رہی تھی پر ان دونوں میں سے کوئی اٹھنے کو تیار نہ تھا آخر کار ڈھیٹ بن کر رجا کو ہی جانا پڑا اس نے صوفے پر دراز ثمرہ کو ایک گھوری پاس کی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"جی فرمائیے۔" باہر کھڑے شاندار شخص کو دیکھ کر اس نے بڑی مشکل سے اپنی حیرت پر قابو پا کر شائستگی سے پوچھا۔

"عدن یہیں رہتی ہیں؟"

"جی...... آپ کون؟" سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا وہ اندر آنا چاہ رہا ہے پر اسے اندر بلانے سے پہلے یہ سوال ضروری تھا اتنے عرصے میں عدن سے ملنے کوئی عام سا بندہ نہیں آیا تھا کہاں یہ اتنا شاندار شخص......

"میں اس کا شوہر ہوں۔"

"شہ......شہ......شو......شوہر۔"

"مردے زندہ بھی ہو سکتے ہیں؟ یہ اتنا شاندار اور سوئڈ بوٹڈ بھوت۔" رجا کی آنکھیں اور منہ دونوں کھلے کے کھلے رہ گئے تھے یہ شکر تھا کہ وہ کمزور دل کی مالک نہیں تھی اگر ہوتی تو اب تک اس کا ہارٹ فیل ہو سکتا تھا، عدن کے مرے ہوئے شوہر کو دیکھ کر اور اتنا شاندار ہینڈسم اور ڈیشنگ بھوت دیکھ کر۔

"پر وہ تو...... بیوہ......؟"

"واٹ۔" معیز چلایا اگر فل والیم میں ٹی وی نہ چل رہا ہوتا تو یہ آواز با آسانی عدن تک پہنچ جاتی۔

"ج......ج...... جی اس نے تو یہی بتایا تھا۔" معیز کی غم و غصے سے بری حالت دیکھ کر اس نے جلدی سے بتایا اور دو قدم پیچھے ہٹی مبادا کہیں وہ غصے میں اس کا سر نہ پھاڑ دے۔

اندر داخل ہوتے شخص کو دیکھ کر ثمرہ نے سوالیہ نظروں سے رجا کو دیکھا۔

"کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں وہ اس وقت کہاں ہے؟" معیز نے ایک نظر سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا دونوں کمروں کے دروازے بند تھے وہ کنفیوز تھا کس طرف جائے۔

رجا نے فوراً عدن کے کمرے کی طرف اشارہ کر دیا، معیز تیزی سے دائیں طرف والے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"حیان کی دوائیں پکڑانا، ٹیبل پر رکھی ہیں۔" وہ حیان کو شرٹ پہنا کر اس کے بٹن بند کر رہی تھی دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھنا ضروری نہیں سمجھا اس کا خیال تھا رجا یا ثمرہ میں سے کوئی ہوگا۔

مردانہ بوٹوں کی آواز پر وہ ٹھٹکی تھی اس کے ہاتھ رک گئے تھے یہ رجا یا ثمرہ کے قدموں کی چاپ نہیں تھی اس نے فوراً گردن موڑ کر پیچھے دیکھا اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

"کیا وہ خواب دیکھ رہی ہے؟ اف اتنا بھیانک خواب، اے خدا اگر یہ خواب ہے تو میری آنکھ کھل جائے۔"

اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کی سانس رک گئی تھیں کاش اسے کے پاس سلیمانی چادر ہوتی اور وہ غائب ہو جاتی، وہ کبھی بھی اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی وہ جانتی تھی وہ اس کے سامنے کبھی نہیں بول سکتی۔

"تم نے مجھے جیتے جی مار دیا۔" عدن نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا، اسے لگا تھا وہ حیرت سے بے ہوش ہو جائے گی، معیز نہ چیخ رہا تھا نہ چلا رہا تھا جبکہ اس کا خیال تھا وہ اس تک پہنچتے ہی اس کا گلا دبا دے گا پر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا وہ اس کے سامنے بیٹھا بڑی اپنائیت سے شکوہ کر رہا تھا اس کی آنکھوں میں دکھ تھا جیسے عدن سے کہہ رہا ہو مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔

"مجھے مارتے ہوئے تمہیں ذرا دکھ نہیں ہوا تھا، اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے؟" عدن کے دل میں اپنے لئے نفرت کے بیج اس نے خود بوئے تھے۔

"میں نے کبھی تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، چلو تم خود کو تو بیوہ کہہ سکتی تھی پر تم نے میرے جیتے جی میرے بیٹے کو یتیم بنا دیا۔" وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اس نے یہ نہیں پوچھا تھا وہ گھر چھوڑ کر کیوں آئی، کیونکہ اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا تھا۔

"میں نے غلط کیا، بہت برا کیا تمہارے ساتھ۔" وہ اپنے کیے پر نادم تھا۔

"میں یہ نہیں کہوں گا تم مجھے معاف کر دو، میں کہہ بھی کیسے سکتا ہوں، میں نے خود بھی کسی کو معاف نہیں کیا، اپنے ماں باپ کو بھی نہیں، پاپا نے میرے ساتھ زبردستی کی، میں نے ان کے ساتھ ساتھ ماما کو بھی سزا دی، انہیں اپنی شکل نہیں دکھائی حالانکہ وہ جانتا تھا وہ دونوں مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں وہ میری یاد میں تڑپتے اس دنیا سے چلے گئے، اب میرا اپنا بیٹا میری نظروں سے دور ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ اولاد کے لئے دل کیسے تڑپتا ہے۔" اس نے حیان گود میں لینا چاہا مگر عدن نے فوراً جھپٹ کر حیان کو سینے سے لگا لیا اسے لگا تھا معیز حیان کو اس سے چھین لے گا۔

"میں حیان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"میں بھی حیان کے بغیر نہیں رہ سکتا، تم مجھ سے دنیا کی جو شے مانگو گی میں تمہیں دے دوں گا پر حیان نہیں پلیز۔"

"میں حیان کے بغیر مر جاؤں گی۔" وہ حیان کو اپنے ساتھ لگائے روتے ہوئے بولی۔

"عدن!" عدن نے پہلی بار معیز کے منہ سے اپنا نام سنا تھا۔

"حیان کے لئے ماں اور باپ دونوں کا ہونا بہت ضروری ہے ماں اور باپ دونوں میں سے ایک کا سایہ بھی سر پہ نہ ہو تو انسان کی شخصیت میں بہت کمی رہ جاتی ہے۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم حیان کے خاطر پرانی ساری باتوں کو بھلا دو، ہم نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔" عدن کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی تھی۔

"اپنے بیٹے کے لئے اس کے اچھے مستقبل کے لئے۔" وہ کچھ دیر چپ رہا تھا اس انتظار میں

کہ عدن کچھ بولے، پر وہ کچھ نہیں بولی تھی بلکہ اٹھ کر اپنا سامان پیک کرنے لگی۔

"تم اپنے فیصلے پر کبھی نہیں پچھتاؤ گی یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔" وہ اپنے اور حیان کے کپڑے بیگ میں ڈال رہی تھی جب اس کے کانوں میں معیز کی آواز سنی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا خاموشی سے تیاری کرتی رہی، معیز کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلنے پر رضامند ہوگئی ہے اب اسے اچھے برتاؤ اور محبت سے عدن کے دل میں جگہ بنانی تھی۔

وہ بیگ ہاتھ میں لئے بلڈنگ کی سیڑھیاں اتر رہا تھا عدن اس سے دو چار سیڑھیاں پیچھے تھی۔

گاڑی تک پہنچ کر اس نے سامان پچھلی سیٹ پر رکھا، اس کا موبائل کافی دیر سے بج رہا تھا اس نے موبائل جیب سے نکال کر کان کو لگایا اور دوسرے ہاتھ سے عدن کے لئے فرنٹ ڈور کھولا، عدن خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے بھائی دل لگا لیا کیا اس شہر میں، جو آنے کا نام ہی نہیں لے رہے۔" دوسری طرف اویس تھا، معیز گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

"اکچھو یکلی اویس میرا دل کافی عرصے سے گمشدہ تھا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس شہر میں ہے اب مل گیا ہے تو ساتھ لے کر آ رہا ہوں۔"

"ہائیں تمہارا دل اس شہر میں کیا کر رہا تھا؟" اویس قصداً انجان بنا۔

"ہیں کچھ دوست نما دشمن، آستین کے سانپ، جن کی عنایت سے یہ سب ہوا۔" اویس کا قہقہہ بلند ہوا۔

"یعنی بھابھی اور حیان مل گئے۔"

"ہاں وہ تو مل گئے ہیں میں کراچی آ رہا ہوں تم مجھے دو تین دن تک مت ملنا ایسا نہ ہو میں تمہیں شوٹ کر دوں۔" معیز کی دھمکی پر اویس مسکرایا۔

"بڑے ہی احسان فراموش آدمی ہو تم، تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے تھا کہ تمہیں اتنی سنگین غلطی سے بچا لیا ورنہ تم ساری زندگی روتے پھرتے اور چپ کرانے کے لئے مجھے ہی اپنا کندھا پیش کرنا پڑتا۔" معیز سب جان گیا تھا عدن نے اسے بتا دیا تھا۔ اویس نے ہی عدن کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کچھ عرصہ منظر سے غائب ہو جائے۔ اویس نہیں چاہتا تھا کہ معیز اور ضد میں آ کر عدن کو طلاق دینے کی سنگین غلطی کرے تبھی اس نے اپنی کزن زینب کے توسط سے عدت کو مسز اعظمی تک بھیجا تھا۔

"تمہارا شکریہ تو میں صبح آفس میں ادا کر دوں گا۔" معیز نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر فون بند کر کے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

گاڑی منزل کی طرف رواں دواں تھی عدن نے اطمینان سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی تھی وہ پرسکون تھی جو لوگ دوسروں کی خطائیں معاف کر دیتے ہیں وہ اتنے ہی پرسکون رہتے ہیں۔

اسے یقین تھا آنے والا وقت اس کا یہ فیصلہ بالکل ٹھیک کرے گا۔

ابھی کچھ دیر باقی ہے
خزاں کے بیت جانے میں
گلوں کے مسکرانے میں
خوشی کے گیت گانے میں
ابھی بہاروں کے زمانے میں
ابھی کچھ دیر باقی ہے

☆☆☆

ایسا بھی ہوتا ہے

ارم حنیف

''بیگم صاحبہ! آج کھانے میں کیا بنانا ہے؟'' ملازمہ ان کے پیچھے ڈرائنگ روم میں ہی چلی آئی تھیں۔

''قیمہ مٹر بریانی۔'' کلثوم بیگم کے لہجے میں پیار تھا۔

''آج اتنے دنوں بعد میرا بیٹا گھر آ رہا ہے، کھانا بھی اس کی پسند کا ہو گا۔'' کلثوم بیگم اپنے بیٹے کی آمد کا سن کر بہت خوش تھیں، کیونکہ اس بار وہ کافی دنوں کے بعد آ رہا تھا وہ بہت دنوں سے اس کے لئے اداس تھیں۔

کلثوم بیگم نے اس کا بیڈ روم صاف کروایا اور ملازمہ کو اس کی فیورٹ ڈشز بنانے کا آرڈر بھی دے دیا، پورا دن بیٹے کی آمد کی تیاریوں میں ہی گزر گیا تھا، شام کے سائے ڈھل رہے تھے جب گیٹ پہ اس کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا وہ تیز قدموں سے راہداری عبور کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھیں، اتنے میں وہ بھی گاڑی سے اتر آیا۔

''السلام علیکم اماں!'' وہ ان کے سامنے جھک گیا اور کلثوم بیگم نے اس کی پیشانی پہ بوسہ دیتے ہوئے اسے سینے سے لگا لیا۔

''میرے بچے جیتے رہو خوش رہو۔'' وہ اس کے کندھوں اور بالوں پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں اور دوبارہ پھر اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ ان کے دونوں ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

''اپنے بیٹے کو دیکھتی ہوں تو جوان ہو جاتی ہوں سارے غم بھول جاتی ہوں۔'' ان کی آواز ہی نہیں آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں، شوہر مرنے کے بعد بیٹا ہی کلثوم بیگم کا واحد سہارا تھا، شاہان ان کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر اندر لے آیا تھا۔

''آپ تو رو رہی ہیں امی۔'' اس نے امی کو صوفے پہ بٹھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹا! یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔''

''امی کیا ہو گیا ہے، خوشی میں آنسو کیسے آ سکتے ہیں۔''

''بیٹا جب تمہیں بہت بڑی خوشی ملے گی تو آنسو خود ہی آ جائیں اور وہ خوشی کے آنسو ہوں گے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟''

''تمہارے لئے جوس لے آؤں۔''

''ارے نہیں امی آپ میرے پاس بیٹھیں میں خود لے آؤں گا، پھر ملازمہ کو آواز دے دیجئے۔'' اس نے ان کو روکنا چاہا۔

''ملازمہ کو کیوں میں خود اپنے بیٹے کے لئے جوس لے کر آتی ہوں۔'' وہ نرمی سے کہہ کر کچن میں چلی گئی تھیں، چند منٹ کے توقف کے بعد اس کے لئے جوس لے آئی تھیں۔

''آپ میرے پاس بیٹھیں اور یہ بتائیں کہ آپ اتنی کمزور کیوں لگ رہی ہیں؟''

''لیکن میں تو آج اپنے آپ کو جوان سمجھ رہی ہوں۔'' وہ مسکرانے لگیں۔

''لگتا ہے آپ خود کو ٹائم نہیں دے رہی ہیں۔''

''ارے چھوڑو کیا بات لے کر بیٹھ گئے تم بتاؤ ارسلان کیسا ہے تمہارا وہاں کام کیسا جا رہا ہے اور کب سارا بزنس یہاں لے کر آ رہے ہو۔'' کلثوم بیگم نے ایک ہی وقت میں اتنے سوال کر دیئے۔

''امی اتنے سارے سوال ایک ہی دفعہ، پہلا سوال ارسلان بالکل فٹ فاٹ ہے آپ کو یاد کر رہا تھا، دوسرا کام بھی آپ کی دعاؤں سے بہت اچھا جا رہا ہے اور رہی میری بات میں بہت جلد ہی آپ کے پاس آ رہا ہوں ہمیشہ کے

لئے۔'' شاہان نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اب آپ خوش ہیں؟''

''ہاں بیٹا تمہارے بغیر گھر میں کوئی رونق نہیں ہوتی۔''

''بیگم صاحبہ کھانا لگ گیا ہے۔'' ملازمہ نے آواز دی۔

''چلو بیٹا کھانا لگ گیا ہے۔''

''او کے امی آپ چلے میں ابھی فریش ہو کر آیا۔'' وہ کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔

''بیٹا کھانا کیسا تھا؟''

''بہت اچھا۔'' وہ رات کے کھانے کے بعد باتیں کر رہے تھے۔

''اور سنائیں؟''

''ہاں بیٹا یاد آیا تمہاری خالہ کی بیٹی نوال کا رشتہ پکا ہو گیا ہے بہت اچھے لوگ ہیں لڑکا جرمنی میں رہتا ہے بڑا کاروبار وہاں ہے اس کا، فیملی بھی اچھی ہے۔'' شاہان کی ماں بڑی خوشی سے یہ سب اسے بتا رہی تھیں وہ نہیں جانتی تھیں کہ اس کے بیٹے پر کیا گزر رہی ہے، شاہان نے سوچا تھا کہ اس دفعہ جا کر امی سے بات ضرور کرے گا امی کو بہت خوشی ہو گی اور وہ نوال کے گھر والے یعنی خالہ رضیہ سے بات کریں گی، شاہان کو یقین تھا کہ خالہ اور خالو ضرور مان جائیں گے، نوال میری ہو جائے گی اور پھر وہ اسے بتائے گا کہ وہ نوال سے کتنا پیار کرتا ہے، شاہان کی ساری خوشی خاک میں مل گئی۔

☆☆☆

وہ نماز پڑھ کے چپ چاپ چھت پہ آ گئی تھیں وہ اکیلی ہی چھت پہ ٹہلنے لگی ذہن الجھا ہوا تھا اس لئے اس تنہائی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، آسمان کا کشادہ سینہ روشن ستاروں سے بھرا ہوا تھا، لیکن اس کے دل سے ساری روشنی غائب ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے انسان کے علاوہ باقی ہر چیز کو بے فکر کیوں بنایا ہے وہ ستاروں کی ٹمٹماتی روشنی دیکھ کر سوچنے پہ مجبور ہوئی تھیں۔

چاند رات کو بے فکری سے نکلتا اور دن کو غائب ہو جاتا ہے سورج دن کو نکلتا ہے اور بے فکر ہو کر رات کو غائب، بس ایک ہی بندھی روٹین لیکن انسان کا ہر دن پہلے سے مختلف ہوتا ہے اور ہر رات نئی رات ہے نئی فکریں اور نئی سوچیں لے کر انسان ہر روز ہلکان ہوتا رہتا ہے اور باقی ساری کائنات بے فکر رہتی ہے وہ ستاروں کو دیکھتے ہوئے نجانے کیا کیا سوچے جا رہی تھیں کہ پیچھے سے ہادیہ کی آواز آئی۔

''آپی نیچے کمرے میں آ جائیں میں سونے لگی ہوں۔'' کافی رات ہو گئی تھی۔

''کیا بات ہے آپی آپ ٹھیک تو ہیں اکیلی چھت پہ کیا کر رہی تھیں۔'' نوال نیچے آئی تو ہادیہ نے پوچھا۔

''ایسے ہی، نماز پڑھی تو اوپر چھت پہ چلی گئی۔''

''نہیں آپی کوئی بات تو ضرور ہے میں کافی دنوں سے دیکھ رہی ہوں آپ چھت پہ روزانہ جاتی ہیں کسی کے پاس نہیں بیٹھیں، امی کو بھی ایسا لگا وہ مجھ سے پوچھ رہی تھیں چپ چپ بھی ہے۔'' ہادیہ کو اپنی پیاری بہن کی فکر ہو رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، دن میں آج کام زیادہ تھا اس لئے شاید تھکن ہو گئی ہے تم سو جاؤ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔''

ہادیہ کو ایک بات پریشان کیے جا رہی تھی کہ نوال کی کتاب میں شاہان بھائی کی تصویر کیسے تھی کیا نوال آپی شاہان بھائی سے محبت کرتی ہے اور شاہان بھائی بھی، یہ دونوں آپس میں محبت کب سے کرتے ہیں، شاہان بھائی تو صرف ایک دفع

ہی ہمارے گھر آئے تھے، کیا پاپا کے دوست کے بیٹے سے آپی کی منگنی ہوئی ہے اور آپی کرنا نہیں چاہتی یا پھر ساتھ ہی نکاح کی وجہ سے پریشان ہے، ہادیہ کے ذہن میں بہت سارے سوال تھے جو اسے سونے نہیں دے رہے تھے، اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ کل اکیلے میں آپی سے بات ضرور کریں گی۔

☆☆☆

شاہان نے کمرے میں جھانکا کلثوم بیگم جائے نماز تہہ کر رہی تھیں۔

''امی میں آ جاؤں۔'' شاہان نے کہا تو کلثوم بیگم نے پیار سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

''کمال ہے اب ماں کے پاس آنے کے لئے بھی اجازت کی ضرورت ہے۔'' وہ مسکرائیں، شاہان کمرے میں آیا۔

''آپ مصروف تو نہیں تھیں۔''

''نہیں بالکل نہیں، اپنے بیٹے کی بات سننے کے لئے تو میرے پاس ٹائم ہی ٹائم ہے۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس ہی بستر پر بٹھالیا۔

''ہاں بولو کیا بات ہے۔'' کلثوم بیگم نے پوری توجہ اس کی طرف مبذول کی شاہان نے ایک نظر ماں کو دیکھا۔

''امی آپ مجھ سے کتنا پیار کرتی ہیں؟'' انہوں نے اس کے جھکے ہوئے سر پہ ہاتھ رکھا، اس کی سنجیدگی کلثوم بیگم کو پریشان کر رہی تھی، کیونکہ آج پہلی بار شاہان نے سوال ہی ایسا کیا تھا۔

''امی بتائیں نا۔'' شاہان کے لہجے میں اصرار تھا۔

''اوہو میری جان میرے بچے بات کیا ہے مجھے بتاؤ، مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔''

''امی میں نوال سے محبت کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' شاہان نے سر اٹھا کر انتہائی سنجیدگی سے کہا انہوں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا کہا شاہان؟'' وہ جیسے اس سے مزید یقین دہانی چاہیے تھی۔

''امی میں آپ کو پہلے بھی بتانا چاہتا تھا لیکن میں نے سوچا کہ پہلے کچھ بن جاؤں پھر بات کروں گا تا کہ میری امی ان کی طرف فخر سے جائے۔'' شاہان کا لہجہ مستحکم تھا۔

''لیکن بیٹا میں نے تمہیں بتایا ہے کہ اس جمعہ کو اس کی منگنی اور نکاح ہے۔'' کلثوم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح اپنے بیٹے کو سمجھائے اس۔ احساس دلائیں کہ یہ نہیں ہو سکتا۔

''بیٹا تم نے بہت دیر کر دی اب میں آپا رضیہ سے کیا کہو اور جس سے نکاح ہے وہ مہتاب بھائی کے دوست کا بیٹا ہے وہ یہ رشتہ کیسے توڑ سکتے ہیں وہ بھی بغیر وجہ کے۔'' وہ آہستہ آہستہ اپنے بیٹے کو سمجھا رہی تھیں۔

''لیکن امی پلیز۔''

''کیا میں تمہاری خوشی نہیں چاہتی شاہان بولو جواب دو میں تو ہمیشہ یہ چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کی ہر خوشی پوری کرے۔'' انہوں نے اس کی پیشانی پہ آئے بال پیچھے ہٹائے۔

''بیٹا مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنے دل کی بات اپنی ماں سے شیئر کی لیکن بیٹا میں بے بس ہوں اب میں کچھ نہیں کر سکتی، میں تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کر سکتی ہوں کہ نوال نہ سہی تو کوئی نوال جیسی لڑکی میرے بیٹے کے نصیب میں لکھ دے۔'' شاہان جان چکا تھا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

''امی میں چلتا ہوں۔'' وہ اٹھ کے جانے لگا تو امی نے آواز دی۔

''بیٹا نوال بھی تم سے محبت کرتی ہے۔'' شاہان نے پیچھے مڑ کر ماں کو دیکھا۔

''امی میں نہیں جانتا۔'' شاہان نے اپنے ساتھ ساتھ ماں کو بھی پریشان کر دیا تھا، کلثوم بیگم سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھیں کہ نوال کا خیال مجھے کیوں نہیں آیا، رات کے کھانے کے بعد جب وہ سونے کے لئے کمرے میں آیا تو نوال کا چہرہ نظروں کے سامنے آ گیا نہ جانے کیوں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی یاد دل سے نہیں جا رہی تھی، پھر دل کے آگے ہار کر ارسلان کو فون کیا تا کہ اس سے مشورہ لے سکے وہی تو اس کا ایک دوست تھا جس سے وہ دل کی ہر بات شیئر کرتا تھا، ارسلان نے دوسری ہی بیل میں فون ریسیو کر لیا۔

''ہیلو، کیسے ہو تم دو دنوں سے فون کیوں نہیں کیا؟'' شاہان پہلے ہی بہت پریشان تھا۔

''یار چھوڑو سب باتیں تم کل صبح ہی یہاں آ جاؤ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''کیا بات ہے خیریت تو ہے نا؟''

''ہاں یار تم بس آ جاؤ۔'' ارسلان جان گیا تھا کوئی تو بات ضرور ہے۔

''ٹھیک ہے میں صبح آ جاؤں گا اب خوش۔'' ارسلان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور فون بند کر دیا، ارسلان بھی صبح کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا، اسے شاہان کی فکر ہو رہی تھی پہلے تو اس نے کبھی اسے کال نہیں کی تھی۔

☆☆☆

''السلام علیکم آنٹی!''

''ارے ارسلان بیٹا تمہیں آج ہماری یاد کیسے آ گئی۔'' کلثوم بیگم نے سامنے سے آتے ارسلان کو گلے لگالیا اور پیار کیا۔

''بیٹھو بیٹا میں تمہارے لئے جوس لے کر آتی ہوں۔''

''آنٹی جوس بعد میں پہلے شاہان کہاں ہے؟''

''اوہو بیٹا وہ اپنے کمرے میں ہے تم چلو میں وہیں جوس لے کر آتی ہوں۔''

''تھینکس آنٹی!'' ارسلان کو شاہان سے ملنے کی جلدی تھی کمرے کے دروازے پہ دستک دے کر ارسلان اندر داخل ہوا تو وہ اپنے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی میں کھڑا تھا۔

''ہیلو شانی کیسے ہو؟'' شاہان نے مڑ کر دیکھا ارسلان کے گلے لگ کر فائن کہا۔

''کب آئے تم؟''

''ابھی ابھی تم بتاؤ کیا بات ہے؟ تمہیں پتہ ہے میں ساری رات سو نہیں سکا کہ کیا بات ہو سکتی ہے؟''

''یار کچھ نہیں بس پریشان ہوں، تم نے سلمان خان کی تیرے نام فلم تو نہیں دیکھ لی جو تو پریشان ہے۔'' ارسلان جانتا تھا کہ جب بھی سلمان کی فلم تیرے نام دیکھتا ہے تو پریشان ہو جاتا تھا۔

''نہیں یار میں اس وقت بہت سیریس ہوں۔'' ارسلان ساتھ پڑے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

''اچھا یار سوری اب مذاق ختم بتاؤ کیا بات ہے؟''

''نوال کی منگنی ہو گئی ہے اسی جمعہ کو اس کا نکاح ہے۔''

''واٹ یہ تم کیا کہہ رہے ہو یار منگنی کب ہوئی جواب نکاح ہے۔''

''نہیں یار جمعہ کو منگنی ہے اور ساتھ ہی نکاح بھی، میں سچ کہہ رہا ہوں اسی لئے تو تمہیں بلایا

ہے۔"

ارسلان کے ذہن میں آنٹی کا خیال آیا۔

"تم نے آنٹی سے بات کی۔"

"ہاں یار میں تم سے پہلے امی سے بات کر چکا ہوں، امی اب کچھ نہیں کر سکتیں۔" بات کرتے کرتے شاہان کی نظر سامنے دروازے پہ کھڑی کلثوم بیگم پر پڑی وہ ایک دم خاموش ہو گیا تھا، ارسلان بھی اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کلثوم بیگم جانتی تھی کہ وہ ارسلان سے بات ضرور کرے گا۔

"بیٹا یہ لڑکیوں کے معاملے بڑے نازک ہوتے ہیں اب ایک دم بغیر وجہ کے ہم ان انکار کیسے کر سکتے ہیں ہمارے معاشرے میں آج بھی جہاں لڑکی کی بات پکی ہو جائے وہاں ہی شادی ہوتی ہے لیکن اب تو بیٹا صرف چار پانچ دن رہ گئے ہیں، اب میں کیا کر سکتی ہوں کاش میں تمہاری خوشی کے لئے کچھ کر سکتی۔" کلثوم بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، شاہان جلدی سے ماں کے قریب ہو گیا۔

"امی یہ کیا، آپ رو رہی ہیں۔"

"تو کیا کروں دل جلتا ہے میرا تجھے اس حالت میں دیکھ کر دو دن سے تم اس کمرے میں بند ہو میرے دل پہ کیا گزرتی ہے تم نہیں جانتے۔" شاہان کے پاس صرف ماں ہی ماں تھی وہ ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"پلیز امی آپ پریشان نہ ہوں، غلطی میری ہے کہ میں نے آپ کو بتانے میں دیر کر دی لیکن امی آج کے بعد میں وہی کروں گا جو آپ مجھے کہیں گی میں آپ کے لئے آپ کی خوشی کے لئے اپنا پیار کیا جان بھی دے سکتا ہوں۔" شاہان نے ماں کو کندھوں سے پکڑ کر سامنے کیا۔

"اللہ تمہیں بہت خوش رکھے گا میرے بچے۔" کلثوم بیگم نے پیار سے اس کا چہرا اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا، ارسلان نے اونچی آواز میں آمین کہا تو ان دونوں کو احساس ہوا کہ ہمارے درمیان کوئی اور بھی موجود ہے کلثوم بیگم نے نم آنکھوں کے ساتھ بیٹے کی پیشانی چوم لی شاہان اور ارسلان بھی مسکرانے لگے ارسلان کو اپنے دوست پر فخر محسوس ہوا۔

☆☆☆

وہ کچن میں کام کر رہی تھیں کہ ہادیہ نے اندر جھانکا اسے تنہا پا کر اسے لگا کہ اب بات کرنی چاہیے۔

"ہیلو کیا ہو رہا ہے آپی جان، ایک کافی کا کپ مل سکتا ہے۔"

"ابھی نہیں کچھ دیر بعد مل جائے، اب میں کام کر رہی ہوں۔" برتن دھوتی نوال نے جواب دیا، ہادیہ نے نوال کو کندھوں سے تھام کر اپنی جانب کر لیا تھا۔

"کیا بات ہے آپی مجھے بتاؤ تمہارے چہرے پہ خاموشی اور اداسی کیوں ہے بولو نہ آپی۔" وہ مسلسل اس سے جواب مانگ رہی تھی جس سوال کا جواب وہ خود بھی نہیں جانتی تھی اسے وہ کیا بتاتی کہ ایک تصویر سے محبت ہو گئی ہے یہ جانے بنا کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ میں پریشان ہوں، میں تو بہت خوش ہوں۔" نوال زبان سے جھوٹ بول رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں اس کی زبان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

"آپی اللہ تعالیٰ نے مجھے آنکھیں دی ہیں اسی گھر میں رہتی ہوں آپ کے ساتھ۔" وہ غصہ سے بولی۔

"دیکھو ہادیہ یہ جو تم سمجھ رہی ہو ویسی کوئی بات نہیں میرے سر میں صبح سے درد ہے۔" نوال

رخ موڑ کر بولی۔

"میں نے آپ کی آنکھوں میں شاہان بھائی کی تصویر دیکھی ہے۔" نوال نے ایک دم ہادیہ کی طرف دیکھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔" وہ بالکل گم صم ہو گئی۔

"آپی پلیز۔"

"ہادیہ مجھ سے کوئی سوال مت کرنا میرے پاس تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں ہے اور ہاں آج تو تم نے میرے سامنے یہ بات کہہ دی لیکن کسی اور کے سامنے مت کہنا۔" وہ جانے لگی تو ہادیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اگر آپ چاہیں تو......"

"خدا کے لئے ہادیہ اس بات کو یہیں دفن کر دو۔" ہادیہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی نوال بول پڑی۔

☆☆☆

گھر میں فنکشن کی تیاریاں زور پکڑتی جا رہی تھیں چونکہ یہ صرف نکاح کی تقریب تھی اس لئے بڑے پیمانے پر ارینج نہیں کی جا رہی تھی مگر نہ کرتے ہوئے بھی خاندان والے، قریبی رشتے داروں اور چند ایک دوستوں کی اچھی خاصی گیدرنگ ہونی تھی، کلثوم بیگم اور شاہان بھی نکاح سے ایک دن پہلے آ گئے تھے شاہان بالکل خاموش تھا جب سے آیا تھا نوال کو اس نے ایک نظر بھی نہیں دیکھا تھا یا شاید وہ ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہتے تھے، نوال بھی صبح سے کمرے میں بند تھی۔

"شاہان کہا جا رہے ہوں بیٹا۔" کلثوم بیگم اس کی طرف ہی آ رہی تھیں شاہان بھی انہیں سیڑھیوں پر ہی مل گیا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو بیٹا؟"

"اوپر سونے کے لئے جا رہا ہوں۔" سرسری سا جواب دے کر اس نے آگے بڑھنا چاہا۔

"کیوں بیٹا کھانا نہیں کھاؤ گے۔" کلثوم بیگم جانتی تھیں کہ اس کے بیٹے پہ کیا گزر رہی ہے۔

"نہیں امی مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"پلیز بیٹا جہاں اتنا صبر کر لیا ہے وہاں کچھ دیر اور سہی، چلو تمہیں تمہارے خالو یاد کر رہے ہیں۔"

"امی میں صبح سے جھوٹا مسکرا کر تھک گیا ہوں اب مجھے آرام کرنے دیں۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اوپر چلا گیا کلثوم وہی خاموشی سے دیکھتی رہ گئی۔

"کیا ہوا کلثوم؟ یہاں کیوں کھڑی ہو، سب لوگ وہاں تمہارا اور شاہان کا انتظار کر رہے ہیں۔" اور وہ نہ جانے کتنے ہی پل وہ اپنی سوچوں میں گم وہاں کھڑی رہتیں کہ آپا رضیہ کی آواز ان کو سوچوں سے کھینچ لائی۔

"اور شاہان کہاں ہے؟"

"آپا وہ سونے کے لئے اوپر گیا ہے۔"

"خیر تو ہے کلثوم، جب سے شاہان آیا ہے بجھا بجھا سا رہتا ہے، کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔"

"نہیں آپا پریشانی کی کوئی بات نہیں، موسم بدلنے کی وجہ سے کچھ دنوں سے شاہان کی طبیعت خراب ہے، اس لئے تھوڑا ایسا ہو گیا ہے، آپ چلیں میں نوال کے پاس سے ہو کر آتی ہوں۔" کلثوم بیگم سرسری انداز میں کہتی آگے بڑھ گئیں، پاؤں کی آہٹ پر نوال دروازے کی جانب متوجہ ہوئیں، کلثوم بیگم کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر لئے اندر آ گئی، وہ مسکراتے ہوئے بیڈ سے اٹھ آئی۔

''خالہ کوئی کام تھا، مجھے کہہ دیا ہوتا میں آپ کے پاس آجاتی۔''

''نہیں بیٹا کام تو کوئی نہ تھا بس اپنی بیٹی کے پاس بیٹھنے کو دل کر رہا تھا۔'' وہ نوال کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''بیٹا میری تو دعا ہے کہ اللہ تمہیں ہزاروں خوشیاں دے۔'' کلثوم نے خوش دلی سے کہا۔

☆☆☆

نکاح اور منگنی کا فنکشن ایک ہوٹل میں تھا سب لوگ ہوٹل چلے گئے، گھر میں ہادیہ نوال اور پارلر والی تھیں، ہوٹل میں ہر طرف رونق تھی، مہتاب خان اپنے سب سے اچھے اور پرانے دوست زمان کا انتظار کر رہا تھا جو صرف اس کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لئے جرمنی سے آرہا تھا۔

''والسلام علیکم یار! کیسا ہے تو؟''

''میں ٹھیک ہوں تم نے اتنی دیر کیوں کر دی تمہیں تو کل آجانا تھا۔''

''بس یار کل وقت نہیں ملا تم سناؤ کیا حال ہے اتنی جلدی نوال بیٹی کی شادی کر رہے ہو۔''

''بس یار رشتہ اچھا تھا تو میں نے ہاں کر دی لڑکا جرمنی میں رہتا ہے وہاں کاروبار بھی اچھا ہے۔''

''کون لوگ ہیں وہ۔''

''سکندر حیات کا بیٹا عالم حیات ہے ایک ہی ایک بیٹا ہے۔''

عالم حیات کا نام سنتے ہی زمان کچھ سوچنے لگا۔

''کیا بات ہے یار کیا سوچ رہے ہو؟''

''یار میں سوچ رہا ہوں وہی عالم حیات تو نہیں جسے میں جانتا ہوں۔''

''یار سب ٹھیک تو ہے۔''

''یار اس کے باپ کا نام بھی سکندر حیات ہے۔''

''زمان کیا بات ہے؟''

''تم میرے ساتھ آؤ۔'' اسے وہ ہوٹل کے ایک علیحدہ کمرے میں لے آیا۔

''کیا بات ہے یار تم مجھے یہاں کیوں لے آئے ہو۔''

''جس عالم حیات سے تم نوال بیٹی کا نکاح کر رہے ہو اس نے جرمنی میں دو دو شادیاں کی ہوئی ہیں، یہ نشا کرتا ہے۔''

''واٹ؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔'' مہتاب خان کی آنکھیں بے یقینی کے باعث پھٹ سی گئی تھیں۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔''

''آئی کانٹ بلیو دس یہ تم کیسے کر سکتے ہو۔''

مہتاب خان کو اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا، اسے یقین نہیں آرہا تھا وہ ایک بہت بڑی غلطی کر چکا ہے۔

''تمہارے لئے تو یہی کافی تھا کہ لڑکا جرمنی میں رہتا ہے، نوال بیٹی کو جرمنی لے جائے گا، چاہے وہاں وہ خوش رہے یا نہ رہے۔'' زمان کو اپنے دوست پہ غصہ آرہا تھا۔

''اب تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے، اب تو مہمان بھی آنا شروع ہو گئے ہیں۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے سر اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

''تم میرے ساتھ چلو ہم خود جا کر ان لوگوں کو منع کر دیتے ہیں کہ وہ نکاح کے لئے نہ آئیں۔''

''لیکن مہمان کا کیا ہو گا جو آچکے ہیں، لوگ کیا کہیں گے، بیٹی کا نکاح کیوں نہیں کیا تو میں کیا جواب دوں گا۔'' اتنے میں باہر کھڑی کلثوم جو یہ

''آپ کب آئی۔'' دونوں نے حیرانی سے کلثوم کو دیکھا۔

''میں سب سن چکی ہوں۔''

''کلثوم پلیز اس معاملے کا کچھ کرو اگر مہمان اور رشتے داروں کو بھنک بھی لگ گئی تو میری عزت خاک میں مل جائے گی، میں بہت بڑی غلطی کر چکا ہوں۔'' مہتاب خان دونوں ہاتھوں میں سر گرائے وہی زمین پہ بیٹھ گیا تھا۔

''بھائی جان اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔''

''ہاں ہاں بولو۔'' زمان کلثوم کے نزدیک آگیا۔

''آپ انہیں منع کر دیں ہم لوگ نوال اور شاہان کا نکاح کر دیتے ہیں۔'' وہ دونوں حیرت سے کلثوم کا چہرہ دیکھنے لگے تھے، جس پہ برف سے ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، میں ویسے بھی آپا رضیہ فون کرنے سے پہلے اپنے بیٹے کے لئے نوال کا ہاتھ مانگنے آرہی تھی، لیکن آپ لوگوں نے بہت جلدی کر دی۔'' مہتاب خان، کلثوم کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔

''یار سوچ مت بس ہاں کر دے، شاہان سے بڑھ کر ہمیں اپنی نوال کے لئے کوئی نہیں ملے گا۔'' زمان نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

''یار تو پہلے بھی ایک غلطی کر چکا ہے اب مت کرنا۔''

''ٹھیک ہے یار آپ لوگوں کی مرضی تو پھر ٹھیک ہے ہم لوگ خود وہاں جا کر ان لوگوں کو منع کر آتے ہیں، آپ شاہان اور نوال کو نکاح کے لئے تیار کر دیں۔''

☆☆☆

حال کے اندر مہمان کی افراتفری مچی ہوئی تھی، شاہان خاموشی سے بنا دیکھے ماں کے پاس سے گزرا تو کلثوم بیگم نے پیچھے سے آواز دی۔

''امی آپ نے مجھے آواز دی۔'' شاہان ہولے سے مسکرایا تو کلثوم بیگم نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا، شاہان کو حیرانی ہوئی۔

''امی یہ کیا آپ مجھے حوصلہ دیتی ہیں اور اب خود آپ کی آنکھیں نم ہیں۔''

''نہیں بیٹا یہ تو خوشی کے ہیں آج میرے بیٹے کو اس کی محبت ملنے والی ہے۔''

''آپ کیا کہہ رہی ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' شاہان کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔

''تمہارا اور نوال کا آج نکاح ہے باقی باتیں بعد میں کریں گے، تم ارسلان سے کہو نوال اور ہادیہ کو گھر سے لے آئے تمہارے خالو بھی ان لوگوں کو منع کر کے واپس آتے ہوں گے۔''

''شاہان احمد ولد احمد علی آپ کو نوال مہتاب خان اپنے نکاح شرعی میں قبول ہے۔'' شاہان احمد کا تین بار قبول کہنا ساؤنڈ سسٹم کے ذریعے ساتھ والے کمرے میں بیٹھی نوال تک پہنچا تو اس کے آنسوؤں میں تیزی آگئی، اس ساری تقریب میں ارسلان اور ہادیہ پیش پیش تھے جب نوال کو شاہان کے ساتھ باہر حال میں بیٹھایا گیا تو شاہان ساتھ بیٹھی نوال کو بے یقینی کے عالم میں بار بار مڑ کے دیکھ رہا تھا، شاہان نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اپنی محبت کو حاصل کرے گا، لیکن وہ بھول گیا تھا کہ معجزے اب بھی رونما ہوتے ہیں، سچی چاہت اپنی منزل کو پا ہی لیتی ہے۔

☆☆☆

سدرۃ المنتہیٰ

دسویں قسط کا خلاصہ

علی گوہر نواز حسین، سے لڑکی کے بارے میں پوچھتا ہے، پھر بات کرتے ہوئے وہ لوگ فنکار کے گھر کی طرف جاتے ہیں جہاں راستے میں تانگہ روک کر پروفیسر غفور، علی گوہر کو امر کلہ کی چٹھی دیتے ہیں، علی گوہر سے نواز حسین کسی کی عنقریب موت کا انکشاف کرتا ہے۔
امرت فنکار سے ملنے آتی ہے اور اس کی ڈائری لینے کے بعد ان کے لئے ہفتے کا راشن لے آتی ہے، فنکار کو اب بھی اپنی عنقریب موت کا خدشہ ہے، واپسی پر امرت، عمارہ، نواز حسین، علی گوہر، فنکار کے ساتھ کھڑے ہیں جب ھالا دروازے سے اندر داخل ہوتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

گیارہویں قسط

کھلے ہوئے دروازے سے بیگ گھسیٹ کر اندر آتا ہوا ہالار اگر ششدر تھا تو ششدر یہاں اس کے نام پر کون تھا جو نہیں تھا اس کے بڑھتے قدم دروازے کی چوکھٹ پہ آ کے اور نگاہیں ٹھٹکیں ساتھ ہی قدم ٹھہرے تھے اور تھم بھی گئے، وہ کون تھا جو ہالار کی تصویر بنا کھڑا تھا، بلکہ تصویر تو یہاں ہر کوئی بن کر کھڑا تھا اور لمحے کے لئے وقت جیسے ساکت ہو گیا تھا۔

پھر تصویر کے چہرے میں جان پڑی، چہرہ حیران پریشان ہالار کا تھا، جو حواس باختہ تھا۔

چہرہ نواز حسین کا جس نے ہنہناتے گھوڑے کی لگام کھینچی تھی چہرہ غصیلے گڑبڑاتے تاثر لئے عمارہ کا اور چہرے ساکت کھڑی پرسوچ آنکھوں والی امرت کا چہرہ نڈھال ٹوٹے ہوئے زخمی سرخ کوٹ والے علی گوہر کا اور ابھی کوئی کاش کہ فنکار کا ساکت چہرہ دیکھ پاتا اور لہجہ جسے چپ لگ گئی۔

ہالار جیسے سرخ کوٹ پر نگاہ جمائے لمحوں میں ٹوٹا تھا، ابھی بکھرنا باقی تھا، اس سے پہلے تصویر کے نقش ہلے، جان آئی ہالار نے سوٹ کیس تھا جو نیچے رکھا اور نگاہ فنکار کے ساکت چہرے پہ گاڑھی۔

اس کی ہمت جواب دے گئی، وہ بڑھ کر ہالار سے چمٹ گیا جیسے بچہ کوئی سنگین غلطی کرنے کے بعد ماں سے چمٹ جاتا ہے اور ماں کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔

ہالار نے باپ کو تھام رکھا تھا، کہنا چاہتا تھا، کہنا چاہتا تھا یہ کیا تماشہ لگا رکھا ہے، کہنا چاہتا تھا مجھے اس ڈرامے کے لئے بلایا تھا؟ کہنا چاہتا تھا میرے رازوں کو افشاں کر کے زخم تازہ کرنے سے کیا ملا، کہنا چاہتا تھا بہت کچھ پر کہہ کچھ بھی نہ سکا، بلکتے ہوئے فنکار کو سنبھالنا دشوار تھا۔

تصویر کے باقی عکس جیسے لمحے کو بے معنی، غیر ضروری اور اضافی ہو گئے۔

عمارہ نے گڑبڑاہٹ بڑھتے محسوس کی تو غصیلے بچے کی طرح علی گوہر پر چیخی۔

"چلنا ہے یا یہیں کھڑے رات کر دو گے۔"

"رات تو ہو گئی۔" نواز حسین نے بے چین گھوڑے کی التجائیہ ہنہناہٹ کو سنا اور بڑبڑایا، فنکار جیسے حال میں لوٹا۔

"میرے ہالی، ہالی آ گیا میرا......" وہ جیسے سب کو خوش کر رہا تھا۔

"میرا ہالار لوٹ آیا۔" امرت کے ہاتھ سے سامان کا تھیلا گرتے گرتے بچا، ابھی انکشاف کا تو پہلا پتھر تھا جو جیسے اسے کسی نے دے مارا تھا۔

نڈھال علی گوہر کے چہرے پر ملال نے جو گھات لگائی تھی اس نے آنکھوں کی ٹھنڈک پہنچائی تھی۔

علی گوہر نے جیب سے گٹھڑی نکالی اور فنکار کی طرف بڑھا۔

"کسی کی امانت۔" لہجہ ٹوٹا ہوا اور کوٹ اتارنے لگا۔

"آپ کا شہزادہ آ گیا، اب قائم مقام عہدہ رکھ کر جا رہا ہوں۔" کوٹ دوسرے ہاتھ میں تھمایا، لہجہ احساس محرومی کے ملال سے گندھا ہوا، بکھرا ہوا، فنکار کے دونوں ہاتھ میں کیا عظیم خزانہ آ گیا تھا۔

"یہ...... یہ کہاں سے ملا تمہیں۔" امرت نے ہاتھ بڑھا کر گٹھڑی فنکار کے ہاتھ سے لے لی

اور مخاطب علی گوہر سے ہوئی تھی۔

"یہ...... یہ کیوں نکالا آپ نے، جلا کیوں نہیں دیا۔" ہالار نے کوٹ اٹھایا اور پھینک دیا، اس نے جیسے اپنا دل پھینکا تھا، وہ فنکار سے مخاطب تھا اور فنکار جیسے مجرم بنا کھڑا تھا۔

"شہزادے کی جگہ آپ کو تو قائم مقام شہزادہ بھی مل گیا۔" شکوہ کیسے نہ منہ سے نکلتا، بات ہی ایسی تھی، شکوے کا یہاں پورا پورا حق بنتا تھا۔

علی گوہر کے دونوں ہاتھ پشت سے جا لگے، پہلے سے ٹیک لگائی امرت نے سامان کا تھیلا وہیں رکھ چھوڑا۔

"تمہیں یہ کہاں سے ملی گوہر۔" اس سے پہلے کہ اور تماشا ہوتا امرت اپنی بات پر واپس آ گئی۔

"اس کا نام امر کلہ تھا۔" لہجہ بکھر گیا علی گوہر کا۔

"وہ مرنے گئی تھی، مجھے پتہ تھا وہ خودکشی کرے گی، وہ مر گئی، آج سے پہلے زندہ تھی، کل تک بھی۔" علی گوہر نے بکھرے ہوئے لفظوں کو یکجا کیا، مگر لہجہ تو ٹوٹا ہوا تھا۔

"وہ زندہ ہے، وہ بچ گئی۔" امرت کی آنکھیں چھلک گئیں۔

"وہ زندہ تھی اور مجھے پتہ بھی نہ چلا۔" ٹوٹی تو وہ تھی۔

"وہ زندہ تھی؟" ہالار جو کہ پہلے ہی ٹوٹا ہوا تھا چھلک پڑا، چلا اٹھا۔

علی گوہر نے سب کی طرف باری باری دیکھا، یہاں کون کون اسے جانتا ہے، اس کی جڑیں کہاں تک ہیں۔

"تم اسے جانتی ہو امرت؟" علی گوہر کے ہاتھ جو پشت پر بندھے تھے ڈھلک گئے۔

"تم اسے جانتی ہو؟" فنکار خالی ہاتھ کھڑا حواس باختہ کیوں ہوا۔

"تب سے جانتی ہوں جب اسے یہاں کھڑا ہوا کوئی نہیں جانتا تھا، خود ہالار بھی نہیں جس نے اسے دھوکا دیا۔" توپ کا رخ ہالار کی طرف تھا اب، امرت کی آنکھیں کیا غضب گولہ باری کر رہی تھیں۔

"میں نے اسے دھوکا دیا، میں نے۔"

"دھوکا تو اس نے مجھے دیا، مجھ سے جھوٹ بولا، ایک نہیں کئی جھوٹ بولے تھے اس نے، محبت میں کوئی ایسا کرتا ہے کیا؟" وہ کیوں نہ چلاتا۔

"تم نے اس سے محبت تو کی ہی نہیں ہالار، صرف ڈراما رچایا۔"

"تم ہوتی کون ہو مجھ سے یہ سوال کرنے والی، کیا لگتی ہو اس کی۔"

"میں اس کی کیا لگتی ہوں، یہ تم اس سے پوچھنا، میں صرف یہ جانتی ہوں، کہ میں اس کے تب بھی ساتھ تھی جب تم اسے پہلی بار ملے اور تب بھی جب تم اس سے آخری مرتبہ ملے، جب تم نے یہ کوٹ پہنا تھا۔" امرت نے فرش سے سرخ کوٹ اٹھایا۔

"پھر میں اس کے ساتھ کب تھی اور کہاں تھی تمہیں کیا پتہ ہالار، بس میں اس کے ساتھ تب نہ تھی جب وہ مر رہی ہوگی، تم نے اس بچایا علی گوہر؟" توپ نے گولے خود پر ہی برسا کر ختم کیے۔

''اسے کبیر بھائی نے بچایا تھا، پھر تم اس سے ملے؟''

''پھر میں ملا، مجھے ملوایا گیا، وہ لڑکی جس کا کوئی نام پتہ نہ تھا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، جو نہر کے پل پہ خودکشی کر رہی تھی، جسے اللہ نے بچایا، بھیجا کبیر بھائی کو، اس کے بعد کی کہانی لمبی ہے امرت۔'' وہ رکا ٹھہرا۔

''وہ تمہاری امرکلہ تھی حالار؟'' فنکار نے اپنے بیٹے کی ویران آنکھوں میں جھانکا، ابھی کتنی کہانیاں باقی ہیں۔

''مجھے پتہ ہوتا تو میں اسے روک نہ لیتا، میں اسے باندھ دیتا، مجھے کیا پتہ وہ کون تھی۔'' لہجہ شکستہ تھا۔

''وہ کہاں چلی گئی علی گوہر؟'' امرت اس سے پھر مخاطب تھی۔

''آخری بار پروفیسر غفور کے گھر تھی پھر پتہ نہیں کہاں۔''

''عمارہ...... گھر چلتے ہیں۔'' علی گوہر نے حیران کھڑی چپ چاپ تماشہ دیکھتی عمارہ سے کہا، زندگی کے پہلے سین میں اسے چپ لگی تھی، چپ بھی ایسی کہ ابھی تک نہ ٹوٹی تھی۔

''اس کے بعد وہ کہاں گئی، کیا وہ مجھے ملے گی، علی گوہر ہم اسے مل کر ڈھونڈ لیں گے نا۔''

''ہم تمہیں رستے میں گھر چھوڑ دیں گے، بھائی نواز کیا اچھا تانگہ چلاتا ہے۔'' علی گوہر پہ حالار کی نگاہیں جمی تھیں حالار نے اس میں وہ دیکھ لیا جو کبھی خود بھی دیکھا تھا۔

''یہ ان کو دے دو، یہ دونوں چیزیں۔'' علی گوہر کا اشارہ امرت کے ہاتھوں میں پکڑے کوٹ اور گٹھڑی کی طرف تھا۔

''یہ میں نے اسے دی تھی۔'' اس نے گٹھڑی کو مٹھی میں دبا لیا۔

''پھر تو تمہیں پتہ ہوگا اس کے اندر کیا راز ہے۔'' وہ زخمی مسکراہٹ میں کیسا لگ رہا تھا؟ اچھا لگ رہا تھا۔

''وہ کسی کو نہیں بتاؤں گی۔'' زخمی مسکراہٹ کے بدلے میں اداس آنکھیں مسکرائیں امرت کی۔

عمارہ سوچ رہی تھی، وہ اس سارے سین میں کیوں اور کس لئے تھی، یہ تو نواز حسین بھی سوچ سکتا تھا، مگر وہ اتنا احمق نہ تھا، نواز نے گھوڑے کو تیار کیا۔

عمارہ اور امرت پیچھے بیٹھ گئیں اور علی گوہر نواز کے ساتھ اگلی سیٹ پہ بیٹھ گیا، ایک کوٹ گنوا کر جیسے وہ سب کچھ گنوا آیا تھا، فنکار نے سرخ کوٹ کو سینے سے بھینچ لیا۔

گھوڑا ہنہناتا کھلے دروازے سے باہر والی گلی میں مڑ گیا، منظر میں باقی کھڑے تھے فنکار اور حالار، تصویر ایک بار پھر جیسے ساکت ہو گئی تھی، حالار کا جی چاہا ٹوٹ جائے، بکھر جائے اور فنکار نے ہمیشہ کی طرح سوچا کہ مر جائے۔

☆☆☆

تانگہ کسی چھکڑے کی طرح بے ہنگم شور سے چلتا ہوا جا رہا تھا اور اسی بے ہنگم شور کی زد میں علی گوہر کا دل تھا، امرت کا دماغ تھا اور عمارہ کے سوال تھے، وہ بار بار سوالیہ نظروں سے امرت کی طرف دیکھتی ایسے جیسے کہنا چاہ رہی ہو کہ ابھی اور کتنے راز ایسے ہیں جن میں تم دونوں ہمراز ہو، یا یہ کہ مجھے پتہ ہے تم دونوں کسی راز کے تحت ملتے رہتے رہے ہو، کچھ ایسا ہے جو مجھ سے چھپا ہوا ہے۔

علی نواز نے شہر کی کچی سڑک پہ تانگہ ڈال دیا جہاں نزدیک ہی امرت کا گھر تھا، اندرونی گلی اتنی کھلی ہوئی تھی کہ تانگہ اندر آ سکے اتنا سفر خاموشی سے کٹا تھا۔

کئی باتیں تھیں اور کئی سوال تھے مگر نواز حسین کی موجودگی سب کے لئے رکاوٹ تھی کہ اس کے سامنے عمارہ سر راہ چلانے سے گریز کر رہی تھی، امرت کچھ بولنے سے، علی گوہر کھل کر بات کرنے سے نہیں مگر رونے سے گریز کر رہا تھا حالانکہ وہ ایک ہی دن میں اس شخص کے نزدیک آ گیا تھا، اسے پتہ تھا ان کی چلتی کہانی کا وہ بھی ایک اہم کردار ہے، نواز حسین کو ایک اور ہی چپ لگی تھی، امرت کا گھر آ گیا، تانگہ رکا، اس کی ماں دروازے کی اوٹ سے نکل کر باہر آئی، وہ ایسے حواس باختہ تھی جیسے وہ اس سارے قصے میں شامل حال رہی ہو۔

''اگر میرے کہنے سے تم لوگ اندر چل کر ایک کپ چائے کا پیو تو مجھے خوشی ہوگی۔'' وہ کہہ نہیں رہی تھی، پوچھ رہی تھی۔

''چائے کپ کو اگلی ملاقات پر رکھتے ہیں، ویسے بھی تم لوگوں کی ملاقاتیں تو ہوتی رہیں گی اب۔'' علی گوہر کے بجائے عمارہ نے کہا تھا۔

''یہ تو ٹھیک کہا، پھر...... اللہ حافظ۔'' امرت بڑے احتیاط سے اترنا چاہ رہی تھی مگر پھر بھی دوپٹہ کیل میں اٹک ہی گیا اور کھینچنے پر ایک کونہ پھٹ گیا، علی گوہر نے افسوس سے دیکھا اور نواز حسین کو وہ سین یاد آ گیا جب امرکلہ اترتی تھی اور کبیر بھائی اسے تنبیہ کرتے تھے۔

وہ بھی دھیان نہیں رکھتی تھی، نواز نے کہا اور گوہر نے سن لیا، امرت کھلے دروازے میں کھڑی ماں کو بغیر سلام کیے اندر گھس گئی اور تانگہ پھر سے چل پڑا تھا اگلی منزل علی گوہر کا گھر تھا اور اس کے نزدیک آنے کے بعد نواز نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''پھر جمعے کے بعد ملتے ہیں، اسی دن کے بعد۔'' علی گوہر ٹھٹک کر مڑا اور کچھ کہنا چاہا کہ نواز نے اشارے سے روکا اور تانگے پر چڑھ کر سوار ہو گیا۔

''اللہ، بیلی بھا۔'' اس نے بلند آواز میں کہتے ہوئے لگام کھینچی چابک مارا اور تانگہ اپنی اگلی منزل کی طرف چل پڑا، علی گوہر کو ناچار عمارہ کے ساتھ گھر کے اندر آنا پڑا۔

☆☆☆

پلیٹ فارم کی بھیڑ میں جب کوئی بڑھیا جھریوں زدہ چہرہ لئے عمر کے تفکرات سے سجی چہرے کی پر سوچ سلوٹوں سے اندر کو دھنسی ہوئی چھوٹی سی گول آنکھیں گھما کر ایک گٹھڑی اٹھائے کھانستی ہوئی ٹرین کے دروازے کو مضبوطی سے پکڑ کر اتر رہی تھی اور جب کوئی آفیسر ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتا کھنکارتا ہوا بریف کیس لئے سپاٹ لہجے میں کسی کو مخاطب کرتا ہوا ریل میں جا بیٹھا تھا، جب کئی معصوم بچے ہجوم کی نظروں سے چرتے ہوئے دنیا کو کھوج رہے تھے، ان کو ہر جگہ رنگ ہی رنگ دکھتے تھے اور ایک نوجوان کھلکھلاتی دوشیزہ دوپٹے کا پلو پکڑے بڑھیا کی گھورتی ہوئی نظروں کے

تعاقب سے بچتی ہوئی ہستی جارہی تھی، جب قلی سامانوں کے تھیلوں سے اٹے ہوئے پلیٹ فارم پر گھوم رہے تھے، لوگ آرہے تھے، لوگ جارہے تھے۔

تب ایک نوجوان ایک چوبیس سالہ نوجوان لاھوت عبدالحئی گرے ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس ایک تھیلا پشت پہ لٹکائے ہوئے ہجوم کی نظروں سے چیرتا ہوا پلیٹ فارم کے ٹریک پر کھڑا تھا، خوش اتنا تھا کہ آنکھیں کئی رنگ کی روشنیوں سے بھرگئی تھیں اور طمانیت اس قدر کھڑے کھڑے چھلانگیں مارنے لگتا، یا چیخ چیخ کر خوشی کا اعلان کرتا، چلا چلا کر بتانا چاہتا تھا لوگوں کو کہ وہ آزادی پا کر رہا ہو کر آیا ہے اور وہ اب کبھی پلٹ کر نہیں دیکھے گا، وہ جیسے چاہے زندگی شروع کرے گا، یہ آج اس کی آزادی کا دن ہے، آج کا دن اس نے ڈائری میں لکھ لیا نوٹ کرلیا بائیس نومبر، اس کی پیدائش کا بھی دن تھا۔

ماں نے پیشانی چومی، دعائیں دیں، بلائیں لیں، باپ کے پاؤں جب تھامے تو بھی وہ ساکت تھا جیسے اور جب ہاتھ چومنے کے لئے تھامے تو ہاتھ کھسکا لیتے اور کوئی بات نہ کی، یوں ہی لیٹا رہا، چہرے کا رخ بدلے وہ اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چارہے تھے، ماں دل ہی دل میں روتی رہی اور دعا کرتی رہی کہ باپ کی خفگی دیکھ کر لاھوت کا ارادہ بدل ہی جائے، مگر یہ نہ ہوا، پھر یہ دعا کی کہ باپ ہی کچھ نرم دل ہو جائے مگر یہ بھی ناممکن نظر آتا تھا۔

ایک بیچاری عورت اگر بیوی بنتی تو بیٹے کا اعتبار کھوتی تھی اگر ماں بنتی تو شوہر کی نظر میں بے اعتبار ٹھہرتی بوڑھی ماں بیٹے کی نظروں میں بلائیں لینے لگتی یا اس کی جدائی کے ڈر سے کانپتی تو کمزور پڑ جاتی۔

شوہر کی طرح بیٹے کی راہ کھوٹی کرتی، روکتی چاہتی، خفا ہوتی تو معصوم دل توڑنے کے قصور وار ٹھہرتی، اس وقت یہ بوڑھی عورت صرف ایک بے بس، کمزور بے چاری عورت تھی، وہ عورت جو فیصلے تھوپ نہیں سکتی بلکہ فیصلے سننے اور تسلیم کرنے کی عادی ہوتی ہے، عورتوں کی ایک یہ نسل بھی ہوتی ہے، سر تسلیم خم کرنے والی اور صبر کا گھونٹ پی کر چپ رہنے والیں۔

ایک عورتوں کا وہ ٹولہ ہے جو لوگوں کی نظر میں بہو بیٹی بیوی ماں، ساس نند کی نظر سے بے اعتبار کہلایا جاتا ہے ایک وہ جو خود اپنا آپ منوانے کے چکر میں آدھی رہ جاتی ہیں اور جب رزلٹ کا وقت آتا ہے تو ان کے کھاتے میں پھر بھی خسارہ ہی آتا ہے۔

اور ایک عورت صرف انسان ہوتی ہے، مشین کی طرح کام کرنے والی، دن رات اپنے لئے دوسروں کے لئے راستے بنانے والی، مگر اسے بھی معاشرے سے عموماً کچھ رزلٹ کم ہی ملتا ہے، مگر بہر حال ہر نیک دل محنتی انسان کو انسان دوست لوگ پسند ہوتے ہیں، لاھوت کی آئیڈیل اس محلے خاندان میں کوئی نہ تھی، اسے ایک بہادر عورت کی تلاش تھی، اسے نہ جانے کیوں دفتروں میں کام کرنے سڑکوں پر کتابیں لئے پھرنے، لائبریریوں میں گھس کر کتابیں پڑھنے والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی تھی، وہ پلیٹ فارم کے ہجوم سے جب بس اڈے کی طرف آیا تو ایسی کئی ورکنگ وومین کو دیکھتا دلی دعا دیتا ہوا آیا تھا۔

ہائے وہ آنکھوں میں بتیاں جلا کر چلنے والا نوجوان، ہائے یہ خوبصورت مسکراہٹ والا زندہ دل

نوجوان، اسے تھیلا پشت پہ اٹھائے ہاسٹل کی طرف جاتا ہوا دیکھ کر اگر کوئی رک کر اس کی آنکھوں کے جلتے دیئے دیکھ لیتا یا پھر آنکھوں میں لکھی عبارت پڑھ پاتا، تو یقین ہے کہ دعا دیتا، آدمی ہوتا تو سر تھپکتا، خاتون ہوتی تو دست شفقت پھیر کر دعا دیتی۔

لڑکا ہوتا تو سیٹی بجا کر گزر جاتا، لڑکی ہوتی تو لمحے بھر کے لئے ٹھہر جاتی ساکت ہو جاتی اور سب کچھ بھول جاتی۔

لڑکی کے تصور پہ شرارتی مسکراہٹ پھینکتا سڑک پھلانگتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا، ایک اور ہجوم میں، جہاں ایک نئی زندگی اسے اپنی طرف بلا رہی تھی اور جس زندگی کی طرف وہ کھنچا ہوا جا رہا تھا۔

''یہ لوگ کیوں آئے ہیں تمہارے ساتھ، پھر وہ تانگے میں......'' وہ اس کے پیچھے پیچھے اندر آئیں دروازہ بند کرنا بھی بھول گئیں۔

''مجھے چھوڑنے آئے تھے۔''

''کہاں گئیں تھیں تم؟'' وہ مشکوک انداز میں کیسے بات کرتی تھیں۔

''تھک گئی ہوں سونا چاہتی ہوں۔'' وہ کمرے میں آ گئی۔

''مجھے میرے سوال کا جواب دو، کہاں گئیں تھیں تم؟ اور یہ لوگ تمہارے ساتھ کیوں تھے، ٹیکسی نہیں ملی تھی کیا؟'' لہجہ خاصہ چبھتا ہوا تھا۔

''کسی سے ملنا تھا، اب یہ نہ پوچھئے گا کس سے؟ کوئی دفتر کا کام تھا۔'' وہ کپڑے نکالنے لگی چینج کرنے کے لئے۔

''آدمی تھا یا خاتون؟'' اف کیسا خطرناک سوال تھا۔

''آپ مجھ سے عبدالمنان کی ذہنیت جیسے سوال کر رہی ہیں؟'' وہ رکی تھی۔

''عبدالمنان آیا تھا، اپنی فیملی کے ساتھ، تمہارا نمبر بند تھا بہت ٹرائی کیا۔'' اس کے نام پر یاد آ گئی اصل بات۔

''کیا کہہ رہے تھے وہ لوگ؟''

''ڈیٹ رکھنے کی بات کرنے آئے تھے تو؟'' وہ ایسے پوچھنے لگی جیسے یہ کسی اور کی شادی کا معاملہ ہو۔

''مگر ڈیٹ کیا رکھتے، خفا ہو کر گئے تھے تمہاری غیر موجودگی کی وجہ سے، میں نے کہا وہ آ جائے تو بات کر لیتے ہیں، مگر بیٹھے بھی نہیں، کہہ رہے تھے کیا؟ روز امرت اس وقت آتی ہے؟ یہ کیوں پوچھ رہے تھے۔''

''ظاہر ہے اب تمہاری سسرال ہے یہ باتیں تو ہونگی، اس لئے کہہ رہی ہوں کہ احتیاط کر لیا کرو۔''

''میرے لئے ایسی باتوں کے لئے ایک حنان ہی کافی ہے سارے لوگ اگر حنان بن گئے تو میرا جینا تو مزید مشکل ہو جائے گا کیونکہ میں زیادہ سے زیادہ ایک عبدالحنان سے نبٹ سکتی ہوں، پوری دنیا سے نہیں۔'' وہ بیزاری سے جھنجھلائی۔

''وہ لوگ ایسے ہی ہیں امرت، تمہیں سمجھنا ہوگا۔''

''سمجھنا ہوگا یا بھگتنا ہوگا؟'' وہ تھکی تھی۔

''جو بھی ہے سب فیس کرو، یہی زندگی ہے امرت بیٹے۔''

''یہی زندگی نہیں ہے امی، زندگی اس سے بھی زیادہ مشکل ہے، اذیت ناک ہے، مگر کیا کریں، ان ساری باتوں کے باوجود زندگی حسین بھی ہے زندگی کی طلب کو انسان کی فطرت کی مٹی میں شاید گوندھا گیا ہے، جتنا بھی رو ئیں، مرنے مارنے کی بات کرو مگر اس کے باوجود بھی بندہ جینا چاہتا ہے، لوگ مر جاتے ہیں، مگر جینے کی خواہش نہیں مرتی (پتہ نہیں پروفیسر صاحب کیسے انسان ہیں جو کہ مرنے کی ہی بات کرتے ہیں، مرنے کا ہی سوچتے ہیں)۔'' یہ اس نے وہیں کھڑے کھڑے سوچا تھا اور پھر واش روم میں گھس گئی، بیسن کا نل پورا کھول دیا پانی بے طرح بہہ رہا تھا، وہ پانی کے نیچے اپنے ہاتھ لئے کھڑی تھی، غائب الحواس......اور ایک اس کی ماں تھی جسے اس کی باتوں پر اکثر اوقات چپ لگ جاتی تھی، وہ ابھی بھی یہی سوچ رہی تھیں کہ امرت اتنی گہری کیوں ہوگئی ہے، کیا خلا ہے جو بڑھتا ہی جا رہا ہے، گھٹنے میں نہیں آتا، پر نہیں ہوتا، وہ جتنا سوچتیں اتنا الجھتیں اور اسی لئے سوچنا چھوڑ تیں، مگر ترک کرنا بس کی بات نہ تھی ورنہ سوچنا ترک کر دیتیں۔

☆☆☆

صبح کا بھولا شام کو گھر تو لوٹتا تھا، پر گھر کا رستہ ہمیشہ سے اس کے ذہن کے نقشے سے غائب ہو جاتا تھا، تو تو پھر وہ دل کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتا تھا، بہانہ کچھ اور تھا، سامنے صرف عشق تھا۔

اس نے برآمدے کے پلر سے ٹیک لگا لی وہ فرش پر بیٹھا ہوا تھا جب عمارہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھتے ہوئے اسے کچھ لمحوں کے لئے ساکت سی ہوگئی تھی اور پھر باہر نکل آئی، اس کے سامنے والے پلر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''کچھ مت کہنا۔'' علی گوہر نے اس کے ہونٹ کھلتے ہی اسے ٹوک دیا، مجنوں لگ رہا تھا بکھرا ہوا۔

''اتنی محبت کرتے ہو علی گوہر اس امر کلہ نامی لڑکی سے۔'' وہ کیسے چپ رہ سکتی تھی۔

''تم نے تو کہا تھا تمہارے مجھ سے سب رشتے ہیں، پھر مجھ سے کیوں نہیں کہتے، مجھے بتاؤ، میں تمہارے ساتھ چلوں گی اسے ڈھونڈنے کے لئے، ایک بار تو کہہ دیتے مجھے......مگر تم کیوں کہتے......آخر کیوں، تمہیں کون سا مجھ پر بھروسہ ہے۔''

''تم امرت پر بھروسہ کر سکتے ہو، کسی پر بھی کر سکتے ہو سوائے میرے، ہے ناں؟''

''تمہارا اصل مسئلہ مجھے سمجھ نہیں آتا عمارہ، تم اوروں سے جلنے کیوں لگی ہو، تم کالی بلی بن کر رستہ کاٹنے کی کوشش کیوں کرتی ہو، تم خود اپنا رستہ کیوں نہیں تلاش کرتی۔'' ٹوٹے ہوئے لہجے میں جہاں بھر کی بیزاری تھی۔

''میں تو تمہیں کالی بلی ہی لگوں گی سفید بلیاں جو تمہارے رستے میں آ گئی ہیں۔'' لہجہ خاردار جھاڑیوں کی طرح کاٹتا تھا۔

وہ تو پہلے ہی جھاڑیوں کے ہاتھوں زخمی ہوتا آیا تھا، پھر سے ہنس پڑا، کھوکھلی ہنسی۔

''بہت برے لگ رہے ہو علی گوہر۔'' عمارہ نے خونخوار نظروں سے اس کی ہنسی کو ہضم کیا۔

''میں جانتا ہوں عمارہ، میں جانتا ہوں، مگر تم سے سن کر اور اچھا لگ رہا ہے، بہت اچھا۔''

''تم بہت بدل گئے ہو گوہر۔'' لہجہ شکایت کے روپ میں ڈھل جاتا تھا۔

''اللہ کرے تم کبھی نہ بدلو عمارہ۔''

''تاکہ تمہیں کبھی بھی اچھی نہ لگوں؟ مجھے پتہ ہے تم میری کوئی بات سنجیدگی سے نہیں لیتے، پتہ ہے، کبھی کبھار مجھے لگتا ہے میری یہاں کسی کو ضرورت نہیں ہے، اماں تمہارے لئے روتی ہیں، کیونکہ انہوں نے تمہیں پیدا کیا ہے مجھے تو پالا ہے بس۔''

''تم نے وہ بات نہیں سنی کہ پیدا کرنے والے سے پالنے والا بڑا ہے، ہو سکتا ہے کہ میں نے مقولہ الٹ دیا ہو، کیسا عمارہ۔'' اس نے جیسے بات بدلنا چاہی۔

''ابا بھی تمہارے لئے سوچتے رہتے ہیں......اور تم۔'' وہ رکی۔

''تمہارے سوچ کے اور کئی در ہیں......گوہر......اگر میں چلی جاؤں، اگر میں چلی جاؤں تو اماں ابا کا خیال ضرور رکھنا، رکھو گے نا؟''

''بہت غلط وقت پر ایموشنل بلیک میل کرنے کا حربہ آزمایا ہے عمارہ۔'' وہ اسے گھورنے لگا خفگی سے۔

''بلیک میلنگ سے کوئی اثر نہیں ہوتا، میں واقعی سوچ رہی ہوں کہ چلی جاؤں، تم سب لوگوں کا راستہ صاف کر دوں، اگر میں چلی جاؤں علی گوہر۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تو میں یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے بھی یاد کرتے رہنا۔'' کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

علی گوہر حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتا رہا، دروازہ کھلا وہ اندر گئی پھر بند ہوا، مگر کھڑکی کھلی تھی، وہ کھڑکی میں سے دیکھ رہا تھا۔

جب عمارہ کھڑکی میں کھڑی ہوئی اور کھڑکی بند کرتے ہوئے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو اس نے وہیں سے دیکھ لئے تھے، وہ اٹھنا چاہ رہا تھا مگر اٹھ نہ سکا۔

بند کھڑکی کو دیکھتے ہوئے آنکھیں پتھرائی جاتی تھیں، اس نے آنکھیں اٹھائیں اور تاروں بھرے آسمان پر ڈال دی، پھر جب نظر تھک گئی تو ایک مرتبہ پھر جھکالی تھی۔

وہ وہیں ٹیک لگائے لیٹ گیا اور لیٹتے ہوئے سو گیا، سرد ہوا کے تھپیڑے اس کے چہرے سے ٹکراتے رہے چہرہ سرد تھا، جذبات بھی سرد تھے، وہ بھی سرد تھا، رات سرد تھی، گزرتی گئی۔

☆☆☆

حرم کی زمین اور قدم رکھ کر چلنا

سجدہ لمبا ہو گیا تھا، اتنا لمبا کہ اس میں جان بھی چلی جائے سجدہ رب کی بارگاہ میں تھا، سر اللہ کے حضور جھکا تھا اور دل اللہ کے محبوب احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے جھکا تھا، اب کوئی کہتا تو کیا کہتا۔

بے دام ہی بک جائے بازار نبیؐ میں
اس شان کے سودے میں خسارے نہیں ہوتے

کبیر احمد کہاں تھا، بظاہر حرم کی زمین پر، مگر اڑ تو جیسے آسمانوں میں رہا تھا، دل اتنا اڑا اڑا پھرتا

تھا تکتا ہی نہ تھا۔

منزل آخر پر آکر سارے حیلے اور وسیلے مر جاتے ہیں، پھر ایک ہی حیلا اور وسیلا رہ جاتا ہے، درِ منزل، سرِ منزل، کبیر احمد کمہارنی کی آنکھ کا تارہ، جن آنکھوں میں نقش اول سمایا اور نقش آخر ہو گیا، آنکھیں جھلملائیں تو ان کا بھی سبب ہوتا ہے، روح جھومے تو بھی سبب ہوتا ہے، نفس کہیں اوٹ سے جھانک رہا تھا۔

اور فضا میں ایک اور صدا ابھری
ہر ذی نفس کو موت آنی ہے
شکر صد شکر کہ موت آئی در آقا پر
اب یہاں ایسے چلے جانے کا امکان گیا

سجدہ کیوں نہ لمبا ہوتا، سجدہ دل کا جو تھا اور روح کا جو تھا، اس سارے سفر میں نفس اپنی تمام شدتوں سمیت ہار گیا۔

اور تمام خطاؤں کا پلڑا اٹھائے حضرت انسان جب طوبہ اور بخشش کا سفر طے کرنے لگتا ہے تو بیچ میں کچھ نہیں رہتا۔

ایک رہتا ہے بندہ، دوسرا رہتا ہے بندے کا خدا، باقی جنتر منتر دنیا کے، دنیا میں ہی دم توڑ جاتے ہیں، کبیر احمد کا ٹرانسفر آرڈر منظور ہو گیا کل اور آج کی پیشی تھی، خادم دربار میں پیش ہوتا تھا، سرِ تسلیم خم کیا تو سفر کے کانٹے از خود پھول بن سکتے ہیں، آگے بندہ جانے اور بندے کا رب، کمہارنی کا بیٹا سرِ منزل تو پہنچا اور پہنچ ہی گیا۔

☆☆☆

نواز حسین ہڑبڑا کر نیند سے بیدار ہو اٹھا، یہ کوئی فجر کے قریب کا وقت تھا، دل بڑا بے چین تھا، تو آج وہی دن تھا، اس نے اٹھ کر وضو کیا، تسبیح اٹھائی دانے گھماتا رہا، اذان فجر کے قریب جاء نماز پہ بیٹھا اذان ہوئی کلمہ پڑھا اور تکبیر کہہ کر نیت باندھ لی۔

☆☆☆

''صبح صبح کیوں اٹھ گئے ہو علی گوہر۔'' ماں بے چین تھی، اٹھ کھڑی ہوئی اسے بیدار دیکھ کر، یہ نہیں پتہ تھا کہ رات سویا ہی کب تھا۔

''دل چاہ رہا تھا، فجر پڑھنے کو۔'' جاء نماز اٹھا کر باہر لے گیا۔

''باہر ٹھنڈ ہے بیٹے۔'' ماں کیسے فکر مند ہو جاتی ہے۔

''باہر سکون بھی ہے اماں۔'' وہ کہتا چلا گیا۔

عمارہ اٹھ گئی تھی، وہ کچھ دنوں سے اس سے خفا تھی، اس رات کے بعد کئی راتیں اسے جاگتے ہوئے دیکھا، پر بات نہ کی، مسئلہ نہ پوچھا، دریافت کے سمندر میں پتھر پھینکنے کی کوشش تک نہ کی۔

وہ بھی کھڑی ہو گئی، نماز پڑھی، پھر ناشتہ بنانے کی تیاری کی، علی گوہر کچن میں آیا خاموشی سے قہوہ بنا کر لے کر چلا گیا، کئی دنوں سے وہ ناشتے میں صرف قہوہ اور پاپے لے رہا تھا، دوپہر میں بھی کچھ خاص نہ کھاتا، رات کو کھانا برائے نام اماں ابا کا دل خوش کرنے کے لئے کھاتا یہ چار دن وہ گھر

سے ایک لمحہ بھی باہر نہ نکلا تھا۔

عمارہ دو دن سے ڈیوٹی پر جا رہی تھی، واپس آتی تو بھی اسے اپنے کمرے میں ہی پاتی تھی۔

شام کو باہر بیٹھا اماں کی باتیں سنتا رہتا، وہ خوش ہوتی رہتیں، اسے لگ رہا تھا علی گوہر کو زنگ لگ گیا ہے۔

بیکار چیزوں کی طرح خود کو پھینک دیا ہے اس نے زندگی کے کونے میں، اس وقت اس کا اداس چہرہ دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا۔

وہ باہر آئی تو وہ قہوے والا کپ خالی کر چکا تھا، اس نے اماں کو ناشتہ دینے کے بعد اس کے سامنے ایک پراٹھا اور فرائی انڈہ رکھا اور خاموشی سے آ گئی کمرے میں تیار ہوئی ناشتہ کیا بیگ چیک کیا، چند کاغذ دیکھے اپنے بیگ میں ڈالے اور کمرے سے باہر آ کر ناشتے کے برتن سمیٹ کر کچن میں لے گئی، علی گوہر کی بچی ہوئی روٹی اور آملیٹ کا ٹکڑا اس نے کھا لیا وہ اسے دیکھ رہا تھا، اس نے برتن کھنگال کر رکھے کچن میں، اور گوہر کے کمرے میں چلی آئی اور اس کا کوئی پرانا جوڑہ کھنگالنے لگی آخر مل ہی گیا۔

''کیا چاہیے تمہیں؟'' وہ دروازے سے اندر آ گیا۔

''تم سے کچھ نہیں چاہیے اب۔'' وہ سیدھی ہوئی۔

''یہ لو...... یہ پہنو، مزدوری بھی کر سکتے ہو تو کرو، مگر گھر سے نکلو، کام کرو، زنگ مت لگاؤ خود کو۔'' اس نے وہ سوٹ اس کے ہاتھوں میں تھمایا تھا۔

''اگر باہر نکل کر میں پھر گم ہو گیا تو کیا تم مجھے ڈھونڈنے آؤ گی؟''

''میں اب تمہیں ڈھونڈنے نہیں آؤں گی گوہر۔''

''اگر تم مجھے نہیں ڈھونڈنے آؤ گی تو میں تو گم ہو جاؤں گا، اماں پریشان ہونگی، ابا بھی، وہ لوگ تمہیں کہیں گے علی گوہر کو ڈھونڈ کر لاؤ۔'' لہجہ تھکا ہوا تھا۔

''میں ان کو کہوں گی اسے ڈھونڈنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔''

''میں بچپن میں جب بھی گم ہو جایا کرتا تھا تب تم مجھے ڈھونڈ لیا کرتی تھی۔''

''بچپن تو بچپن ہوتا ہے، تب تم بہت چھوٹے تھے، اب تم میری پہنچ سے دور ہو گئے ہو، تب تمہارے ٹھکانوں کا مجھے پتہ ہوتا تھا، یا چاچے کی دکان پر گئے ہو گے یا عدیل کے گھر یا گلی کے کسی نکڑ پر چھپے ہو گے یا بارکیٹ والے میدان میں کھیل رہے ہو گے، یا کہیں کسی دوست کے گھر پہ بیٹھے بیٹھے سو گئے ہو گے، تمہارے سارے ٹھکانوں کا پتہ تھا، اب تو تم پتہ نہیں کن جنگلوں میں نکل جاتے ہو، کہاں کہاں چلے جاتے ہو شہر کے رستے مجھے زیادہ یاد نہیں رہتے، بستیوں کی گلیوں سے مجھے ڈر لگتا ہے، خدا جانے کیسے پروفیسر کے گھر پہنچ گئی تمہارے پیچھے اگر امرت نہ لے جاتی اس دن انٹرویو کرنے تو کبھی نہ آ پاتی۔''

''اب تو تم نے نواز حسین کا گھر بھی دیکھ لیا عمارہ اور پروفیسر کا بھی، تمہیں میرے سارے ٹھکانوں کا اب پتا چل گیا ہے، رہی بات جنگلوں کی تو جنگلوں میں جانا چھوڑ دیا ہے میں نے اب، وہ کبیر بھائی تھے جو پتہ نہیں کہاں کہاں پھراتے تھے، اللہ ان کو اب بھی سلامت رکھے، میں چاہتا

ہوں میں اگر گم ہو جاؤں تو کوئی میرے پیچھے آئے مجھے آوازیں دے۔"

"اور تم پھر بھی اسے نہ ملو، گلی کے نکڑ پر چھپ جاؤ ہے نا؟ کوئی ایسے بھی کرتا ہے کیا گوہر، گم تو ہو چکے ہو، جاؤ پہلے خود تو خود کو ڈھونڈ لاؤ۔" اس بار علی گوہر لوٹا تو، وہ کہتے کہتے رہ گئی

"رسیوں سے باندھ دوں گی۔"

وہ مسکرایا۔

"میں اگر مزدوری کروں گا تو تمہیں برا نہیں لگے گا نا؟"

"میرے برے لگنے کا کیا سوال ہے۔"

"تم بس کوئی کام کرو، مجھے یہی اچھا لگے گا۔"

"پتہ ہے عمارہ میں اگر یہ کپڑے پہن کر گھر سے نکلا تو اماں رونے لگ جائیں گی، میں یہاں سے اچھے کپڑے پہن کر جاتا ہوں، مزدوری کے وقت بدل لوں گا، پھر مزدوری کر کے واپس آؤں گا تو بیگ میں چھپا کر لے آؤں گا، تم دھو دو گی نا۔"

"میں دھو لوں گی۔"

"پھر میں اچھے والے کپڑے پہن لوں؟" معصوم بچوں کی طرح پوچھنے لگا تھا۔

"پہن لو۔"

"تم باہر میرا انتظار کرو، میں آتا ہوں پھر ہم اکٹھے نکلتے ہیں۔" وہ اپنے لئے دوسرے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا۔

عمارہ نے بلیک رنگ کے بیگ میں پرانے کپڑوں کو چھپا دیا اور برآمدے میں بیٹھی اماں کے پاس تخت پر آ کر بیٹھ گئی، وہ تھوڑی دیر میں تیار ہو کر باہر آیا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو علی گوہر؟" ابا کمرے سے باہر آتے ہوئے چونکے۔

"ابا نوکری ڈھونڈنے۔" وہ زبردستی مسکرایا تھا۔

"آج تمہیں نوکری ضرور ملے گی، میرا دل کہتا ہے علی گوہر۔" انہوں نے بہت دنوں بعد اس پر پڑھ کر پھونکا تھا، پیشانی چومی سر پہ پیار کیا، بچوں کی طرح ساتھ لگا کر تھپکا، وہ خوش ہو گیا، مسکراہٹ ایک دم سچی ہو گئی، اماں نے بھی دعائیں دیں سر چوما، دل چاہ رہا تھا ماں باپ کے قدموں میں بیٹھ جائے تو اٹھے ہی نا، عمارہ نے اشارہ کیا گھڑی کی طرف تو اٹھا، بائیک نکالنے لگا۔

"یہ فیصلہ کر لو کو بائیک کون چلائے گا، میرا دل چاہ رہا ہے میں بائیک چلاؤں تم میرے پیچھے بیٹھو، ہر جگہ آگے آگے ہوتے ہو۔" عمارہ بیگ لے کر صحن میں آئی۔

"ہم جب گاڑی لیں گے تو تم ڈرائیو کرنا میں پیچھے بیٹھوں گا، یا پھر ساتھ والی سیٹ پر۔" وہ اس کا دل خوش کرنے لگا۔

"ہم گاڑی نہیں لے رہے فی الحال تو بالکل نہیں، اچھا بیٹھو اب۔" وہ بائیک پر بیٹھ گئی اسے کہتے ہوئے۔

"تمہیں گاڑی چاہیے عمارہ؟"

"اب خدا کے لئے کسی شوروم میں نہ گم ہو جانا گاڑیاں دیکھنے کے لئے۔"

"میں تمہیں تمہاری شادی پر گاڑی گفٹ کروں گا، تم اپنے شوہر کے ساتھ لانگ ڈرائیو پر جانا۔"

"فی الحال میں شادی نہیں کر رہی، نہ تم مجھے گاڑی لے کر دے رہے ہو، خواب کم دیکھو بائیک چلاؤ یہ بھی ایک طرح سے گاڑی ہی ہے۔"

"عمارہ ویسے ہم تانگہ تو لے ہی سکتے ہیں۔" وہ بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"خدا کے لئے گوہر، اب چلو بھی، مجھے ذرا مزا نہیں آتا اس چھکڑے کی چھکڑ چھکڑ میں اچھلتے کودتے جاتے ہوئے۔"

"تو پھر رکشہ کیسا لگتا ہے تمہیں؟" وہ ہنسنے لگا۔

"تم سیدھے سیدھے گدھا گاڑی کا نام لے لو ٹریک پر آ جاؤ۔" اس نے غصے میں آنے کی کوشش کی تھی۔

"تمہیں یہ پسند ہے، واہ۔"

"ہاں مگر تمہارے لئے۔" وہ بھی ہنسی۔

"بہت بری بات ہے تم مجھے شادی پر ایسا تحفہ دو گی؟"

"میں تمہیں تمہاری شادی پر ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ دوں، یہ کہو کہ میں تمہاری شادی ہی نہ ہونے دوں۔" بائیک گلی سے باہر نکل آئی تھی۔

گوہر کے ابا نے دروازہ بند کرتے ہوئے آخری بار آیت پڑھ کر پھونکی اس پر اور مطمئن ہو کر اندر چلے آئے، ماں کی آنکھیں کئی دنوں بعد جھلملائیں تھیں اور علی گوہر کئی دنوں بعد ہنسا تھا، عمارہ مسکرائی تھی، دکھ ہلکا پھلکا ہو کر بیٹھ گیا لمحے بھر کے لئے، ہوا سرد تھی، ماحول ٹھہرا ہوا پرسکون تھا۔

☆☆☆

"خوشی کا اگر کوئی ٹھکانہ ہوتا حالی، تو وہ میرا دل ہوتا، مجھے تمہارے آنے کے بعد کسی کی شاید ضرورت نہیں رہی۔" ھالار کامران کی گود میں تھا، وہ نیم غنودگی میں تھا۔

"ابا سونے دیں یار۔" وہ خاموشی سے سونا چاہتا تھا۔

ساری رات وہ جاگا تھا، جاگ کر لڑا تھا ان کے ساتھ کئی نئے پرانے حساب رہتے تھے، وہ دونوں ہم عمروں کی طرح لڑتے رہے پھر جب فجر کا وقت ہو چلا تو فنکار ڈھیر ہو گیا رو دیا اور ھالار کمزور پڑ گیا، دونوں نے اچھے دوستوں کی طرح ایک ہی نشست میں نماز ادا کی، پھر سورۃ یاسین کی تلاوت کی اور ھالار سو گیا، فنکار اسے سکون کی نیند لیتا دیکھ کر بیٹھا رہا، ارادہ تھا کہ وہ سو کر اٹھے گا تو پھر سوئے گا اور ھالار ابھی تک سو رہا تھا صبح کے ساڑھے نو بج رہے تھے اور اس کے خراٹے ایک دفعہ پھر گونجنے لگے اس کے کمرے میں، فنکار نے ایک قہقہہ مارا اور وقت دیکھنے کو حالی کی گھڑی اٹھائی وقت دیکھا، اس کا سیل فون پتہ نہیں کون سے بیگ میں تھا کہ ڈیٹ بھی چیک کر لیتا، وقت پر ہی اکتفا کر کے لیٹ گیا، نیند اس کی بھی راہ دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

امرت دفتر میں گیٹ کے نزدیک ہی کھڑی تھی جب علی گوہر کی بائیک آتی دکھائی دی، ساتھ

ہی عمارہ بھی تھی وہ وہیں رک گئی، بائیک گیٹ کے اندر نہیں آئی گیٹ کے پاس رکی، عمارہ اتری اندر آئی، علی گوہر نے ماتھے تک ہاتھ لے جا کر امرت کو سلام کیا تھا جس کا جواب اس نے اثبات میں سر ہلا کر دیا اور علی گوہر ایک دفعہ پھر سے بائیک لے اڑا۔

عمارہ اس کے ساتھ ساتھ اندر آئی اس سے پہلے کہ سلسلہ کلام جڑتا سامنے مس یاسمین کھڑی تھیں، وہ دونوں خاموشی سے اندر آ گئیں اور کام دیکھنے لگیں، نیا پرچہ آج پریس چلا گیا تھا کام کا بوجھ کم تھا۔

مس یاسمین آخری کاپی بھی پریس میں جانے کے بعد آرام سے لنچ کرنے لگیں ان کو بھی آفر کی مگر امرت نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے اور عمارہ نے لنچ ٹائم لیٹ ہونے کی صورت میں ٹال دیا تھا، وہ سیکرٹری سے ملنے کے بعد فوراً چلی گئیں تھیں اور اب روم میں صرف وہ دونوں تھیں، ان دونوں کو ایک دوسرے سے بہت ساری باتیں کرنا تھیں اور دونوں ہی یہ سوچ رہی تھیں کہ بات کا آغاز کیسے کریں، ابھی اتنی دوستی کہاں تھی کہ بے جھجک بات کرنا شروع ہو جائیں، وہ اسی کشمکش میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں تو دونوں مسکرائیں اور پھر بے وجہ ہی ہنسنے لگیں۔

☆☆☆

پرانی کوٹھی کا زنگ آلود تالا کھولنے کے لئے اس کے پاس کوئی چابی نہ تھی مگر ایک طریقہ ضرور تھا، چابی کے بغیر تالا کھولنے کے گر اسے اس کے باپ نے بچپن میں سکھایا تھا، اس کا باپ چور تھا وہ بڑی بڑی چوریاں کر کے آتا تھا، بچپن میں وہ باپ کو بہادر سمجھتی تھی اور بڑی ہونے کے بعد برا سمجھنے لگی، اس کے باوجود بھی نفرت نہیں کر پائی، نفرت کرنا مشکل جو تھی، بہت مشکل تھی، وہ بھی کسی بیٹی کے لئے اپنے باپ سے نفرت کرنا محال ہی تھا، جب امرت اسے باپ کو برا بھلا کہتے سنتی تو اکثر چپ ہو جاتی تھی، اسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ اپنے باپ کے بارے میں وہی کہے جو اس کی ماں کہتی ہے، وہی کہے جو اس کے باپ کے گھر والے کہتے تھے، یا پھر وہی کہے جو وہ کہنا چاہتی تھی اور سچ تو یہ تھا کہ وہ جو کہنا چاہتی تھی وہ اسے سچ نہ لگتا تھا۔

تب امر کلہ کو احساس ہوتا کہ وہ باپ جیسی نعمت سے محروم نہیں ہے، وہ صاحب حیثیت سمجھنے لگتی، خوب برا بھلا کہتی پورے حق سے، یہاں تک امرت کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے زبان کو چپ لگ جاتی اور جب آنکھ میں آنسو آتے اور زبان کو چپ لگتی تو وہ رک جاتی، جیسے ابھی کچھ لمحے کے لئے رکی تھی اور پھر اپنے گھر کا تالا وہ چوروں کی طرح ایک لوہے کی کیل سے کھولنے لگی، اپنے ہی گھر کا چوروں کی طرح دروازہ کھولا، تیز دھوپ تھی مگر تپش زیادہ نہ تھی، اس کے محلے والے بھی شاید بدل چکے تھے ساتھ میں نیا مکان بنوایا گیا تھا، جو انہی دنوں بن رہا تھا جن دنوں وہ گھر سے نکلی تھی، اس کی تمیلی کہاں گئی، اسے نہیں پتہ تھا، اس کا دل اتنا ہی خالی تھا جتنا یہ ویران گھر تھا، وہ اندر آئی اجڑا ہوا گھر، ویران کوٹھی، دو کمروں والی، جن کے آگے کوئی چھپر نہ تھا کوئی برآمدہ نہ تھا بھری دھوپ کمروں کی کھڑکیوں دروازوں سے جھانکتی تھی۔

وہ کمرے میں گھس آئی ایک چھوٹا سا کمرہ جس کو تالا نہ تھا جس میں عموماً وہ جائے پناہ ڈھونڈتی تھی، وہ اپنے ٹوٹے ہوئے پلنگ کے پاس آ گئی جو گرد سے اٹا تھا اس نے گرد جھاڑی، کھانسی شروع ہو گئی، بڈھوں کی طرح سر پکڑ کر بیٹھ گئی، کھانسی پھر شروع ہو گئی گلے کی سوجن اینٹھن سوزش بڑھ گئی، گلے میں جیسے کوئی گولا اٹکنے پھنسنے لگا، اس نے سر ٹوٹے ہوئے بیڈ کی پٹی پر ٹکا دیا، درد کی ایک لہر اٹھی تھی، اسے گھڑی یاد آئی، ساتھ ہی امرت بھی، ساتھ ہی ہالار، ساتھ ہی کبیر بھائی، علی گوہر، پروفیسر غفور، سارے چہرے رقص کرنے لگے، ناچنے لگے عکس آنکھیں دھندلا گئیں، اسے تاریخ یاد آ گئی، ساتھ ہی ایک راز، آنکھیں بھر آئیں، وہ رونے لگی، پھوٹ پھوٹ کر، یادوں کو جھٹکنا مشکل تھا۔

زندگی ایک دفعہ پھر اس کمرے میں لے آئی اسے، وہ بے ساختہ کسے پکارتی، یہاں کوئی نہ تھا، نہ کبیر بھائی، نہ علی گوہر، نہ ہالار، نہ امرت، نہ پروفیسر غفور، وہ کسے پکارتی۔

اس نے بے ساختہ مسجد مندر گرجا کو سوچا، اس کے ذہن میں خدا کے کئی نام آ گئے اور وہ کئی ناموں سے پکارنے لگی اور ایک دفعہ پھر اس نے عیسیٰ کے خدا سے موت مانگی تھی، ایک دفعہ پھر، اس نے سوچا، موت...... یا پھر خودکشی، کئی طریقے، نہر، پھانسی اور کچھ...... نہیں...... یہ موت نہیں اس کے اندر وہ خود چلائی اور تڑپنے لگی، درد ایک دفعہ پھر شدت سے اٹھا، کیا پھر سے اسے موت کا انتظار کرنا پڑے گا، انتظار...... موت...... وہ جیسے لیٹے لیٹے لڑھک گئی، اب کون امر کلہ تمہیں بچانے آتا۔

☆☆☆

''میری شادی کی ڈیٹ فکس ہوئی ہے۔'' وہ ایسے اسے بتا رہی تھی جیسے سزائے موت کی خبر سنا رہی ہو یا پھر عمر قید کی، عمارہ مسکرا نہ سکی۔

''کب ہے شادی؟''

''اگلے ماہ۔'' پھر خاموشی بیچ میں حائل ہو گئی۔

''خوش ہو؟'' نا چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھی۔

''پتہ نہیں۔''

''خود کے ساتھ کھیل رہی ہو؟'' عمارہ کے لہجے میں فکر سی گھل گئی۔

''پتہ نہیں۔'' عمارہ کے ہونٹوں پر حقیقت آ گئی۔

''ہاں شاید۔'' اس بار اس نے پتہ نہیں، نہیں کہا تھا۔

''امرت تم بہت اچھی ہو۔''

''میں تمہیں اچھی لگ رہی ہوں، آج کی تاریخ تو لکھ لینی چاہیے تھی۔'' امرت مسکرائی۔

''لکھ لو۔'' وہ مسکرائی۔

''امرت تمہیں کچھ اور کہنا چاہتی ہوں، کوئی مشورہ کرنا ہے تم سے۔'' وہ یکدم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''کہو...... خیریت۔''

''امرت میں یہاں سے جانا چاہ رہی ہوں، میں سوچ رہی ہوں مجھے ان کے پاس چلے جانا چاہیے، شاید یہی بہتر ہے، جو سب مجھے کب سے سمجھا رہے تھے، تمہارے پاس یا پھر خالہ کے پاس ان کا نمبر ہوگا۔'' اس نے پہلی بار اس کے سامنے اس کی ماں کو خالہ بلایا تھا۔

"میں تمہارے اس فیصلے کی شدید مخالفت کرتی ہوں عمارہ ان کے پاس تم جانے کے لئے کیسے رضا مند ہو گئی، ان کو جن کو تم ماں تک نہیں کہہ سکتیں، ان کے پاس جانا کیسا اذیت ناک ہو گا تمہارے لئے، البتہ تم ویسے ان سے بات کر لو، کوئی حرج نہیں خوش ہو جائیں گی وہ، ترستی ہیں تمہاری آواز سننے کے لئے۔"

"اس لئے کہ ان کی کوئی اور اولاد نہیں اگر ہوتی تو یوں نہ ہوتا اس کے الٹ ہوتا، تمہیں نہیں لگتا کہ ہماری مائیں بہت خود پسند ہیں بہت مطلبی، بہت لاپرواہ اور کسی حد تک بھی جی بھر کے۔" وہ کہتے کہتے رک گئی بہت سے سخت الفاظ تھے، کڑوے سے ادا ہونے سے پہلے اس کی زبان کڑوی ہو گئی اور امرت کی سماعت کڑوی ہو گئی، پیون اچانک اندر آیا تھا، وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں، دفتر میں سے سب جا رہے تھے، وہ دونوں بھی باہر نکل آئیں۔

"میں اگر چلی جاؤں امرت تو یہ سیٹ علی گوہر کو ضرور دینا، ہر طرح کوشش کر کے دیکھ لینا جیسے میرے لئے کی تھی، وہ تو احسان فراموش بھی نہیں ہے، تمہیں سیدھے ہاتھ سے سلام کرے گا۔" وہ دونوں گیٹ تک آئیں۔

"میں تمہیں نہیں جانے دوں گی عمارہ، امر کلہ بھی چلی گئی، میری ایک ہی دوست تھی، اب لگ رہا ہے تم میری پرانی دوست ہو، آج تو ہماری دوستی ہوئی ہے آج ہی تم ایسی باتیں کر رہی ہو۔" امرت نے رکشہ روکا اور وہ دونوں بیٹھ گئیں۔

"علی گوہر کہاں گیا آج، اتنے دنوں سے گھر سے نہیں نکلا تھا، اس کی طبیعت کیسی ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے، مگر بظاہر، وہ اتنا ٹوٹ گیا ہے، تمہاری امر کلہ کی وجہ سے، ایک لڑکی نے پورے جہان کو نچایا ہوا ہے۔" عمارہ یکدم کچھ تلخ سی ہو گئی تھی، امرت ہنس دی، کچھ منٹ تک خاموشی چھا گئی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں امرت؟ تمہارے گھر؟"

"ہاں ہم ایک گھر میں جا رہے ہیں، میرا ہے تو کیا ہوا، بعد میں، میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گی۔"

"نہیں امرت پلیز، اماں پریشان ہوں گی، گوہر ڈھونڈے گا بیچارہ۔"

"تو ڈھونڈنے دو، تم بھی تو اسے ڈھونڈنے کہاں کہاں نکل جاتی ہو۔" وہ مسکرائی یہ کہتے ہوئے۔

"مگر میں اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی۔"

"جانتی ہوں اس سے کتنی محبت کرتی ہو۔" امرت بے ساختہ کہہ گئی۔

"کیا کہا؟" وہ چونک گئی۔

"پھر کہوں، سننے میں مزا آ رہا ہے؟"

"امرت تم اتنی بڑی بڑی باتیں کیسے کہہ جاتی ہو، بولنے سے پہلے انسان سوچتا بھی ہے۔" وہ بگڑ گئی۔

"اچھی خاصی مہنگی پڑ گئی یہ دوستی تو، پہلے ہی دن ایک تو اغواء کر کے لے جا رہی ہو اوپر سے

عجیب غریب باتیں کر رہی ہو، کمال ہے۔"

"ایسا کیا کہہ دیا عمارہ میں نے۔" امرت کو اپنی ہنسی کو کنٹرول کرنا مشکل ہوا جا رہا تھا، رکشہ گھر کی گلی کے اندر داخل ہوا۔

گھر کے سامنے رکا، امرت نے کرایہ دیا اور وہ دونوں اتریں بیل بجانے پر امی چلی آئیں عمارہ ابھی تک امرت کو گھور رہی تھی۔

"اب یہاں تو مت غصہ کرو، اندر چل کر کر لینا۔" وہ پھر ہنسی، جب تک گیٹ کھل چکا تھا، عمارہ کو اب فرار مشکل تھا۔

☆☆☆

علی گوہر کو صبح سویرے پروفیسر غفور مل گئے، وہ رکشے میں بیٹھ کر سیدھا اسے کالج لے آئے، اپنے کالج جہاں وہ بھی لیکچر دیا کرتے تھے، پروفیسر کے تعارف کی دیر تھی، انہوں نے علی گوہر کی تعلیمی ڈگری حرکتیں بتانا شروع کیں اور حبیب اکرم ہنسنا شروع ہو گئے، انہوں نے کل کے لئے سی وی مانگی تھی اور نوکری کو نوے فیصد امید دلائی تھی، دس فیصد پروفیسر غفور نے خود اسے دے دی، وہاں سے لنچ کر کے وہ جب باہر آئے تو بہت ہلکا پھلکا ماحول تھا، پروفیسر غفور بات کرتے کرتے ٹھہرتے کچھ سوچتے اور پھر بات شروع کر دیتے۔

"آج کا دن اپنی ڈائری میں لکھ لو علی گوہر۔" وہ ہیٹ سر پہ لٹکا کر اسٹک گھما کر اس کی طرف دیکھ کر بولے تھے آتے ہوئے رستے میں۔

"آج کیا تاریخ ہے۔" کچھ دن سے اس نے تاریخ نوٹ کرنا چھوڑ دی تھی۔

"مہینے کی نو تاریخ۔" پروفیسر غفور نے نارمل لہجے میں کہا تھا مگر علی گوہر چونکا۔

"مہینے کی نو۔" انہوں نے مضبوطی سے پروفیسر کا ہاتھ تھاما تھا، اسٹاپ نزدیک ہے بس سامنے نواز حسین کا تانگہ، فنکار، موت، راز، کئی لفظ آپس میں گڈمڈ ہوئے۔

وہ کہنا چاہتا تھا میاں پاگل ہو گئے ہو کیا؟ علی گوہر پروفیسر غفور کو کھینچتا ہوا جا رہا تھا، عین سامنے نواز حسین گھوڑے کے پاس کھڑا تھا، سرخ آنکھیں لئے، جیسے رویا ہو، بہت رویا ہو، بہت زیادہ۔

"نواز حسین۔" علی گوہر اس کے قریب آیا۔

نواز حسین نے آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گیا اور رونے لگا۔

"کیا ہے کون مر گیا۔" پروفیسر غفور بوکھلا گئے تھے۔

"کون مر گیا نواز حسین۔" علی گوہر کا دل جیسے بند ہونے کو تھا۔

"وہ مر گیا، وہ مر گیا۔"

"کون مر گیا؟"

"وہی جو دوسروں کی آنکھوں کو پڑھ لیتا تھا، جسے ہدایتیں ملتی تھیں، اس نے ان کی آنکھوں میں موت دیکھی تھی، دیکھی تھا نا۔" علی گوہر بوکھلایا۔

"تمہارا مطلب ہے فنکار۔"

"میرا مطلب ہے کبیر احمد مر گیا۔" وہ تینوں جیسے ساکت ہو گئے لمحے بھر کے لئے۔

(جاری ہے)

وہ پاس تھا میرے تو یہ احساس تھا مجھے
وہ پاس تو ہے پر کچھ خاص نہیں
وہ دور ہوا تو یہ احساس ہوا مجھے
وہی سب کچھ تھا جو میرے پاس نہیں

جب خواہشات دم توڑتی ہیں تو اضطراب پیدا ہوتا ہے، ہر زندہ انسان کسی نہ کسی ملال کا شکار ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ تڑپ رہا ہے، سڑک کے کنارے کمرے میں بیٹھ کر زندگی کا مفہوم سمجھنے والا اس زندگی کو بھی نہیں سمجھ سکتا جو سڑک پر سے گزر رہی ہے، پھولوں کے خواب دیکھنے والا اپنے دامن میں خار دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے، خواب کی اونچی اڑان ہستی کو پستی سے نکال نہیں سکتی، انسان کی آرزو جب حسرت بن جائے تو اس کا حاصل لاحاصل ہو کے رہ جائے تو اس کا مضطرب ہونا بجا ہے، اپنے جب اجنبی بن کے پاس سے گزر جائیں تو انسان کیا کرے؟ وہ

ناولٹ

مضطرب ہوگا، بیقرار ہوگا، بے چین ہوگا اور جب کوئی بہت اپنا اس دنیا سے رخصت ہو جائے تو، وہ اپنا جس نے زندگی میں کسی بھی چیز سے زیادہ آپ نے اسے اگنور کرنے اور دکھی کرنے کے سوا کچھ نہ دیا تھا، پھر ایک دن آپ کو احساس ہو کہ وہی سب سے اپنا ہے، آپ اس تک پہنچنے کی کوشش کریں اور وہ اس سے پہلے ہی آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تو ایسے میں ملال کے سوا کچھ نہیں رہتا، اتنا ملال کے روح تک لرز جاتی ہے۔

”اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ کام جو ہم کر گزرتے ہیں اس کا پچھتاوا ٹائم کے ساتھ ساتھ دھندلا جاتا ہے، لیکن وہ کام جو ہم نہیں کر گزرتے اور ٹائم گزر جاتا ہے، اس کا پچھتاوا وہ تمام عمر ہمارے دل کو شکست سے دوچار کرتا رہتا ہے۔“

پہلی ملاقات میں اپنا اسیر بنانے والوں

میں عموماً دو باتیں ہوتی ہیں، ایک تو یہ آدمی کسی کے ظاہری حسن پر نثار ہو جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ باطنی حسن آدمی کو کسی شخصیت کا اسیر بنا دیتا ہے، فرزان ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ باطنی حسن کی دولت سے بھی مالا مال تھا، لائٹ گرین آنکھیں، گورا رنگ، گھنے سیاہ بال، چوڑے شانے، پتلے ہونٹ، پتلی لمبی ناک اور ہمیشہ ہلکی سی بڑھی ہوئی شیو میں وہ قیامت ڈھاتا تھا، دوستوں کے لئے ہر وقت مددگار بن کر سامنے آتا، ہر دکھی انسان سے پیار کرنا اور اسی طرح کی بہت سی خوبیاں اس کے باطنی حسن کو چار چاند لگاتی تھیں، سچے پیار پر اسے دل کی گہرائیوں سے یقین تھا، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ آج کل کے دور سے سچا پیار ملنا گویا زمین آسمان ایک ہونے کے برابر ہے لیکن اس کا یقین تھا کہ اس دنیا میں کہیں نہ کہیں نہ کوئی ہے جو اس کے لئے بہت ہی اسپیشل ہے اور وہ ایک دن ضرور سامنے آئے گی، اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی رائٹ گرل کا انتظار کرے گا لیکن۔

پیار جن کو ہو جائے ان کو چین بھلا کب ملتا ہے؟

شب بھر اشک بہانے والے کچھ کچھ پاگل ہوتے ہیں

اپنی ذات کے اجڑے گلشن سے وہ پیار کہاں کرتے ہیں

اوروں کو مہکانے والے کچھ کچھ پاگل ہوتے ہیں

اکثر انسان اپنے لئے رائٹ لائف پارٹنر کے انتظار میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ رائٹ لائف پارٹنر اس کے پاس آیا بھی، ٹھہرا بھی لیکن وہ اپنے انتظار میں اس قدر محو تھا کہ اپنے رائٹ لائف پارٹنر کو پہچان بھی نہ سکا اور پھر وہ انتظار ملال بن جاتا ہے، آنکھوں کی دہلیز سے خوابوں کے جنازے نکلنے کا منظر کون سے موسموں کو امر کرتا ہے؟ شاید لفظوں کی قید میں نہ آسکے، لیکن کچھ احساس ایسے ہوتے ہیں جو حرفوں کے محتاج نہیں ہوتے۔

نیناں میں بھی وہ تمام خوبیاں تھیں جو فرزان میں تھیں، فرق تھا تو صرف مذکر مونث کا، تمام عادات شوق، پسند ناپسند، سوچ اور ظاہری باطنی خوبصورتی، سب کچھ ایک جیسا تھا، لمبے سلکی بال، نیلے نیلے نین نقش، دھیمہ لہجہ، دوسروں کا تکلیف میں دیکھ کر خود اس تکلیف کو برداشت کرکے رو دینا، خود مشکل میں ہونے کے باوجود دوسروں کی مشکلیں آسان کرنا، دوسروں کی مدد کرنا، دوسروں کی خوشی کی خاطر اپنی خوشی قربان کر دینا یہی تو تھی نیناں۔

مجھ سے ہوئی بس یہ خطا
میں نے تجھے چاہا صنم
چھپ چھپ کے روتی رہی
تو نے دیے کیسے یہ غم
اور بے خبر بے رحم
کر لے جا ہے جتنے ستم
نہ چاہت کبھی ہوگی کم
مجھے ان آنسوؤں کی قسم
میں نے کیا ہے تجھ سے سچا پیار

☆☆☆

''نیناں! ناراض ہو؟ اپنے بیسٹ فرینڈ سے؟ دیکھو پلیز تم ناراض مت ہو، جب تم ناراض ہوتی ہو تو میں چین سے بیٹھ نہیں سکتا، یار میری پھپھو آئی ہوئی تھیں، انہیں بھی آج ہی شاپنگ کرنی تھی، میں بس ان کے پیچھے پیچھے شاپرز پکڑ کر چل رہا تھا، قسم سے میرے موبائل کا بیلنس ختم ہو گیا تھا ورنہ میں تمہیں یقیناً کال کرتا، تم نہیں جانتیں ڈرائیونگ کے دوران کتنا مچل رہا تھا میں صرف ایک تمہیں ''ہپی برتھ ڈے'' کہنے کے لئے، تم بھی کیا سوچتی ہوگی کہ دوستی کے بعد پہلی سالگرہ ہے وہ بھی بھول گیا، مجھے تمہاری سالگرہ اچھے سے یاد تھی لیکن یقین مانو میں پھنس گیا، میں سب سے پہلے وش کرنا چاہتا تھا تمہیں لیکن اب ایسا لگتا ہے جیسے میں سب سے آخر میں تمہیں وش کر رہا ہوں، دیکھو نیناں! میری بے چینی کا اندازہ یہیں سے لگا لو کہ میں نے آج تمہاری بیسویں سالگرہ پر بیس گریٹنگ کارڈز تمہیں بھیجے ہیں، پلیز مان جاؤ ناں، تم جیسی دوست ملنا بہت مشکل ہے اور میں وہ لکی انسان ہوں کہ جسے بن مانگے تم جیسی دوست ملی، تم ابھی سو رہی ہو گی، میں صبح تمہیں فون کروں گا، اپنا خیال رکھنا اور ہاں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، تمہارا بیسٹ فرینڈ فرزان۔''

اتنی لمبی چوڑی اور بہت سی وضاحتوں کے ساتھ میل لکھ کر اس نے نیناں کے ای میل ایڈریس پر سینڈ کر دی اور سکون کا سانس لیا، پھر بھی دل تھا کہ مسلسل بے چینی میں مبتلا تھا، وہ رات کافی دیر سے سویا تھا لیکن صبح گیارہ بجے پھر سے جاگ اٹھا اور موبائل ہاتھ میں لیتے ہی نمبر گھما ڈالا، بیل مسلسل جا رہی تھی لیکن فون کسی نے پک نہ کیا، نیناں ابھی تک سو رہی ہو گی، چار پانچ بار فون کرنے کے بعد وہ پھر سے نیم دراز ہو گیا، نیناں جب سو کر اٹھی تو واش روم سے فارغ ہو کر سب سے پہلے اپنی میل چیک کرنے کے لئے نیٹ آن کیا۔

''شاید فرزان نے میل کی ہو، فرزان اتنے ہلکو تو نہیں کہ میری برتھ ڈے بھول جائیں۔''

دھڑکتے دل سے نیٹ آن کیا اور بیس گریٹنگ کارڈز کے ساتھ ہی الگ سے ایک میل دیکھ کر حیرانی اور خوشی سے اس کا منہ کھل گیا، اس نے جلدی سے میل پڑھی اور ساتھ ہی تمام کارڈز دیکھے، کچھ فنی کارڈز تھے اور کچھ میں دعائیں شامل تھیں، وہ بہت خوش تھی، پھر جب موبائل پر فرزان کی کافی مس کالز دیکھیں تو فوراً کال کرنے لگی، پھر خیال آتے ہی فون رکھ دیا کہ ''ساری رات نہ سونے کے باعث اب نیند حاوی ہو گی اس لئے ابھی ڈسٹرب نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔''

وہ ابھی بھوک کے ستانے پر کچن میں گھس گئی اور چکن ٹیمپو رفرائی کرنے لگی، ٹیمپو رفرائی ہونے میں کافی دیر تھی، اس لئے اس نے پھر سے موبائل تھاما اور نمبر ڈائل کر دیا۔

''ہیلو۔'' نیند سے بوجھل آواز کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''ہیلو فرزان! آئی ایم سوری یار۔'' اس سے پہلے کہ وہ پھر سے شروع ہوتا، نیناں نے مسکرا کر بات کاٹ دی۔

''کوئی بات نہیں فرزان! میں آپ کی مجبوری سمجھتی ہوں اس لئے میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔''

''you are so sweet۔''

''اچھا اب بول بھی دیں۔''

''کیا؟''

''اُف، مجھے سالگرہ وش کریں ناں۔''

''اوہ اچھا، ہپی برتھ ڈے یار، تم جیو ہزاروں سال۔''

''نہیں مجھے ہزاروں سال نہیں جینا۔''

''کیوں بھئی۔''

''کیونکہ میں خود کو بوڑھی ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔''

''ہاہا تم لڑکیاں بھی نا بس۔'' فرزان کا قہقہہ آؤٹ آف کنٹرول تھا۔

''اچھا خیر میرا برتھ ڈے گفٹ کہاں ہے؟''

''ہوں، کیا چاہیے تمہیں؟''

"آپ کی دعائیں۔"

"وہ تو ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں، کچھ اور مانگو۔"

"نہیں بس آپ نے وش کر دیا یہ میرے لئے سب سے بڑا اور انمول گفٹ ہے۔"

"ہوں۔"

پھر وہ دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے، ہمیشہ ایسا ہوتا تھا کہ جب بھی فون کرتے تو دو سے تین گھنٹے گزر جاتے اور احساس تک نہ ہوتا، آن لائن ہوتے تب بھی وقت بیتنے کا احساس نہ ہوتا۔

"پتہ ہے فرزان! کل ہمارے کالج میں بون فائر ہے، ڈانس پارٹی بھی ہو گی لیکن مجھے ڈانس پارٹی سے شدید نفرت ہے، اس لئے میں نے جانے سے انکار کر دیا۔"

"ہوں اچھا کیا۔"

☆☆☆

ایک سال پرانی دوستی ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید گہری ہوتی چلی جا رہی تھی، نیناں کالج سے واپس آتے ہی نیٹ آن کر کے بیٹھ جاتی، دوسری طرف فرزان بھی موقع پاتے ہی آن لائن آ جاتا، دونوں گھنٹوں ایک دوسرے سے اس طرح سے باتیں کرتے جیسے نجانے کتنے برسوں بعد دو بچھڑے ہوئے دوست ملے ہوں، فرزان کے دوستوں اور نیناں کی سکھیوں نے اس دوستی کو کچھ اور ہی رنگ دینا شروع کر دیا تھا۔

"اے چھوڑ دے نیٹ کا پیچھا، جب دیکھو نیٹ، جب دیکھو فون، کوئی اور کام نہیں ہے کیا؟" فرزان کے دوست شہروز نے سگریٹ سلگا کر لمبا کش لیتے ہی جملہ اچھالا تو وہ مصروف انداز میں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جما کر جواباً بولا۔

"کیوں بھئی! تجھے کیا پرابلم ہے؟"

"بھائی صاحب آج کھانا بنانے کی باری آپ کی ہے، پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں اور ابھی تک کھانا بننے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے مجھے، چھوڑو یہ نیٹ اور جا کر کچن کو سلام کرو۔" فرزان منہ چڑاتے ہوئے نیناں کو بائے بول کر اٹھ کھڑا ہوا تھا، کچن میں جاتے ہی اس نے بریانی کے لئے چکن فریج سے نکالا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا، شہروز سگریٹ ہونٹوں میں دبائے کچن میں چلا آیا تھا، فریج میں سے آئس کریم نکالتے ہی اس نے فرزان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

"یار! اس بار بریانی ہی بنانا، پچھلی بار کی طرح کھچڑی نہیں۔"

فرزان اسے گھور کر رہ گیا، جبکہ وہ قہقہہ لگاتا ہوا واپس لاؤنج میں آ بیٹھا تھا، فرزان اپنی ہائر اسٹڈیز کے لئے پچھلے دو سالوں سے لندن میں مقیم تھا، ایک ہی اپارٹمنٹ میں پانچ سے چھ لڑکے رہائش پذیر تھے، تمام لڑکے پاکستان کے مختلف شہروں سے تعلق رکھتے تھے، ایک ہی یونیورسٹی میں زیر تعلیم اس گروپ نے باہمی مشورے کے بعد ایک اپارٹمنٹ میں مل جل کر رہنا شروع کر دیا تھا، سب لوگ مل جل کر کام کرتے اور خوب ہلہ گلہ کرتے، ان سب میں ایک فرزان تھا جو نیناں کے آن لائن آتے ہی ایک کونے میں دبک کر بیٹھ جاتا۔

آج دوسرا دن تھا، وہ آن لائن نہیں آئی تھی، اس کا فون بھی نہیں آیا تھا، فرزان کافی پریشان تھا، ہر آدھے گھنٹے بعد وہ لیپ ٹاپ آن کر کے ای میل چیک کرتا اور اس کی ای میل نا پا کر مایوس ہو جاتا، نمبر مسلسل ڈائل کرنے پر ایک ہی میسج ملتا۔

"آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا، برائے مہربانی کچھ دیر بعد فون

کیجئے۔" وہ پریشانی کے عالم میں سگریٹ پہ سگریٹ سلگا رہا تھا، شہروز بھاپ اڑاتی چائے کے دو کپ تھامے اس کے نزدیک چلا آیا تھا۔

"لو چائے پی کر دماغ کو سکون دو۔"

فرزان نے کپ لے کر سائیڈ پر رکھ دیا تھا اور پریشانی کے عالم میں اس کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔

"شہروز یار! آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا، وہ بنا بتائے فون سوئچ آف نہیں کرتی، اپنے ہر پل کی خبر دیتی ہے مجھے، آج دو دن ہو گئے ہیں پر اس کی کوئی خبر نہیں۔"

"فکر مت کر، انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہی ہو گا، ویسے ایک بات تو بتا؟" شہروز نے چائے کا سپ لیتے ہی اپنا منہ کھولا تھا، فرزان ابھی بھی پریشان بیٹھا سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔

"ہوں۔"

"یہ دوستی مجھے کہیں اور جاتی دکھائی دے رہی ہے، کیا یہ سچ ہے؟" فرزان نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور سگریٹ کو ایش ٹرے سے مسل کر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نیناں اور میں بیسٹ فرینڈز ہیں، اور کچھ بھی نہیں۔"

"Are you sure۔"

"ہاں اور میری بہت اچھی دوست ہے اور ہمیشہ رہے گی، وہ یقیناً بہت اچھی ہے، لیکن میری مس رائٹ نہیں۔"

"You never know ہو سکتا ہے یہی تمہاری مس رائٹ ہو؟"

"نہیں یار! میں نے نیناں کے بارے میں اس طرح کبھی سوچا ہی نہیں، بس لاڈلی دوست ہے میری، دوستی کے لحاظ سے بہت اچھی لگتی ہے مجھے، لیکن پیار محبت، اس لحاظ سے ہم دونوں اک دوجے کے بارے میں نہیں سوچتے۔" شہروز نے کپ سائیڈ پر رکھتے ہی سگریٹ ہونٹوں میں دباتے ہوئے اپنے انداز میں کہا تھا۔

"اچھا، پھر اتنا فکر مند کیوں ہے اس کے لئے، اگر یہ صرف دوستی ہے تو اتنی فکر کیوں کر رہا ہے؟"

"کیا بات کر رہا ہے یار، دوست ہے وہ میری، فکر تو ہو گی ہی نا، تو اگر دو دن کے لئے غائب ہو جائے تو تیرے لئے بھی اتنی ہی فکر ہو گی مجھے۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے، لیکن میں تجھے بول رہا ہوں، یہ صرف دوستی نہیں ہے، میری چھٹی حس کہہ رہی ہے، آگے جا کر کچھ اور ہی ہونے والا ہے۔" شہروز نے اسے چھیڑا تو وہ اسے نظر انداز کر کے چائے کا کپ منہ سے لگا بیٹھا تھا۔

☆☆☆

"ہیلو۔"

"ہیلو السلام علیکم! جی فرزان سے بات ہو سکتی ہے؟"

"جی آپ کون؟"

"نیناں!"

"اوہ نیناں، تھینکس گاڈ کہ آپ نے کال کی، بائے دی وے اتنے دنوں سے کہاں غائب تھیں آپ؟" نیناں کو فرزان کے دوست کا اس قدر فری ہو جانا عجیب سا لگا تھا، تبھی وہ جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

"جی آپ کا تعارف؟"

"میں شہروز بات کر رہا ہوں، فرزان کا دوست، ایکچویلی فرزان از ٹیکنگ شاور، وہ پچھلے دو دنوں سے کافی پریشان تھا آپ کے لئے، یقین جانئے اپارٹمنٹ کے کونے کونے میں آپ کا نام گونج رہا تھا، نیناں کہاں گئی، نیناں نے یل

نہیں کی، نیناں کا فون سوئچ آف ہے، نیناں، نیناں، نیناں۔''

''اُف، لیجئے آ گیا ہے فرزان، بات کیجئے۔'' شہروز کی باتیں سن کر اسے ایک دم ہنسی آ گئی تھی، فرزان شہروز کو گھورتے ہوئے اپنے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیر کر بال سنوارتے ہوئے کارڈ لیس کان سے لگا کر بولا تھا۔

''ہیلو۔''

''السلام علیکم!'' چہکتی آواز میں سلام کیا گیا تھا جبکہ جواباً گہری سنجیدگی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

''وعلیکم السلام!''

''کیسے ہیں آپ؟''

''ٹھیک ہوں۔''

''ناراض ہیں؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''کیا مطلب کیوں؟''

''اوکے ناں، سوری۔''

''سوری کس لئے؟''

''اُف فرزان، کیا ہوگیا ہے؟''

''کیا ہوا ہے؟''

''اچھا بابا سوری بول تو رہی ہوں۔'' جواباً کافی دیر خاموشی چھائی رہی تو نیناں ایک بار پھر سے بول پڑی۔

''آپ پوچھیں گے نہیں کہ میں دو دن تک کہاں غائب رہی؟''

''ہوگا کوئی کام، میں کیوں پوچھوں؟''

''نہیں پوچھیں گے؟''

''نہیں۔''

''اوکے پھر میں بھی نہیں بتاؤں گی۔''

''میں پوچھ ہی نہیں رہا۔''

''تو میں کون سا بتا رہی ہوں۔''

''ہاں تو مت بتاؤ، اوکے ظہر کی نماز کا ٹائم ہو رہا ہے، بعد میں بات ہوگی، بائے۔''

اس کے منہ پر فون ٹھک سے بند کرتے ہی وہ جائے نماز اٹھا کر کمرے میں داخل ہوگیا تھا، دوسری طرف نیناں ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی تھی، ایک بار پھر سے نمبر ڈائل کیا تو دوسرے دوست نے فون پک کر کے فرزان کے نماز پڑھنے کی خبر دی تو اس نے ریسور کریڈل پر رکھ دیا، کچھ دیر گہری سوچوں میں گم رہنے کے بعد اس نے اپنا لیپ ٹاپ سنبھالا اور میل لکھنا شروع کی۔

''پرسوں کالج جاتے ہی عجیب سی طبیعت ہو گئی تھی، ایک دم چکر آنے لگے اور پھر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، جب ہوش آیا تو خود کو ہاسپٹل کے روم میں پایا، ممی ڈیڈی پریشان سامنے صوفے پر بیٹھے تھے، سر درد سے پھٹ رہا تھا اور ایک دم پھر سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا، دو دن تک ہاسپٹل میں رہی اور آج ہی ڈسچارج ہو کر گھر لوٹی، خوشی خوشی آپ کو کال کی پر آپ نے پوچھا تک نہیں کہ کیا مسئلہ تھا، ٹھیک ہے آپ کی ناراضگی بجا ہے، پر میں بھی کیا کرتی، نہ ہی انٹرنیٹ کی سہولت، مجھے تو اپنی ہوش تک نہیں تھی، ایک بار پھر سے آئی ایم سوری، پر اس میں میری کوئی غلطی نہیں تھی، طبیعت مجھ سے پوچھ کر خراب نہیں ہوئی تھی، ورنہ آپ کو پہلے ہی اطلاع دے دیتی، خیر آپ کی ناراضگی ختم ہو جائے تو مجھے کال ضرور کرنا، میں انتظار کر رہی ہوں، اپنا بہت خیال رکھنا بائے۔''

تفصیلاً میل لکھتے ہی اس نے سینڈ بٹن پر کلک کیا اور لیپ ٹاپ بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا، اسے نیم دراز ہوئے بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ سائیڈ ٹیبل پر پڑے فون کی گھنٹی بج اٹھی سی ایل آئی پر اس کا نمبر دیکھتے ہی اس نے

مسکرا کر ریسور اٹھا کر کان سے لگایا تھا، اس سے پہلے کہ وہ ہیلو کہتی، دوسری طرف سوالوں کی برسات شروع ہوگئی تھی۔

''کیا ہوگیا تمہیں اچانک؟ دو دن تک ہاسپٹل کیوں رہی؟ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟ اب تم کیسی ہو؟ اپنا خیال کیوں نہیں رکھتی ہو تم، لازمی کچھ الٹا سیدھا کھا لیا ہوگا، بتاؤ مجھے کیا ہوا تھا تمہیں، تم سے پوچھ رہا ہوں، کچھ بولو، جواب دو مجھے۔''

''اُف آپ مجھے بولنے کا موقع دیں گے تو کچھ بتاؤں گی ناں۔''

''کیا ہوا تھا تمہیں؟''

''بس تھوڑی کمزوری ہوگئی تھی اور مگرین۔''

''کیا مگرین یہ پرابلم تمہیں کب سے ہے، پہلے تم نے اس کا کبھی ذکر نہیں کیا مجھ سے؟''

''کیونکہ پہلے یہ پرابلم تھی ہی نہیں، بس اچانک ہی اسٹارٹ ہوگئی، خیر آپ فکر کریں، اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''فضول کی سوچیں مت سوچا کرو، اسی لئے یہ پرابلم اسٹارٹ ہوئی ہے تمہیں۔''

''میں کہاں فضول سوچتی ہوں، بقول آپ کے میرے پاس دماغ تو ہے ہی نہیں۔''

''ہوں دوا ٹائم پر لے رہی ہو؟''

''ہاں بابا، ڈونٹ وری۔'' اور پھر گھنٹوں دونوں کی نوک جھونک چلتی رہی، ہمیشہ ہی ایسا ہوتا تھا، لڑنا، روٹھنا منانا سب یہی سب چلتا رہتا تھا۔

☆☆☆

''تم دونوں ہر وقت Tom&Jerry کی طرح لڑتے رہتے ہو بس۔''

کالج میں کینٹین کے باہر وہ اپنی ایک سکھی کے ہمراہ گھاس پر بیٹھی اور فرزان کی نوک جھونک کے قصے سنا کر ہنس رہی تھی، تبھی اس کی فرینڈ نے ہنستے ہوئے اس سے یہ کہا تو وہ مزید مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

''ہاں، ہم دونوں نوک جھونک نہ کریں تو مزہ ہی نہیں آتا۔''

''ہوں، نیناں! میری مانو تو فرزان سے اپنے دل کی بات بول دو۔''

''کون سی دل کی بات؟'' نیناں نے نہ سمجھ آنے والے انداز میں کہا تو اس کی سکھی مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

''ارے بابا یہی کہ تم اسے پسند کرتی ہو۔''

''اس میں بتانے والی کون سی بات ہے؟ فرزان کو پہلے سے ہی اس بات کا پتہ ہے۔''

''اچھا تو پھر اس کی طرف سے کیا جواب ملا؟''

''کیا مطلب کیا جواب ملا؟''

''اُف بیوقوف لڑکی، میرے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ کیا وہ بھی تمہیں پسند کرتا ہے۔''

''تو اور کیا؟''

''واہ...... گریٹ...... تو پھر دیر کس بات کی ہے؟ پاکستان کب آ رہا ہے وہ؟''

''یہ نہیں پتہ۔''

''تو پوچھو نا پاگل لڑکی، ہائے سچی کتنا مزہ آئے گا تمہاری شادی پر۔'' نیناں نے اسے خوش ہوتے دیکھ کر حیران کن انداز میں پوچھا تھا۔

''ایک منٹ ایک منٹ، یہ میری شادی کہاں بیچ میں ٹپک پڑی؟''

''تمہاری اور فرزان کی شادی۔''

''کیا؟''

''ہاں۔''

''پاگل ہوگئی ہو کیا۔''

''کیوں؟''

''میں اور فرزان صرف بیسٹ فرینڈ ہیں،

اس سے آگے اور کچھ نہیں۔''

''ارے ابھی تو تم کہہ رہی تھی، کہ تم اسے پسند کرتی ہو۔''

''ہاں تو لائک کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ایک دوسرے کو پیار کرتے ہو۔''

''دفع ہو جاؤ نیناں کی بچی، میرے سارے ارمانوں پر پانی پھیر دیا۔''

''تو کس نے کہا تھا کہ جاگتے میں سپنے دیکھو۔''

''خیر! میری ایک بات اپنے پلو سے باندھ لو، اس میں کوئی شک نہیں کہ تم دونوں ایک دوجے کو پسند کرتے ہو اور پیار بھی کرتے ہو، مگر تم اس پیار کو ماننے سے انکار کر رہی ہو۔''

''وی آر جسٹ بیسٹ فرینڈز اوکے۔''

''ہاں ہاں پتہ ہے اور ایک بات تم بھی جان لو، کہ ہر پیار کی شروعات دوستی سے ہی ہوتی ہے۔''

''تم کیوں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔''

''اس لئے کہ تم قبول کرلو۔''

''پر ایسا کچھ ہے ہی نہیں۔''

''ہاں ایسا کچھ نہیں ہے، تبھی تم ہر وقت فرزان کے نام کی تسبیح پڑھتی رہتی ہو، جب دیکھو فرزان فرزان فرزان، اگر یہ پیار نہ ہوتا ناں تو ہر وقت اس کے نام کا ورد نہ کرتی تم۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''جا کر کسی اور کو بیوقوف بناؤ، مجھے بیوقوف ہرگز نہیں بنا سکتیں تم، یہاں موقع دیکھا نہیں وہاں شروع ہو گئی، آج فرزان نے ایسا کہا، آج یہ ہوا، آج وہ ہوا۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے، آج کے بعد میں تم سے فرزان کا ذکر تک کروں گی۔''

''بالکل مت کرنا، لیکن اپنے دل اور دماغ کا کیا کرو گی، جس پر اس شخص نے قبضہ کر رکھا ہے؟'' نیناں اسے گھور کر رہ گئی تھی، گھر آتے ہی اس نے فوراً کپڑے چینج کیے اور پھر بیڈ پر نیم دراز ہو گئی، رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور نمبر ڈائل کیا، دوسری طرف سے دوسری ہی بیل پر کال رسیو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو۔''

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔''

''کیا بات ہے، بہت ڈاؤن لگ رہی ہو؟''

''بس تھوڑی تھکاوٹ ہے۔''

''ہوں کیسا رہا آج کا دن؟''

''سو سو۔''

''کیوں؟''

''بس ایسے ہی۔''

''تم تھوڑا ریسٹ کر لو۔''

''نہیں آئی ایم اوکے۔''

''شیور؟''

''ہوں۔''

''اوکے نیناں، جسٹ آ منٹ۔'' دو منٹ کا انتظار کرانے کے بعد وہ واپس فون پر آیا تھا۔

''ہیلو۔''

''کیا ہوا تھا؟''

''کچھ نہیں، سگریٹ کی خالی ڈبی منہ چڑا رہی تھی، دوست سے ادھار پر ایک سگریٹ لے کر آیا ہوں۔''

''اف فرزان، آپ بہت سموکنگ کرتے ہیں، چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟''

''چھوڑ دوں گا۔''

''کب؟''

''جلدی چھوڑ دوں گا، ڈونٹ وری۔''

''اچھا، آپ کو ایک بات بتانی تھی۔''

''ہاں بولو۔''

''آج ناں، میری فرینڈ نے مجھے کافی تنگ کیا آپ کے نام سے۔''

''کیوں؟''

''وہ کہتی ہے کہ۔'' پھر اس نے اے ٹو زیڈ ساری کہانی فرزان کو سنا ڈالی، وہ چند لمحوں کے لئے سنجیدہ ہوا تھا اور پھر بات اڑاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''تم ہر بات کو خود پر طاری مت کر دیا کرو، ایکچوئلی یہ سب لوگ جلتے ہیں ہماری دوستی سے، اسی لئے کچھ بھی بول دیتے ہیں ریلیکس۔'' نیناں بھی مسکرا دی تھی اور پھر اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دی تھیں، فرزان سے بات کرنے کے بعد وہ بالکل فریش نظر آ رہی تھی، فون بند کرنے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک رسیور ہاتھ میں تھامے مسکراتی رہی تھی۔

اب تو فرزان کے دوستوں اور نیناں کی سکھیوں نے یہ روز کا معمول بنا لیا تھا، ہر بات پر ان دونوں کو ایک دوسرے کے نام سے چھیڑا جانے لگا تھا، فرزان تھوڑا چڑ چڑا سا ہو جاتا جب کہ نیناں مسکرا کر ٹال جاتی، آج بھی وہ کھڑکی میں کھڑی تازہ ہوا کے جھونکوں کو سانس کے ذریعے اپنے اندر کھینچ رہی تھی، سامنے درخت پر چھوٹے سے لال پھول کو دیکھتے ہوئے وہ اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی، کچھ ہی دیر میں فون کی بیل بجی تو وہ تقریباً دوڑتی ہوئی فون تک پہنچی، دوسری طرف فرزان تھا، فرزان کی آواز سنتے ہی وہ کھل اٹھی تھی، تھوڑی دیر خوشگوار موڈ میں بات کرتے کرتے وہ ایک دم ناراض ہو کر بولی تھی۔

''آپ میری بات نہیں مانیں گے ناں، اوکے ٹھیک ہے، اب بات مت کرنا مجھ سے۔''

''نیناں، کیا ہو جاتا ہے تمہیں، کہا ناں چھوڑ دوں گا۔''

''آج آپ پرامس کریں مجھ سے کہ آج آپ اپنے سگریٹس کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیں گے۔'' اس نے منہ بسور کر کہا تو فرزان بھی بچہ بن کر لاڈ سے بولا۔

''اوکے بابا لیکن تم ناراض تو مت ہو، تم جانتی ہو جب تم ناراض ہوتی ہو تو میں چین سے بیٹھ نہیں سکتا۔'' نیناں مسکرا دی، کافی دیر خود سے لڑنے کے بعد بھی اس نے یہی کہا کہ ''ہم دونوں بیسٹ فرینڈز ہیں اور لوگ غلط مطلب لیتے ہیں۔''

آہستہ آہستہ دن گزرتے گئے یعنی تین مہینے گزر گئے، نیناں نے اسے وعدہ یاد دلایا تھا لیکن وہ اپنی عادت سے مجبور تھا، ہر بار اس کے پوچھنے پر ٹال جاتا اور ایک دن اس کے زور دینے پر ایک دم بھڑک اٹھا۔

''نیناں، کیا ہو گیا ہے تمہیں، میں نے کہا ناں چھوڑ دوں گا۔'' وہ بہت سہم گئی تھی۔

دوستوں نے فرزان کو نیناں کے نام سے بہت زیادہ چھیڑنا شروع کر دیا تھا، جس کی وجہ سے وہ خود کو یقین دلانے کے لئے کہ وہ نیناں کا صرف اچھا دوست ہے اور کوئی پیار ویار نہیں کرتا، نیناں سے کھنچا کھنچا رہنے لگا، نیناں نے اس کے کھنچاؤ کو بہت گہرائی سے محسوس کیا تھا۔

''کیا یہی پیار ہے؟'' وہ خود سے سوال کرتی۔

وہ مجھے اگنور کرتا ہے تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، دیوانی ہو جاتی ہوں اس کی آواز سننے کو تڑپتی ہوں اور وہ ہر بار اگنور کرتا ہے، وہ ایسا کیوں کر رہا ہے، وہ جان چکی تھی کہ وہ One

side love میں مبتلا ہو چکی ہے، وہ بہت کوشش کرتی تھی کہ اس کے خیالات کو ذہن سے نکال دے لیکن جب پیار ہو جائے تو دل و دماغ کبھی قابو میں نہیں آتے۔

☆☆☆

محبت کے سبھی جذبوں کو
دل کی خوب صورت شاخ پہ
تحریر کرنا
اور تمہارے گیت گانا
کیا فقط میرے فرائض میں ہی شامل ہے؟
تم سے بات کرنے تڑپنا
تمہی کو سوچتے رہنا
کیا یہ سارا قصور
صرف میرا ہے؟
اگر تم سے کبھی ملنے کی خواہش ہو تو!!
دروازہ سوالی کی طرح کھٹکھٹانا
صرف میری ذمہ داری ہے؟
تمہاری کوئی خواہش!
تشنہ رہ جائے
تو اس پہ غمزدہ ہونا
بہت رونا!
میری قسمت میں لکھا ہے؟
کہ اب جان وفا!
تم کو
میرے جذبات کا احساس ہی کب ہے؟
میرے جنون کے اس صحرا سے
تم کو ربط رکھنے کی
ضرورت ہے نہ پرواہ ہے
میری سانسوں پہ ہر لحظہ اداسی کاڑھنے والے
مجھے بس اتنا بتلا دے
کہ کیا؟
خوابوں کے اس ویراں جزیرے کی حفاظت
ایک بس!
مجھ پر ہی لازم ہے!

''دیکھو چھوڑنے والا تو تمہیں میں کبھی ہوں نہیں، بس کبھی کبھی غصہ آ جاتا ہے، جو لوگ پیارے لگتے ہیں انہیں غصہ آتا ہے اور تم مجھے پسند ہو، میری سب سے اچھی اور انوکھی لاڈلی دوست اور ہاں ایک کان کھول کر سن لو کہ میں اپنی شادی کی تمام تیاریاں تم سے کراؤں گا بھی۔'' وہ بہت ہی اپنائیت سے بولا تھا۔

''فرزان! میں شاید آپ کی شادی پر نہ آ سکوں، کیونکہ تب میں ہائر ایجوکیشن کے لئے لندن چلی جاؤں گی اور پھر میں اپنی پڑھائی کے دوران کیسے آپ کی شادی اٹینڈ کر سکتی ہوں۔'' وہ دھیمے سے مسکرا کر گویا ہوئی۔

''فکر مت کرو، میں اپنی شادی کی ڈیٹ تبھی فکس کرواؤں گا جب تم فری ہو گی اور ویسے بھی ابھی لڑکی ملی نہیں، دعا کرو جلدی سے مجھے میری Miss right مل جائے۔''

''آمین، انشاء اللہ آپ کو دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ملے گی۔''

دونوں طرف خاموشی چھا گئی تھی، پھر کچھ لمحوں بعد وہ بولا۔

''اچھا سنو! میری ایک نئی دوست بنی ہے حنا، مجھے لگتا ہے مجھے اس سے پیار ہونے لگا ہے۔'' شاید دل میں کچھ ہلچل ہوئی تھی لیکن وہ سنبھل کر بولی۔

''اچھا، اچھی بات ہے، ہو سکتا ہے یہی وہ مس رائٹ ہو۔''

''ہوں۔''

''میں نے ابھی فیس بک پر آپ کی نئی تصویر دیکھی تھی، آپ نے بال لمبے کیوں کر لئے اپنے ہوئے ہیں؟ پلیز کٹوائیں انہیں، مجھے لڑکوں

کے لمبے بال اچھے نہیں لگتے۔''

''لیکن حنا کو مجھ پر لمبے بال اچھے لگتے ہیں۔''

''اچھا لیکن مجھے آپ کے لمبے بال اچھے نہیں لگتے، آپ کٹوا دیں۔''

''نہیں، حنا کہے گی تو کٹوا دوں گا۔''

''میرے کہنے پر آپ نے سگریٹ بھی نہیں چھوڑی، بال بھی نہیں کٹوا رہے اور حنا کے کہنے پر۔'' وہ ابھی بات مکمل ہی نہ کر پائی کہ وہ بول پڑا۔

''We love each other۔'' دل ویرانی میں کہیں گم ہو گیا تھا، اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں، بمشکل بات کر پائی اور پھر اندھیرے کمرے میں بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹ گئی اور اپنے دل کو ٹٹولنے لگی۔

☆☆☆

ضمیر کی آواز نہ تو ظاہری زبان سے دی جاتی ہے اور نہ ہی ان کانوں سے سنائی دیتی ہے، یہ آواز بہت دور سے آتی ہے اور بہت قریب سے سنائی دیتی ہے، ایسے جیسے ہمارے اندر سے کوئی بولتا ہے، کسی نے ضمیر کی صورت نہیں دیکھی، اس کی آواز ہی سنی گئی ہے، یہ آواز پراسرار راستوں سے ہوتی ہوئی دل کے کانوں میں گونجتی ہے، کبھی کبھی ہمدرد اور شفیق دوست کی طرح اور کبھی کبھی ایک جرنیل کے حکم کی طرح یہ آواز اپنا کام کرتی ہے، نیناں کو اپنے دل و دماغ کی آواز بہت قریب سے سنائی دی تھی، تبھی اب وہ ہر وقت الجھن میں الجھی رہتی تھی، جبکہ دوسری طرف فرزان ابھی تک اپنے دل و دماغ کی آواز کو سن نہیں پایا تھا، یا پھر جان کر بھی انجان بن رہا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو، فرزان سے بات ہو سکتی ہے؟''

''جی نہیں، فرزان تو کسی کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔''

''کیا؟'' نیناں ایک دم چونکی تھی۔

''ہاہاہا کیا ہوا؟ اتنی چونک کیوں گئی؟ تم بہت بے وفا لڑکی ہو، میری آواز تک نہیں پہچانتی اور بیسٹ فرینڈ کہتی ہو۔''

''اوہ فرزان۔'' اس کی جان میں جان واپس آئی۔

''ہاں جی بولو میڈم۔'' وہ بہت ہی خوشگوار موڈ میں تھا اور اکثر وہ نیناں کو اسی طرح بیوقوف بنا کر مزے لیتا تھا۔

''کچھ نہیں بس آپ سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا اس لئے فون کر دیا۔''

''اچھا ویری گڈ، میرے پاس تمہارا لئے ایک گڈ نیوز ہے۔''

''وہ کیا؟''

''چلو چھوڑو جانے دو۔'' اس بار بھی اس نے نیناں کو بڑے طریقے سے ستانے کی ٹھان رکھی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا، مجھے ابھی بتائیں۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''ارے ایسا کیسے بتا دوں، تم تو اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہیں ستائے بنا میرا دن نہیں گزرتا۔''

''فرزان پلیز۔''

''اچھا بابا ٹھیک ہے، بتاتا ہوں بتاتا ہوں دھیرج رکھو، بہت بے صبری ہو تم۔'' نیناں مسکرا دی تھی اور پھر فرزان نے اسے اپنے پاکستان واپس آنے کی خوشخبری سنائی تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

ڈیڑھ سال ہو گیا تھا ان کی نیٹ دوستی کو اور دوران دونوں نے میلو اور فون کالز پر بات کر کرکے اپنی دوستی کو اتنی پروان دے دی تھی کہ

واپس لوٹنا مشکل تھا، فرزان اپنی پڑھائی کر کے واپس آ رہا تھا اور نیناں اپنے بیسٹ فرینڈ سے روبرو ملنے کی خوشی میں پاگل ہوئی جا رہی تھی، فرزان کے پاکستان آنے سے دو دن پہلے ہی اس نے ای میل کے ذریعے اس کے اور حنا کے ریلیشن کے متعلق پوچھا تھا۔

''کیا آپ واقعی حنا کو پسند کرتے ہیں؟''

''صرف پسند نہیں کرتا I love her۔''

ایک بار پھر سے دل میں ہلچل محسوس ہوئی تو وہ سنبھل کر بولی۔

''اچھا کیسی ہے وہ؟''

''بہت اچھی ہے، میں تمہیں اس کی تصویر سینڈ کر رہا ہوں، تم خود ہی دیکھ لو۔''

پھر فرزان نے اسے حنا کی تصویر سینڈ کر دی، تصویر ڈاؤن لوڈ کرتے ہی اس نے باریک بینی سے اس لڑکی کا جائزہ لیا تھا، پتلی سی لڑکی، شولڈر کٹ ہیئر، لمبی ناک، بڑی بڑی آنکھیں، دیکھنے میں بس ٹھیک ہی تھی، یا پھر شاید اسے وہ فرزان کی وجہ سے اتنی خاص نہیں لگی تھی، فرزان نے بے چینی ظاہر کرتے ہوئے اسے ایم ایس این پر آن لائن آنے کو کہا اور وہ فوراً آن لائن ہو گئی۔

''جی!''

''حنا کیسی لگی تمہیں؟''

''اچھی ہے۔''

''اس طرح نہیں، ڈیٹیل میں بتاؤ۔''

''ڈیٹیل میں کیا بتاؤں؟''

''یہی کہ وہ تمہیں کیسی لگتی ہے۔''

''پر مجھے تو اس کی ناک بہت اچھی لگتی ہے۔''

''میں نے کب کہا کہ اس کی ناک بری ہے، بس تھوڑی لمبی ہے۔''

''ہوں اور اس کی پرسنالٹی کیسی لگی تمہیں؟''

''اچھی ہے، ڈیسنٹ ہے اور نیچر وائز کیسی ہے یہ میں تصویر دیکھ کر نہیں بتا سکتی۔''

''نیچر وائز وہ بہت اچھی ہے، بہت سافٹ سپوکن، باکردار، کیئرنگ، لونگ، عزت کرنے والی، بالکل ویسی جیسی میں چاہتا تھا۔''

''ہوں گڈ۔''

''لیکن آج وہ کافی پریشان تھی۔''

''کیوں؟''

''یار! اس کے ابو ہاسپٹل میں ہیں، ہارٹ اٹیک ہوا ہے ابھی خطرے سے باہر ہیں، لیکن پھر بھی پریشانی تو ہوتی ہے ناں۔''

''اوہ اللہ اس کے ابو کو صحت دے آمین۔''

''آمین۔''

''کہاں رہتی ہے وہ؟''

''لاہور میں۔''

''اچھا؟ پھر تو لاہور آتے ہی سب سے پہلی ملاقات حنا سے کریں گے آپ۔''

''ہوں نہیں پہلے تم سے ملوں گا، پھر تمہارے ساتھ اس سے ملنے جاؤں گا۔''

''میرے ساتھ کیوں؟''

''اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے یار۔''

''پیار بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔''

''خیر ایسی بات بھی نہیں، بس پہلی بار تھوڑی جھجک ہو گی پھر......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور نیناں نے اس کی بات پوری کرتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''ہاں پھر کباب میں ہڈی کو نکال دیں گے آپ۔''

''کافی سمجھدار ہو گئی ہو۔''

بدلے میں اس نے بھی چھیڑا تو وہ مسکرا کر رہ گئی۔

پورا دن بے چینی میں گزر گیا تھا، فرزان کی باتیں اسے چین کا سانس تک نہ لینے دے رہی تھیں، وہ اسے اپنے دل و دماغ سے نکال دینا چاہتی تھی، مگر وہ اک شخص جو پوری ملکیت جتاتے ہوئے اس کے دل و دماغ پر حاوی تھا، وہ اپنی سلطنت چھوڑنے پر آمادہ ہی نہ تھا، تھک ہار کر اس نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کر دیا، دوسری طرف پہلی ہی بیل پر شہروز نے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو۔''

''فرزان ہیں؟ Can i talk to him۔''

''نیناں! فرزان گھر پر نہیں ہے، کوئی میسج ہے تو دے دو۔''

''نہیں میں بعد میں کال کر لوں گی۔''

''او کے نیناں کیا میرا ایک کام کریں گی؟''

''جی بتائیں؟''

''ایکچو یلی میرے پاس کارڈ ختم ہو گیا ہے، میں تمہیں ایک نمبر دیتا ہوں میری ای کا نمبر ہے، تم پلیز انہیں کال کر کے کہہ دو کہ مجھے کال کریں، میں انتظار کر رہا ہوں، میں بہت پریشان ہوں ابو کی وجہ سے۔''

''خیریت ہے، کیا ہوا آپ کے ابو کو؟''

''ہارٹ اٹیک، ناؤ ہی از فائن، بٹ پہلے جب میں نے کال کی تھی تو وہ سو رہے تھے، میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں، تم پلیز میری ای کو کال کر کے مجھے کال کرنے کا کہہ دو I,ll be thankful to you۔''

''ہاں ضرور، آپ نمبر بتائیں۔'' شہروز کے نمبر بتاتے ہی اس نے فوراً کال کر کے اس کا میسج کنوے کیا اور پھر گہری کشمکش اور الجھن کا شکار ہو گئی، دل ہی دل میں وہ خود سے ہم کلام تھی۔

شہروز کے فادر کو بھی ہارٹ اٹیک ہوا اور حنا کے فادر کو بھی، دونوں ہی اب ٹھیک ہیں ماشاء اللہ لیکن پتہ نہیں میں کیا سوچ رہی ہوں، وہ سخت الجھن کا شکار تھی، تین گھنٹے گزر چکے تھے مگر اس کی الجھن مزید بڑھتی چلی جا رہی تھی، پھر ذہن سے ساری سوچوں کو جھٹک کر وہ ایک بار پر سے ریسور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی تھی، دوسری طرف اس بار بھی شہروز نے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو۔''

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! نیناں وہ ابھی تک گھر نہیں آیا، ایکچو یلی پرسوں کی فلائٹ ہے اور وہ اپنے گھر والوں کے لئے شاپنگ کرنے گیا ہے۔''

''اوہ اچھا پھر آپ کی بات ہوئی اپنے فادر سے؟ اب وہ کیسے ہیں؟''

''ہاں اللہ کا شکر ہے، اب وہ بالکل ٹھیک ہیں، تمہارا بہت بہت شکریہ۔''

''شکریہ کی کوئی بات نہیں، آں حنا کے فادر کا کچھ پتہ وہ کیسے ہیں اب؟''

''کون حنا؟''

''فرزان کی دوست، میں سمجھی شاید آپ کو پتہ ہو گا اس بارے میں۔''

''اس نام کی اس کی کوئی دوست نہیں ہے۔''

''ہے نیٹ فرینڈ ہے میری طرح۔''

''ارے بابا اگر ہوتی تو مجھے ضرور پتہ ہوتا، تمہارے بارے میں ہم سب کو پتہ ہے، یونیورسٹی میں پوری کلاس کو تمہارے بارے میں پتہ ہے، تم نہیں جانتی کہ تم کتنی فیمس ہو یہاں، فرزان کے تمام دوستوں کو میں جانتا ہوں، حنا نام کی پتہ نہیں کہاں سے آ گئی۔''

''شاید فرزان نے آپ کو بتایا نہیں ہو گا، میں نے اس کی تصویر بھی دیکھی ہے، وہ یہاں

لاہور میں رہتی ہے، فرزان اور حنا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، حیرت ہے کہ فرزان نے یہ سب آپ کو نہیں بتایا۔"

"یہ سب تمہیں فرزان نے کہا؟"

"جی!"

"بکواس کرتا ہے، ایسا کچھ بھی نہیں ہے، سب سے پہلے بات یہ کہ حنا نام کی اس کی کوئی دوست نہیں، دوسری بات یہ کہ ہارٹ اٹیک میرے فادر کو آیا تھا، اب اس نے میری کہانی میں نجانے کہاں سے لڑکی پیدا کر کے تمہیں نجانے کس کی تصویر دکھادی۔" نیناں پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹے تھے، وہ بمشکل بول پائی تھی۔

"لیکن...... فرزان مجھ سے جھوٹ کیوں بولیں گے؟"

"تنگ کر رہا ہوگا تمہیں۔"

"نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے، اتنا میں جانتی ہوں۔"

"نیناں میری ایک بات مانو گی؟"

"کیا؟"

"وہ اس بات کو ماننے سے انکاری ہے کہ وہ تم سے پیار کرتا ہے، لیکن اگر تم بھی اس سے پیار کرتی ہو تو اس خاموشی کو توڑ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دونوں ہی اپنی انا کے بیچ کچلے جاؤ، مشورہ دینا میرا کام تھا، عمل کرنا تمہارا کام، لیکن پلیز اس سے یہ مت کہنا کہ یہ سب کرنے کے لئے میں نے تمہیں کہا تھا اوکے۔"

"ہوں۔" فون بند ہوتے ہی وہ اپنا سر تھام کر رہ گئی تھی۔

"فرزان نے ایسا کیوں کیا؟ کیا وہ مجھے جیلس کروانا چاہتے تھے یا پھر واقعی کوئی ہے ان کی زندگی میں، کیا کروں میں I , m helpless۔" وہ سوچوں میں غلطاں بیڈ کی ٹیک سے سر ٹکائے آنکھیں موندے کافی دیر یونہی بیٹھی رہی اور پھر موبائل اٹھا کر ایس ایم ایس ٹائپ کرنے لگی، ایس ایم ایس ٹائپ کرتے کرتے وہ رک گئی تھی۔

"کیا ایسا کرنا ٹھیک ہوگا کہیں فرزان ناراض نہ ہو جائیں، لیکن نہیں اب مجھے چپ نہیں رہنا چاہیے۔" لب دانتوں تلے بھینچے وہ ایس ایم ایس کرنے لگی تھی۔

"فرزان آپ کہاں ہیں؟ کب سے آپ کو گھر پر کال کر رہی ہوں لیکن آپ ابھی تک گھر نہیں آئے، مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے، اس کے لئے مجھ سے انتظار نہیں ہو پا رہا، مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" ایس ایم ایس لکھتے ہی اس نے اس کے نمبر پر سینڈ کر دیا تھا، کچھ ہی دیر بعد موبائل پر ایس ایم ایس کی بیپ ہوئی تھی، نیناں نے دھڑکتے دل سے موبائل اٹھا کر ایس ایم ایس پڑھا جس پر لکھا تھا۔

"سوری نیناں میں یہاں مارکیٹ میں ہوں، گھر والوں کے لئے شاپنگ کرنی تھی، میں گھر پہنچ کر تمہیں کال کروں گا، ویسے کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" ایس ایم ایس پڑھتے ہی اس کے دل نے زوروں سے دھڑکنا شروع کر دیا تھا، وہ دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہی ایس ایم ایس ٹائپ کرنے لگی تھی۔

"I love you۔" ایس ایم ایس لکھ کر نجانے کتنی بار اس نے ڈیلیٹ کیا تھا، پھر خود پر قابو پاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے ایس ایم ایس ٹائپ کیا اور سینڈ کر دیا، اب وہ آنکھیں بند کیے زوروں سے دھڑکتے دل کو قابو کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، ماتھے پر پسینے کے قطرے صاف نمایاں تھے، پریشانی کے مارے اپنے ہاتھ دبانے لگی، کافی دیر گزر جانے کے بعد اس کا میسج

نہ آیا تو وہ مزید پریشان ہو کر اس نے ایک اور ایس ایم ایس ٹائپ کیا۔

"فرزان آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟" ایس ایم ایس سینڈ کرنے کے کافی دیر بعد جواب موصول نہ ہوا تو مارے پریشانی کے اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہو گئے، اب وہ موبائل پر نظریں جمائے سوچ میں گم تھی۔

"پتہ نہیں اب کیا ہوگا، فرزان جواب کیوں نہیں دے رہے۔" وہ رونے کو آئی تھی، اس کا دم گھٹنے لگا تو وہ کھڑکی میں چلی آئی، تازہ ہوا کا جھونکا اس سے ٹکرایا تو دو ننھے قطرے آنکھوں سے نکل کر گال پر آ ٹھہرے تھے، یہی سوچ ہی اسے ہلکان کیے جا رہی تھی کہ آگے کیا ہوگا۔

وہ کیا جواب دے گا\
اپنی منزل پہ پہنچ جاؤں\
کسی معجزے سے کم نہیں\
راستے کانٹوں کے ہیں\
اور ہم سفر پھول جیسا

☆☆☆

وہ پاکستان واپس آ گیا تھا، لیکن پچھلے کئی دنوں سے دونوں کی آپس میں بات نہ ہوئی تھی، فرزان کی خاموشی نیناں کو سب کچھ سمجھا گئی تھی، دل پر پتھر رکھ کر اس نے بھی اسے اگنور کرنا شروع کر دیا تھا، تقریباً ایک مہینہ ہونے کو آیا تھا، آج وہ کافی عرصہ بعد اپنی فرینڈ کے ہمراہ کیفے میں گئی تھی، آمنہ تو پوری طرح کھانے پر ٹوٹ پڑی تھی جبکہ نیناں کھوئے کھوئے انداز میں شیشے کے اس پار سڑک پر دوڑتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔

"نیناں! کھانا کھاؤ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" آمنہ کی آواز پر چونک کر اس نے اپنی نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے بھوک نہیں ہے تم زبردستی مجھے یہاں لے آئی ہو اب بھوک ہی نہیں ہے تو کھاؤں کیسے؟"

"بس بس رہنے دو، تم صدا کی بھوکی، کھانا سامنے آتے ہی ٹوٹ پڑتی تھیں، اب نجانے کیوں تم ہر چیز سے بیزار ہو گئی ہو۔" نیناں نے اس کی بات کو اگنور کرتے ہوئے لمبی سانس کھینچی اور بالوں کی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑس کر دھیمے انداز میں گویا ہوئی۔

"چلو گھر چلتے ہیں۔" نیناں کا جملہ پورا ہوتے ہی آمنہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھور کر دیکھا اور دانت پیس کر بولی۔

"اللہ کا نام لو لڑکی، کیوں اپنا ایسا حال بنا رکھا ہے چار دیواری میں قید ہو کر رہ گئی ہو تم، نہ کسی سے ملتی ہو نہ بات کرتی ہو۔"

"میں بے بس ہوں۔"

"بے بسی سے نکالو خود کو باہر، اس کو جب کوئی پرواہ نہیں تو تم کیوں خوامخواہ اپنا خون جلا رہی ہو؟"

"آمنہ میں......" نیناں نے کچھ کہنے کی چاہ میں نظریں اٹھا کر منہ کھولا ہی تھا کہ سامنے والی چیئر پر بیٹھا شخص اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ گیا تھا، آمنہ نے اسے اس طرح ہکا بکا دیکھ کر حیران کن انداز میں پوچھا تھا۔

"کیا ہوا؟" نیناں بے یقینی کے عالم میں اس شخص کی جانب دیکھ رہی تھی جو ایک گروپ کے بیچ میں بیٹھا کسی بات پر قہقہہ لگا رہا تھا۔

"نیناں!" اس بار آمنہ نے اس کی بازو پکڑ کر اسے ہلایا تو وہ ایک دم چونکی تھی۔

"ہاں۔"

"کیا ہوا ہے؟"

"آمنہ وہ دیکھو فرزان۔"

"کہاں؟"

"وہ بلیک شرٹ میں لائٹ گرین آنکھوں والا۔" اس پر ایک نظر دوڑا کر آمنہ ایک بار پھر سے سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"اوہ دیکھ لیا تم نے، کیسے قہقہے لگا رہا ہے، کہا تھا ناں کہ اسے کوئی پرواہ نہیں ہوگی، اب دیکھ لیا اپنی آنکھوں سے یقین آ گیا؟" نیناں کا موڈ ایک دم سے بدل گیا تھا، وہ بہت ایکسائیٹڈ دکھائی دے رہی تھی۔

"آمنہ میرا خیال ہے ہمیں ان سے ملنا چاہیے۔"

"پاگل ہوگئی ہو کیا؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟"

"کیوں؟"

"وہ تمہیں لفٹ نہیں کراتا اور تم۔"

"ایک بار ملنے میں کیا حرج ہے؟"

نیناں کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر اس تک جا پہنچے، دوپٹہ اور بال درست کرتے ہوئے وہ اٹھ کر اس کی جانب بڑھ گئی تھی، جبکہ آمنہ اپنا سر تھام کر رہ گئی تھی، چند ہی قدم کے فاصلے پر بیٹھا وہ شخص ابھی تک کسی بات پر مسکرا رہا تھا، چار لڑکوں اور ایک لڑکی پر مشتمل وہ گروپ اردگرد کھانے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی باتوں پر مسکرا رہے تھے۔

"فرزان!" پانی پیتے فرزان نے جانی پہچانی آواز پر گلاس کے اندر سے جھانک کر سامنے کھڑی لڑکی کی طرف دیکھا تھا، اس کو سامنے پاتے ہی گلاس ٹیبل پر رکھ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"السلام علیکم! میں نیناں۔"

"وعلیکم السلام کیسی ہو؟" ایک دم سنجیدگی چہرے پر طاری ہو گئی تھی اور بر فیلے لہجے میں سلام کا جواب دے کر اب وہ باقاعدہ طور پر نظریں چرا گیا تھا۔

"فائن...... کیا میں...... اکیلے میں آپ سے کچھ بات کر سکتی ہوں؟" تینوں لڑکے اور وہ ایک لڑکی معنی خیز نظروں سے فرزان کی جانب دیکھنے لگے تھے، اپنے گروپ پر ایک نظر ڈالتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"یا...... شیور۔" آمنہ پوری گھوم کر بیٹھ گئی تھی اور اس کی نظریں مسلسل ان دونوں پر مرکوز تھیں، فرزان نیناں کے ہمراہ ایک سائیڈ پر آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں، تم کافی کمزور لگ رہی ہو؟"

"نہیں میں ایسی ہی ہوں۔"

"ہوں، پکچرز میں کافی ڈفرنٹ لگتی تھیں تم۔"

"آپ بھی۔" نظروں کا زاویہ بدلے وہ اپنے گروپ کی جانب دیکھنے لگا تھا اور بہت ہی سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری میں بہت بزی رہا ہوں، اس لئے تم سے رابطہ نہیں کر پایا۔"

"اٹس او کے۔"

"ایکچوئلی پاکستان آتے ہی میں ڈیڈ کے بزنس میں......"

"اٹس او کے فرزان! صفائیاں دینے کی ضرورت نہیں، میں سمجھ سکتی ہوں۔"

"اچھا آؤ میں تمہیں اپنی منگیتر سے ملواتا ہوں۔" فرزان کی آواز اسے کہیں دور سے آتی سنائی دی تھی، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی، اردگرد سب کچھ گھومتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"منگیتر؟"

"ہاں پچھلے ہفتے ہماری منگنی ہوئی ہے، اگلے چھ مہینوں میں ہماری شادی ہے، وہ جو لڑکی بیٹھی ہے ناں، شی از مائے فیونسی، آؤ میں تمہیں اس سے ملواتا ہوں۔" فرزان نے اپنے گروپ میں بیٹھی اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا تو وہ بھیگی نگاہوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

"نن...... نہیں فرزان! میں بعد میں مل لوں گی، ایکچوئلی میری فرینڈ کو گھر جلدی جانا ہے، میں نے آپ کو یہاں دیکھا تو سوچا دعا سلام کر لوں، انشاء اللہ بعد میں ملاقات ہوگی ہم...... میں چلتی ہوں۔"

"او کے۔"

"ٹیک کیئر، اللہ حافظ۔"

"ٹو تو...... اللہ حافظ۔" وہ ہونٹ دانتوں تلے دبائے بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھال کر آمنہ تک پہنچی تھی جبکہ فرزان ایک بار پھر سے اپنی چیئر پر جا بیٹھا تھا۔

"یہ نیناں تھی ناں؟" ساتھ بیٹھی گروپ کی لڑکی نے فرزان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر نظریں جھکا کر بیٹھ گیا۔

"شی از سو کیوٹ۔" فرزان نے اس کی بات اگنور کر کے گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا تھا۔

☆☆☆

رک سی گئی زندگی
آج اس پل میں
پھیلا دھواں غم کا
خوشیاں لگیں جلنے
دل کو رلایا ہے اتنا
بکھرا ہے ٹکڑوں میں سپنا
ارمان بن کے جو
اس دل میں رہتے تھے
کیوں آج بیزار ہیں

پوری رات کروٹ بدل بدل کر گزار دی، صبح اذان فجر ہوئی تو وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی، پوری رات جاگنے کے باعث آنکھوں اور سر میں شدید درد کا احساس ہو رہا تھا، پھر تھکے تھکے انداز میں بیڈ سے اتر کر وہ باتھ روم میں داخل ہو گئی تھی، اتنے دنوں بعد وہ نظر آیا بھی تو ایک گہری چوٹ اس کے دل پر لگا گیا تھا، ایک ایک لمحہ نیناں کے لئے اذیت ناک ثابت ہو رہا تھا، دل میں عجیب سی چبھن محسوس ہو رہی تھی، نماز فجر ادا کرتے ہی وہ بالکونی میں جا کھڑی ہوئی تھی، صبح کی تازہ ہوا سانس کے ذریعے اندر کھینچتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں موند لی تھیں، وہ کافی دیر یونہی کھڑی رہی اور دل ہی دل میں خود سے ہم کلام ہوئی۔

"کتنا بر فیلا لہجہ تھا فرزان کا، ہم دونوں بیسٹ فرینڈز تھے اور کچھ نہ سہی لیکن کم از کم مجھ سے اپنا رویہ تو نہ بدلتے، فرزان کے رویہ نے بہت ہرٹ کیا ہے مجھے۔" دھیرے سے اپنی نم آنکھیں کھول کر اب وہ آسمان کو دیکھنے لگی تھی۔

"جب انسان کو کسی سے رشتہ ختم کرنا ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلے اپنی زبان کی مٹھاس ختم کرتا ہے، فرزان نے بھی ایسا ہی کیا، شاید ہم دونوں کا ساتھ یہیں تک تھا، میں اب کبھی نہیں سوچوں گی فرزان کو اپنی ذات کے گرد ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں گی تا کہ فرزان کی یادیں مجھ تک نہ پہنچیں، میں بھول جاؤں گی سب کچھ، آئی جسٹ وانٹ ٹو فورگیٹ ایوری تھنگ۔"

اس نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

☆☆☆

سیکنڈ منٹوں میں منٹ گھنٹوں میں، گھنٹے

دنوں میں، دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدلتے گئے، دیکھتے ہی دیکھتے چھ ماہ بیت گئے اور اسے بھولنے کی چاہ میں وہ اسے اپنے دل کی گہرائیوں میں اتار چکا تھا، کون سا دن گزرا تھا، جب اس نے اسے یاد نہ کیا تھا، ہر پل وہ اس کے دل و دماغ پر سوار رہتی تھی، کبھی کبھی تو وہ بہت چڑچڑا ہو جاتا، آج بھی برستی بارش کو دیکھتے ہوئے اس کی یادوں میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک عمارہ کمرے کا دروازہ کھول کر دندناتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

''فرزان! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ دیکھو کتنا پیارا موسم ہے، چلو نا نیچے سب لوگ بہت انجوائے کر رہے ہیں، بس ایک تم ہی مسنگ ہو۔'' فرزان نے پلٹ کر اپنی کزن عمارہ کی طرف دیکھا اور دھیمے سے مسکرا کر راکنگ چیئر پر جا بیٹھا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''ہوں، ایسے موقعوں پر تمہاری طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔''

''عمارہ! میری طبیعت واقعی ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ چلتی ہوئی عین اس کے سامنے والے صوفے پر براجمان ہوگئی اور دونوں بازو گھٹنوں پر ٹکائے اب وہ بغور اس کی جانب دیکھنے لگی تھی، اسے اس طرح اپنی جانب دیکھ کر وہ سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

''اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟''

''دیکھ رہی ہوں کہ تم کتنا پوز کر سکتے اور کب تک۔''

''کیا مطلب؟'' کافی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔

''تم اپنی ضد توڑ کیوں نہیں دیتے؟''

''ضد؟''

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کس بارے میں بات کر رہی ہوں۔''

''نہیں، آئی ریئلی ڈونٹ نو۔''

''فرزان یہ بات تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ تم اس سے پیار کرتے ہو، لیکن صرف ایک چھوٹی سی انا کی خاطر تم اپنی محبت کو برباد کر رہے ہو؟''

''عمارہ مجھے اس ٹاپک پر تم سے بات نہیں کرنی، میں پہلے بھی بہت بار کہہ چکا ہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''اگر ایسا کچھ نہیں ہے تو اپنے والدین کی بات مان جاؤ اور شادی کر لو کسی سے۔''

''یار! نہیں کرنی مجھے ابھی کسی سے شادی، پتہ نہیں کیوں تم لوگ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہو۔''

''میری ایک بات کان کھول کر سن لو، گیا وقت کبھی ہاتھ نہیں آتا، اس سے پہلے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اس وقت کو تھام لو اور کہہ دو اپنے دل کی بات، آنٹی انکل نے تمہارے لئے لڑکی دیکھنی شروع کر دی ہے اور تو اور چچا کی بیٹی ثوبیہ کے بارے میں ان کے ووٹ زیادہ ہیں، اب سب کچھ تم پر ہے، اپنے لئے منزل کا انتخاب تم کو کرنا ہے۔''

''ان سے جا کر کہہ دو کہ مجھے ابھی شادی وادی نہیں کرنی، جب مجھے میری مس رائٹ مل جائے گی تب کر لوں گا شادی۔''

''کوئی مس رائٹ وائٹ نہیں آنے والی تمہاری زندگی میں، ایک آئی تھی اسے تم نے خود اگنور کر دیا، اگر وہ ہمیشہ کے لئے تم سے دور چلی گئی ناں تو پھر ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔''

''وہ میری مس رائٹ نہیں ہے۔''

''ہاں بس یہی تسبیح پڑھتے رہو اور آنکھیں بند کیے ابھی مس رائٹ کا انتظار کرتے رہو، ایک دن بڈھے ہو جاؤ گے اور ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔''

''تم مجھے بد دعائیں دینے آئی ہو؟''

''حقیقت سے آگاہ کر رہی ہوں اور تم ہو کہ آنکھیں کھولنے پر آمادہ ہی نہیں۔''

''خیر میں تو چلی پکوڑے کھانے اور تم یہیں بیٹھ کر اپنی سو کالڈ مس رائٹ کی تسبیح پڑھتے رہو۔'' وہ اٹھی اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی، اسے دروازے سے باہر نکلتے دیکھ کر وہ ایک بار پھر سے اس کی باتوں میں الجھنے لگا تھا۔

''میں نے کبھی اس سے پیار نہیں کیا، پتہ نہیں ان سب لوگوں کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ آئی ایم ان لو ودھ ہر۔'' وہ ایک بار پھر ونڈو میں جا کھڑا ہوا تھا۔

''شی واز مائی بیسٹ فرینڈ، دیٹس آل ہاں آئی مس ہیر فرینڈ شپ، بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔'' وہ اب کمرے میں ٹہلنے لگا تھا اور اندر ہی اندر سے سوال جواب کر رہا تھا۔

''فرینڈز تو اور بھی بہت تھی، پر وہ سب کبھی اتنا یاد نہیں آئیں جتنی کہ نیناں، اس میں کچھ خاص بات تھی، سب سے الگ تھی وہ، سب سے اسپیشل۔'' وہ خود سے سوال جواب کرتے کرتے جب تھک گیا تو ایک بار پھر سے راکنگ چیئر پر جا بیٹھا، کافی دیر کچھ سوچتا رہا اور پھر موبائل اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا، بیل مسلسل جا رہی تھی لیکن کسی نے کال ریسیو نہ کی، ایک بار پھر سے نمبر ڈائل کر کے وہ پھر سے کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگا تھا، اس بار بھی کال ریسیو نہ ہوئی تو موبائل واپس ٹیبل پر پٹخ کر وہ چیئر کی پشت پر ٹیک لگائے آنکھیں موند کر نیم دراز ہو گیا تھا، پورا دن گزر چکا تھا، وقفے وقفے سے اس کا فون ٹرائے کرنے کے بعد اب وہ فکر مند ہونے لگا تھا۔

''نیناں فون کیوں نہیں ریسیو کر رہی؟'' ہونٹ دانتوں تلے بھینچے وہ بے چینی سے لان میں کھڑا چکر کاٹ رہا تھا، ایک بار پھر سے فون ٹرائی کرنے کے بعد وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔

''شاید وہ ان نون کالز ریسیو نہ کرتی ہو، ایس ایم ایس کرتا ہوں۔'' پھر اس نے جلدی سے ایس ایم ایس ٹائپ کرنا شروع کیا۔

''ہیلو نیناں! میں فرزان، میری کال پک کرو۔'' ایس ایم ایس سینڈ کرنے کے دو ہی منٹ بعد اس نے ایک بار پھر سے نمبر ڈائل کیا اور موبائل کان سے لگا لیا مگر اس بار بھی کال ریسیو نہ کی گئی۔

''شاید وہ مجھ سے ناراض ہے، ہونا بھی چاہئے، بہت دل دکھایا ہے میں نے اس کا، بہت ستایا ہے آئی ایم سوری نیناں، میں بہت شرمندہ ہوں کہ تمہارے پیار، فیلنگز اور تمہارے جذبات کی قدر نہ کر سکا میں، آئی ایم ریئلی ویری سوری نیناں میں تم سے دور بھاگتا رہا، جانتا تھا کہ تم سے بہت پیار کرتا ہوں، لیکن پتہ نہیں کیوں تم سے دور بھاگتا رہا، میں سمجھتا تھا کہ تم سے دور رہ کر تمہیں بھول جاؤں گا، پر ایسا نہیں ہوا۔'' پھر موبائل جینز کی پاکٹ میں ڈالتے ہی وہ گھر کے اندرونی حصہ میں داخل ہو گیا۔

☆☆☆

صبح آنکھ کھلتے ہی اس نے موبائل اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کیا تھا، اس بار نیناں کا موبائل سوئچ آف ملا تو وہ بے چینی سے اٹھ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا، ایک بار پھر سے نمبر ڈائل کرنے پر بھی موبائل سوئچ آف ملا تو اسے مزید فکر لاحق ہونے لگی تھی، پریشانی سے کچھ سوچتے ہوئے وہ بیڈ سے نیچے اترا اور واش روم میں داخل ہو گیا، نک سک سا تیار ہوا، اب وہ ڈرائیونگ سیٹ پر تھا، گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بھی اس کا دل و دماغ

سکون میں نہ تھا۔

"میں اسے منا لوں گا، آئی نو وہ مجھ سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی، مجھے اپنے روبرو دیکھتے ہی وہ ساری ناراضگی بھول جائے گی۔" ہلکی سی مسکان اس کے چہرے پر ابھری تھی۔

"آج گھر واپسی پر میں مما سے نیناں کے لئے بات کروں گا۔" وہ دل ہی دل میں پلان بناتے ہوئے خوش ہو رہا تھا، گاڑی عین نیناں کے گھر کے سامنے پارک کرتے ہی وہ گاڑی سے نیچے اترا اور اس کے گھر کی جانب قدم بڑھا دیئے، اطلاعی بیل پر ہاتھ رکھ کر اس نے بٹن کو ہلکے سے پش کیا تھا، چند ثانیے بعد دروازہ کھلا اور اندر لوگوں کا ہجوم دیکھ کر وہ پل بھر کے لئے حیران ہوا اور گیٹ پر کھڑے بوڑھے آدمی کی طرف دیکھ کر ادب سے بولا۔

"السلام علیکم! میں فرزان ہوں، نیناں زمان یہیں رہتی ہیں؟" سامنے کھڑا بوڑھا شخص اپنی روئی ہوئی سوجی آنکھوں میں آنسو بھرے رندھے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"ہاں وہ اس گھر میں رہتی تھی۔"

"رہتی تھی، مطلب؟" اس کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی تبھی وہ چوکنا ہوئے اس شخص کی جانب دیکھ رہا تھا، دو آنسو اس شخص کی آنکھوں سے لڑھک کر گال پر آن ٹھہرے تھے۔

"وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے، کل دوپہر وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔" اپنا جملہ پورا کرتے ہی اس شخص نے رونا شروع کر دیا تھا، فرزان کے لئے یہ لمحہ ناقابل یقین تھا، پل بھر کے لئے اسے سب کچھ چکراتا محسوس ہوا تھا، بولنے کی چاہ میں لب کھولے ہی تھے کہ مارے حیرانی و تکلیف اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا، پھر کچھ دیر بعد وہ بمشکل بولنے میں کامیاب ہوا تھا۔

"یہ...... یہ سب کیسے ہوا؟"

"کالج کے ٹرپ پر گئی تھی، واپس پر بس الٹ گئی اور کھائی میں جا گری، ہمیں تو اپنی بچی کی شکل تک دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔" اتنا سننا تھا کہ وہ ایک دم لڑکھڑایا اور گرتے گرتے بچا، اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لئے گیٹ کو تھاما تھا، اسے وہ سب کچھ ایک بھیانک خواب سا لگ رہا تھا، خود پر قابو پاتے ہوئے وہ واپس گاڑی تک آیا تھا۔

"یو کانٹ ڈو دز ٹو می، میں تو ہمیشہ کے لئے تمہیں اپنا بنانے آیا تھا اور تم...... تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور چلی گئیں کیوں؟" گاڑی کی چھت پر زور سے ہاتھ مار کر اب وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے میرے کیے کی اتنی بڑی سزا مت دو نیناں، دیکھو میں لوٹ آیا ہوں تمہارے پاس، مجھے کچھ کہنے کا موقع تو دیا ہوتا۔" وہ نم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اس سے باتیں کر رہا تھا، پھر اک نظر اس کے سونے ویران گھر پر ڈال کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا، کانپتے ہاتھوں سے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، دو تین بار ٹرائے کرنے کے بعد بھی ناکام رہا تو اسٹیرنگ پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا، کافی دیر رونے کے بعد اب وہ سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"میں نے تمہاری قدر نہیں کی اور جب قدر ہوئی تو تم مجھے چھوڑ کر چلی گئیں، وہاں جہاں سے تمہاری واپسی ناممکن ہے، اتنی بڑی سزا، میں ساری زندگی بے سکون رہوں گا، جو تکلیف میں نے تمہیں دی اب وہ تکلیف مجھے تمام عمر برداشت کرنا ہوگی، آئی ایم ساری نیناں، آئی ایم ریئلی سوری۔" تیزی سے بہتے آنسوؤں سے بھرا

چہرہ اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے چھپا لیا تھا، وہ اس کے گھر کے سامنے بیٹھا اپنی شکستہ محبت پر آنسو بہا رہا تھا، افسوس کہ اسے اپنی محبت کا احساس ہوا تو سب کچھ ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے جب ہم کسی شخص کی تمنا کریں تو وہ ہمیں نہیں ملتا، بلکہ کوسوں دور چلا جاتا ہے، ہم اس کے پیچھے بھاگتے ہیں، اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہم سے دور دور اور بہت دور چلا جاتا ہے، پھر ہم تھک ہار کر اس کی تمنا ہی چھوڑ دیتے ہیں تو معجزاتی طور پر چپکے سے اک دن وہ شخص دبے پاؤں ہماری زندگی میں آ جاتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ شخص آنے میں بہت دیر کر دیتا ہے، اتنی دیر کہ زندگی ہم سے روٹھ جاتی ہے، فرزان کی مس رائٹ تو اسے کب کی مل چکی تھی مگر افسوس کہ اس نے پہچاننے میں بہت دیر کر دی، اگر وہ پہلے ہی اسے قبول کر لیتا تو آج شاید وہ اس سے اتنی دور نہ ہوتی، جب کوئی بہت اپنا دنیا سے رخصت ہو جائے تو وہ اپنا جس نے زندگی میں کسی بھی چیز سے زیادہ آپ کو چاہا ہو، آپ نے اسے اگنور کرنے کے سوا اور دکھی کرنے کے سوا کچھ نہ دیا ہو، پھر ایک دن آپ کو احساس ہو کہ وہی سب سے اپنا ہے، آپ اس تک پہنچنے کی کوشش کریں اور وہ اس نے پہلے ہی آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تو ایسے میں ملال کے سوا کچھ نہیں رہتا، اتنا ملال کہ روح تک لرز جاتی ہے۔

ہم خاص تو نہیں مگر بارش کے ان قطروں کی طرح انمول ہیں وحی۔
جو مٹی میں سما جائیں تو پھر کبھی نہیں ملا کرتے۔

☆☆☆

ثمینہ بٹ

وحشت جاں پہ عذاب مدت کی منزل جا کے نہ پھول آئے
بہار وادی سے جتنے پہنچی، ادھر آئے ملول آئے
وہ ساری خوشیاں جو اس نے چاہی، اٹھا کے جھولی میں اپنی رکھ لیں
ہمارے حصے میں عذر آئے، جواز آئے، اصول آئے

"عینی بیٹا! پھر تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میں نے کیا سوچنا ہے خالہ جان، میرا تو دماغ ہی کام نہیں کر رہا، میری تو سمجھ میں ہی نہیں آ رہا کہ کروں تو کیا کروں۔" عینی نے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دباتے ہوئے دلگرفتہ انداز میں کہا تو خالہ جان آبدیدہ ہو گئیں۔

"مگر بیٹا! زندگی تمہاری ہے اور فیصلہ بھی تمہیں ہی کرنا ہے، آج تک وہ خبیث تمہارے ساتھ جو بھی سلوک کرتا آیا ہے، تم نے اس کی ہوا تک کسی کو نہیں لگنے دی، آخر کیوں؟ اتنا تو ہمارا حق بنتا تھا ناں، بیٹا کہ تمہارے دکھ میں شریک ہو سکتے۔" خالہ جان نے دکھ اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں کہا۔

"عینی میری جان، خالہ بھی تو ماں ہی ہوتی ہے ناں، میری بچی تم نے تو مجھے جیتے جی ہی پرایا کر ڈالا۔" خالہ جان نے اسے ساتھ لگا کر گلوگیر لہجے میں گلہ کیا تو وہ خالہ کی شفیق گود میں سر رکھ کر رو پڑی۔

"کیا کہوں خالہ جان، میں کچھ نہیں کہہ سکتی، کچھ بھی نہیں، تب بھی نہیں اور اب بھی نہیں۔"

☆☆☆

ماں جی آج بے حد خوش تھیں، آج ان کی برسوں پرانی مراد پوری ہوئی تھی، اللہ نے ان کی

دعاؤں کا ثمر ان کو بخشا تھا اور پچھلے سات برس سے پڑے ان کے سونے آنگن میں اللہ نے اپنی رحمت کے پھول برسائے تھے، ان کے اکلوتے بیٹے احمد دین کے ہاں شادی سات سال بعد جڑواں بچے ہوئے تھے، بیٹا اور بیٹی، رحمت اور نعمت کے ایک ساتھ نزول کی خبر سن کر وہ وہیں ہاسپٹل کے کاریڈور میں ہی مارے تشکر کے سجدہ ریز ہو گئیں تھیں۔

برسوں پہلے ان کے بیٹے احمد دین نے ان کا مان رکھا تھا، ان کی خواہش پر اپنی پھوپھی زاد صابرہ سے بلاچون چراں شادی کر لی تھی، جوان سے نہ صرف چھ ماہ بڑی تھی بلکہ ان پڑھ بھی تھی۔

صابرہ کی منگنی بچپن سے ہی اس کے تایا زاد اکمل کے ساتھ ہو چکی تھی، مگر جب شادی کا وقت آیا تو اکمل کو اس میں بے شمار خرابیاں نظر آنے لگی، اس نے شادی سے صاف انکار کر دیا، اب یہ گاؤں تھا، شہر تو تھا نہیں کہ تو نہ سہی کوئی اور سہی، اکمل کے انکار نے خاندان برادری میں غصے کی آگ بھڑکا دی اور قریب تھا کہ جنگ و جدل شروع ہو جاتا کہ ماں جی نے صابرہ کے لئے دست سوال دراز کر ڈالا اور اپنے اکلوتے پڑھے لکھے، فرمانبردار خوبرو بیٹے کے لئے جھولی پھیلا دی، وقت اور حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ یہ ہی مناسب لگا کہ ان کی بات رکھی جائے اور یوں خاندان کی عزت بچانے اور جگ ہنسائی سے بچنے کے لئے فوراً دونوں کا نکاح کر کے رخصتی کر وی گئی اور احمد دین بے چارہ جو ماں کے ساتھ گاؤں، صابرہ اور اکمل کی شادی میں شرکت کرنے اور گاؤں کے رسم ورواج انجوائے کرنے گیا تھا، خود ہی پھنس گیا اور ماں جی کے کہنے پر چپ چاپ صابرہ کو بیاہ لایا۔

پہلے پہل تو دونوں ایک دوسرے سے غافل صابرہ واقعی اسم بامسمی تھی، بہت ہی صابر اور شاکر قسم کی لڑکی تھی، جیسے اکمل نے اسی وجہ سے تو ٹھکرایا تھا کہ۔

''یہ تو گائے ہے، سیدھی اور بے وقوفی کی حد تک سادہ؟ اور یہ گائے۔'' اب احمد دین کے کوٹھے سے بندھی اپنی خاموش اور ویران آنکھوں سے آنے والے وقت کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆

میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا
عمر میری تھی مگر اس کو بسر اس نے کیا
شہر بھر میں معتبر وہ میری گواہی سے ہوا
پھر شہر بھر میں نا معتبر اس نے مجھے کیا

''زارا...... زارا...... کدھر ہو تم دونوں ...... باہر نکلو۔''

''جج...... جی...... ڈیڈ...... آپ نے بلایا؟'' تھر تھر کانپتے زارا اور حماد اپنے سخت گیر اور ظالم باپ سے متوقع ٹھکائی کے خوف سے سر جھکائے کھڑے تھے۔

''کیا کر رہے تھے اندر تم دونوں، جو میری ایک آواز پر باہر نہیں آئے بولو...... جواب دو۔'' طیش میں آکر الٹے ہاتھ کا تھپڑ انہوں نے زارا کے پھول سے گال پر جڑا تو وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور الٹ کر ساتھ کھڑے حماد پر جا گری، جس کی وجہ سے دونوں لڑکھتے ہوئے سینٹر ٹیبل سے جا ٹکرائے اور گھٹی گھٹی آواز میں رونے لگے۔

''کون مر گیا ہے تمہارا جو یوں رو رہے ہو...... بولو...... کون مر گیا ہے یا پھر اس بے غیرت کی یاد میں رونا آ رہا ہے تمہیں، جو تم لوگوں کو چھوڑ کر خود عیش کرنے چلدی خبردار...... خبردار جو اس منحوس کو کسی نے یاد کیا تو، جان سے مار دوں گا

تم لوگوں کو سمجھے۔'' وہ پہلے سے زیادہ زوردار آواز میں دھاڑے تو دونوں بچے سہم کر خاموش ہونے کی کوشش کرنے لگے، مگر سسکیوں پر قابو نہ پا سکتے تھے، لہٰذا جھکے سر کے ساتھ کھڑے ہنوز کانپ رہے تھے۔

''اب ایسے کھڑے زمین کو کیا گھور رہے ہو، کیا کوئی خزانہ دبا دکھائی دے رہا ہے، تمہیں زمین کے اندر یا پھر اپنی قبروں کی پیائش کر رہے ہو، دفع ہو جاؤ میری نگاہوں کے سامنے سے اور اے لڑکی کیا بنا ہے کھانے میں، فوراً لے کر آؤ میرے لئے۔'' ایک نیا حکم، ایک نئی دھمکی ایک ساتھ موصول ہوئے تھے دونوں بہن بھائی کانپتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئے۔

''زارا! اب کیا دیں ڈیڈ کو کھانے کے لئے، خالہ بی تو آج آئی ہی نہیں اور ہم سے تو کھانا بنتا ہی نہیں، اب کیا کریں ہم۔'' نو سالہ حماد نے اپنے سے چھوٹی زارا کو خوف اور فکر کے ملے جلے انداز میں کہا تو وہ بھی مارے خوف کے لرز کر رہ گئی، ان دونوں میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ اپنے ڈیڈ کو اتنا بتا سکتے کہ آج جو قتی ملازمہ سکینہ بی جسے وہ خالہ بی کہتے تھے چھٹی پر تھیں، جس کی وجہ سے وہ صفائی ہی بمشکل کر پائے تھے کہ ان کے ڈیڈ کو صفائی کا بھی تو مراق تھا اور ابھی وہ لوگ اسی شش و پنج میں گھرے کھڑے تھے کہ ایک بار پھر ڈیڈ ان کے سر پر آ پہنچے۔

''کیا ہوا؟ اتنی دیر لگتی ہے کیا کھانا لانے میں، ایسے ماتمی صورتیں بنائے کیوں کھڑے ہو، اب سنا نہیں کیا کہا ہے میں نے۔'' شاید صور اسرافیل بھی اس دھاڑ سے ہلکا ہی ہوگا، جو ان معصوموں کے کان پھاڑ رہی تھی۔

''وہ...... وہ...... ڈ...... ڈیڈ...... آج خالہ بی آئیں ہی نہیں، تو...... وہ...... کھانا...... ہم سے نہیں......'' ڈرتے ڈرتے حماد نے جھکے سر اور لرزتی آواز میں کہنا تو چاہا، مگر جملہ اس کے گلے میں اٹک گیا۔

''کیا خالہ بی نہیں آئیں تو کیا؟ تم مردودوں سے اتنا بھی نہ ہوا کہ باپ کے لئے کچھ بنا کر ہی رکھ لیتے، ٹھونسنا آتا ہے تم لوگوں کو، بنانا نہیں آتا۔'' وہ انہیں مارتے ہوئے گرج رہے تھے، جس تیزی سے ان کے ہاتھ چل رہے تھے، اس سے کہیں تیزی سے زبان اپنے جوہر دکھا رہی تھی اور وہ معصوم مار کھاتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ کیا گناہ سرزد ہو گیا ان سے جس کی سزا ڈیڈ کی صورت میں مل رہی ہے انہیں۔

☆☆☆

''عینی آپا...... عینی آپا!'' سہیل کب سے دروازے میں کھڑا اسے آوازیں دے رہا تھا، مگر وہ نہ جانے کس جہاں میں کھوئی ہوئی تھی، گم صم بیٹھی جانے کس غیر مرئی نقطے کو گھورنے جا رہی تھی۔

''آپا کیا ہوا؟ آپ ایسے کیوں بیٹھی ہیں، میں کب سے آوازیں دے رہا ہوں اور آپ ہیں کہ سن ہی نہیں رہیں۔'' پریشان ہو کر سہیل نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونک گئی۔

''ہاں کیا ہوا؟ مجھ سے کچھ کہا کیا؟''

''آپا آپ بھی ناں، جانے کہاں کھو جاتی ہیں بیٹھے بیٹھے، چلیے باہر بابا بلا رہے ہیں آپ کو، جب دیکھو کہیں نہ کہیں گمشدہ حالت میں پائی جاتی ہیں، چلیے اٹھیے باہر چلیں۔'' اس کی حالت کے پیش نظر ہر کوئی اس کا بے حد خیال رکھتا تھا، اسے خوش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی مگر، اس کے دل کو تو گھاؤ ہی ایسا لگا تھا کہ کسی پل چین پڑتا ہی نہ تھا اور اسی لئے وہ ابھی بھی سہیل کے بار بار بلانے کے باوجود ابھی تک خالی خالی نگاہوں سے

اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"آپا انھیں اٹھ جائیں فوراً اب، میں ایک منٹ بھی آپ کو ایسے بیٹھے نہیں دیکھ سکتا، اٹھ جائیں فوری طور پر۔" سہیل نے اس کی خالی نگاہوں سے نگاہ چراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما اور کھینچتا ہوا باہر صحن میں لے آیا، جہاں خالو جان اور خالہ جان اس کی راہ تک رہے تھے، شام کے وقت چلنے والی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے طبیعت پر خوشگوار اثر ڈال رہے تھے، مگر وہ شاید کسی بھی چیز کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھی، اس لئے ابھی تک ویسے ہی خالی خالی نگاہوں سے سب کو دیکھ رہی تھی، خالو جان اور نبیل بھائی صحن میں بچھی کرسیوں پر بیٹھے تھے جبکہ خالہ اور ثریا بھابھی تخت پر چائے کا سامان رکھے اس کی منتظر تھیں۔

"آ جاؤ بیٹی، ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو، کب سے بلا رہی ہوں تمہیں، کیوں ہلکان کرتی ہو خود کو میری بچی، اللہ سب ٹھیک کرے گا، تم سب کچھ اس پر چھوڑ دو، پھر دیکھو کیسے وہ تمہارا ہاتھ تھام کر تمہیں ان مشکلات سے نکالتا ہے۔" خالہ جان نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بڑے پیار سے کہا تو وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"عینی کچھ تو بولو گڑیا، کوئی تو بات کیا کرو، سارا دن خاموش بیٹھی خلاؤں میں گھورتی رہتی ہو، اگر تم اس طرح کرتی رہی تو تمہاری طبیعت پھر سے خراب ہو جائے گی اور جس کے لئے تم ایسا کرتی ہو، اسے کوئی پرواہ بھی نہیں۔" بھابھی نے اس کے ہاتھ میں چائے تھماتے ہوئے کہا۔

"عینی بیٹا میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر کہہ رہا ہوں، تم اکیلی نہیں ہو، اللہ تمہارے ساتھ ہے، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، جتنا تم برداشت کر سکتی تھیں، تم نے کر لیا اور جب تمہاری برداشت ختم ہو گئی تو اللہ نے تمہیں اس جہنم سے نکال لیا اور یہ تو رب کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ وہ ان پر اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے جتنا کہ وہ سہار سکیں، ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا ان پر، تو بچے سمجھ لو کہ تمہیں اللہ نے وہاں سے نکالا ہے اور آگے بھی تمہارے لئے وہ ہی بہتر فیصلہ کرے گا، انشا اللہ رب نے چاہا تو تمہیں تمہارے حصے کی خوشیاں ضرور ملیں گی۔" خالو جان نے کہا تو سب نے صدق دل سے آمین کہا جس پر نہ چاہتے ہوئے بھی عینی کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"خالو جان، میری زندگی کی ناؤ بیچ منجدھار کے ڈول رہی ہے، میں تو بچ کر آ گئی، مگر جو پیچھے رہ گئے وہ مجھے چین نہیں لینے دیتے، میں کیا کروں، مجھے کسی پل قرار نہیں آتا، مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں۔" بے ساختہ روتے ہوئے وہ باری باری سب سے پوچھ رہی تھی اور اس کی یہ حالت دیکھ کر سب اندر ہی اندر کٹ رہے تھے۔

"بس عینی بیٹا بس آج کے بعد تم نہیں روؤ گی اب رونے کی باری ان ظالموں کی ہے، میں سب کو دیکھ لوں گا، میری بیٹی کی آنکھوں میں آنسو لانے والا بھی خوش نہیں رہ سکے گا، یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔" خالو جان اٹھ کر اس کے پاس آئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ٹھوس لہجے میں بولے تو عینی کے بے چین دل کو تھوڑا قرار آ گیا۔

☆☆☆

گزرتے وقت نے ثابت کر دیا تھا کہ ماں جی کا فیصلہ کتنا اچھا تھا، صابرہ نے جلد ہی گھر کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، اس کی سلیقہ مندی اور خدمت گزاری نے ماں جی کے ساتھ ساتھ احمد دین کو بھی اس کا معترف کر دیا تھا، مگر یہ کیسا حجاب تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کا

خیال تو بہت رکھتے، ایک دوسرے کی عزت بھی بے حد کرتے مگر محبت، محبت ان کے کسی انداز سے چھلکتی ہی نہ تھی، ایک طرف احسان مندی اور تشکر کا احساس ہلکورے لیتا رہتا تو دوسری طرف مرعوبیت اور ممنونیت کا جذبہ ہی ہر جذبے پر بھاری پڑتا نظر آ رہا تھا۔

چند ماہ تو ماں جی ان کا جائزہ لیتی رہیں اور پھر ایک دن انہوں نے احمد دین کو جا لیا۔

"احمد دین، مجھے تم سے یہ امید نہ تھی بیٹا، اگر میرا فیصلہ تمہیں اتنا ناگوار گزرا تھا اور اگر تم نے میری بات کا مان اس طرح رکھنا تھا تو پھر تم بھی اکمل کی طرح دامن چھڑا کر ایک طرف ہو جاتے، کیوں تم نے مجھے گناہگار رہنا دیا بیٹا، میں تو اللہ کی بارگاہ میں بھی گناہگار ہی ٹھہری اور اس بچی کی نظر میں بھی مجرم بنی جسے اپنے بھروسے پر، اتنے مان، اتنے چاؤ سے بیاہ کر لائی کہ میرا بیٹا اسے زمانے بھر کی خوشیاں دے گا، مگر یہ کیا؟ میرا بیٹا تو اسے اس کا شرعی حق بھی نہ دے سکا، یہ تم نے کیا کیا احمد دین۔" ماں جی آہستہ سے بولتے ہوئے رو پڑیں تو احمد دین پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا، انہیں سمجھ ہی نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کہیں، وہ شرمندہ شرمندہ سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"بول ناں بچے، اب میں تیری پھوپھی اور پھوپھا کو کیا منہ دکھاؤں گی اور روز محشر تمہارے مرحوم باپ کو کیا منہ دکھاؤں گی، میں اس دکھیاری بچی کو خوشیاں دینے چلی تھی، پر مجھے کیا علم تھا کہ خوشیاں ہر کسی کا مقدر تھوڑی ہوتی ہیں۔"

"ماں جی آپ انہیں کچھ نہ کہیں، ان کا کوئی قصور نہیں۔" صابرہ نے اندر آتے ہوئے دھیرے سے کہا تو وہ دونوں ماں بیٹا اسے دیکھنے لگے۔

"آپ پریشان نہ ہوں کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا، ہمیں تھوڑا سا وقت چاہیے ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے۔" وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولی تو ماں جی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جیتی رہ میری بچی، مجھے تیری بڑی فکر لگی رہتی ہے، اگر انجانے میں تم لوگوں کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے میں نے تو مجھے معاف کر دینا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں ماں جی آپ، آپ ہم سے معافی کیوں مانگ رہی ہیں اور کم از کم میرے ساتھ تو آپ نے کوئی زیادتی نہیں کی، میں تو اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ کی وجہ سے ایک بہت سمجھدار اور حساس جیون ساتھی ملی، جو یقیناً اللہ کا انعام ہی ہے میرے لئے۔" احمد دین نے بڑے جذب سے ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"اور اب یہ تو صرف یہ ہی بتا سکتی ہیں کہ میں ان کے لئے کیا ہوں انعام یا سزا، اس کا فیصلہ تو یہ خود ہی کریں گی۔" صابرہ کی طرف دیکھتے ہوئے احمد نے شرارت سے کہا تو اس کے چہرے پر حیا کا گلال بکھر گیا اور پھر گزرتے وقت نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح شیر و شکر کر دیا کہ انہیں ایک دوسرے کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا، صابرہ شادی کے بعد ایک بار بھی گاؤں نہیں گئی تھی، کچھ تو احمد کی نوکری اور کچھ گزرے واقعات اور وہ ماں کے اصرار کے باوجود بھی گاؤں جانے پر خود کو آمادہ نہ کر پاتی تھی، البتہ اس کے والدین اور چھوٹی بہن شاکرہ خود ان سے ملنے چلے آتے تھے، شاکرہ اس سے تین برس چھوٹی تھی پھر اچانک ہی شاکرہ کی شادی کی خبر آ گئی اور یوں صابرہ کی شادی کے دو سال بعد ہی شاکرہ بھی اپنے گھر بار کی ہوئی اور یہ اس کی قسمت تھی کہ صابرہ کی گود تو نہ بھری

مگر شاکرہ پر اللہ نے اپنی نعمتوں اور رحمتوں کے در بہت جلد وا کر دیے، وہ سال بھر کے بعد ہی ایک بیٹے کی ماں بن گئی، شاکرہ تو گھر بار اور بال بچوں میں مگن ہو گئی، مگر صابرہ اور احمد نے اپنے آنگن کے سونے پن کو خود پر سوار نہ ہونے دیا، وہ اپنی زندگیوں کو علم کی روشنی سے منور کرنے کی سعی میں مصروف تھے، صابرہ جو شادی کے وقت ان پڑھ تھی، اب احمد کے رنگ میں رنگی جا چکی تھی، شوہر سے پڑھنا لکھنا سیکھا، ماں جی سے قرآن پاک ترجمہ کے ساتھ پڑھا، ان دونوں کی محنت اور محبت کے سائے میں وہ بہت جلد ناخواندہ سے خواندہ ہو گئی، گریجویشن کے اس سفر میں ماں جی اور احمد دین نے قدم قدم پر اس کا ساتھ دیا تھا۔

☆☆☆

مجھے خبر ہے کہ کیا ہے جدائیوں کا عذاب\
کہ میں نے شاخ سے گل کو بچھڑتے دیکھا ہے\
اسے گنوا کے میں زندہ ہوں اس طرح محسن\
کہ جیسے تیز ہوا میں چراغ جلتا ہے

''بھائی اب ہم کیا کریں گے، کیا ہماری ساری زندگی اسی طرح ڈیڈ سے مار کھاتے کھاتے گزر جائے گی، بھائی ہم نے کیا گناہ کیا ہے؟ ہم تو ابھی بہت چھوٹے ہیں اور ٹیچر کہتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو چھوٹے بچے بہت پسند ہیں، کیونکہ وہ تو بہت معصوم اور بے گناہ ہوتے ہیں، تو پھر بھائی کیا ہم اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں جو ہمارے ساتھ یہ سب ہو رہا ہے؟'' آٹھ سالہ زارا اپنے اور حماد کے زخموں پر مرہم لگاتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی جو معصوم خود بھی نہیں جانتا تھا کہ ان کی قسمت میں یہ مستقل سزا کیوں ہے اور کب تک رہے گی، انہوں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اپنے گھر کو جہنم زار بنا دیکھا تھا، ان کے ڈیڈ کوئی عام آدمی نہیں بہت بڑے افسر تھے، رشوت اور سفارش کے بل پر اعلیٰ افسری کا رعب باہر تو جھاڑتے ہی رہتے تھے گھر کو بھی ہر وقت تھانہ بنائے رکھتے، ذرا ذرا سی بات پر گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتے اور سامنے والے کو لاتوں اور گھونسوں سے پیٹتے، اپنے آپ کو راجہ اندر سمجھتے تھے کہ خدا نے حسن و وجاہت سے بھی نواز رکھا تھا، اس لئے ان کی نگاہوں میں کوئی جچتا ہی نہ تھا، غصہ ہر وقت ناک پر دھرا رہتا اور شک کی عینک آنکھوں پر چڑھی رہتی، ان کی ممی کو بھی ذرا ذرا سی بات پر بے دریغ پٹائی لگاتے اور ملازمین کو بھی مار مار کے بھگا دیتے، کسی کی سمجھ میں نہ آتا کہ وہ ایسے کیوں ہیں، اکثر ان کی ممی انہیں بچانے کے لئے ان کے حصے کی مار بھی کھا لیتی، مگر ان پر آنچ نہ آنے دیتیں، مگر اب...... اب کون تھا انہیں بچانے والا اللہ کے سوا، سو وہ رو رو کر اللہ ہی سے فریاد کرتے اور اللہ ہی سے مدد مانگتے۔

''او کیا پلاننگ کر رہے ہو میرے خلاف تم دونوں، میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے، مسل کر رکھ دوں گا تمہیں مچھر کی طرح، سمجھے۔'' آج پھر وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھے شاید، کیونکہ ان سے نہ تو کھڑا ہوا جا رہا تھا اور نہ ہی ٹھیک طرح سے بولا جا رہا تھا، وہ بکتے جھکتے وہیں پاس پڑے کاوچ پر لڑھک گئے اور منٹوں میں غافل ہو گئے۔

''زارا، چلو اٹھو جلدی کرو، اب ہم یہاں نہیں رہیں گے، ڈیڈ سو گئے ہیں اور باہر کا دروازہ بھی لاک کرنا بھول گئے ہیں، چلو جلدی چلو، ہمیں کسی کے آنے سے پہلے یہاں سے دور نکلنا ہوگا، بس یہ ہی آخری راستہ ہے ڈیڈ کے ظلم سے بچنے کا، جلدی کرو۔'' حماد نے بہن کا ہاتھ تھاما اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس جہنم سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

کچھ اس میں دخل زمانے کی دشمنی کا نہ تھا\
یہ واقعہ ہے کہ وہ آدمی کسی کا نہ تھا\
تیرے بچھڑنے سے پہلے ہی رو لیا تجھ کو\
کہ اعتبار مجھے تیری دوستی کا نہ تھا

خالو جان اور نبیل بھائی نے اس کا مسئلہ حل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی اور اس سلسلے میں وہ جو کچھ بھی کر سکتے تھے، اپنے طور پر کیا، مگر مسئلہ تو عینی کے سسرال والوں کا تھا جانے کیوں اس کی سسرال میں کسی سے بھی رابطہ نہیں ہو رہا تھا، دن پر دن گزرتے جا رہے تھے اور عینی کی حالت دن بدن بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی، اس کے من کی نگری ایسی اجڑی تھی کہ آباد ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھی، اسے خالہ کی طرف آئے چار ماہ ہونے کو آئے تھے۔

آج شب برات تھی، دعاؤں کی قبولیت اور مرادوں کے حصول کی مبارک اور مقدس رات اور اس کے ساتھ ساتھ خالہ، بھابھی اور آپا بھی ساری رات سجدے میں گری، اس کی بگڑی تقدیر کے سنور جانے کی دعائیں مانگتی رہی تھیں اس کے بے چین دل کو وہ من موہنی صورتیں اور زیادہ تڑپا رہی تھیں جن کو دیکھے بنا اس کا ایک پل نہ گزرتا تھا، اب تقدیر کی ستم ظریفی کہ وہ انہیں دیکھنے کو ترس رہی تھی۔

اس کا رواں رواں اللہ سے فریاد کناں تھا، ان کی حفاظت کے لئے، ان کی عافیت کے لئے، ان کے حصول کے لئے، وہ اس رب رحیم کے آگے دست سوال دراز کیے بیٹھی تھی جو ستر ماؤں سے زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے، جو اپنے بندوں کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، پھر وہ بھلا اس کی دکھتی رگ سے کیسے غافل رہتا اور پھر جس طرح وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی، تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ رب رحیم جس کے در سے کبھی کوئی سوالی خالی گیا ہی نہیں، اپنے در پر جھولی پھیلائے اس خستہ حال لڑکی کو مایوس اور نامراد چھوڑ دیتا، فجر کے وقت فضاؤں کی گونجتی اللہ اکبر کی صدائیں سن کر جانے کیسا سکون اور قرار اس کے رگ و پے میں اترتا چلا جا رہا تھا، اس کی روح، اس کا دل اس اطمینان، اس یقین کی دولت سے مالا مال ہو رہے تھے کہ اللہ رب العزت اب اس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہونے دے گا، اب جو ہوگا، صرف اچھا ہی ہوگا۔

☆☆☆

یوں تو صابرہ اور احمد کی ذہنی ہم آہنگی اور محبت سب کے لئے ہی مثالی تھی مگر جلال ان دونوں سے بے حد متاثر تھا، اسے صابرہ آپا کا یوں حصول علم کے لئے کوشش کرنا اور ماں جی سمیت احمد دین کا محبت بھرا حوصلہ افزا رویہ بہت پسند تھا، وہ اکثر شاکرہ سے ان سب کی تعریفیں کرتا پایا جاتا تھا اور اس خواہش کا برملا اظہار بھی کرتا کہ اس کے بچے بھی اپنی خالہ اور خالو کی عادات و خصائل ورثے میں لیں۔

اور پھر جیسے ہی اللہ نے صابرہ کی جھولی میں اپنی نعمت اور رحمت ایک ساتھ ڈالی ہر سو خوشی کی لہر سی دوڑ گئی، ماں جی نے جیسے ہی اس خوبصورت دودھ، میدے اور سیندور سے گندھی روشن پیشانی والی پوتی کی صورت دیکھی، بے ساختہ نور، رب کا نور، آنکھوں کا نور، کہہ اٹھیں اور یوں وہ نور العین کے نام سے جانی جانے لگی، جبکہ اس کے جڑواں بھائی کا نام شاکرہ نے اپنے بیٹوں نبیل اور شرجیل سے ملا کر جمیل رکھ دیا۔

وقت اپنی مخصوص رفتار سے بھاگتا چلا جا رہا تھا، ایسے بھگوڑے گھوڑے کی طرح جسے صرف آگے ہی آگے جانے کی لگن لگی ہو، پیچھے کا راستہ نہ وہ یاد رکھتا ہے اور نہ ہی اسے اس کی ضرورت

ہوتی ہے اس دوڑتے بھاگتے وقت نے اپنے پیچھے بہت کچھ بدل ڈالا تھا، سب کی زندگیوں اور حالات میں بہت سی تبدیلیاں وقوع پذیر ہو گئی تھیں، شاکرہ اور جلال اپنے بچوں کے بہتر مستقبل اور ان کی تعلیم کے لئے فکر مند رہتے تھے، وقت نے ان کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ بھی صابرہ کی طرح گاؤں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ شہر آن بسے، جلال جو پہلے ہی سبزی منڈی کام کے سلسلے میں آتا رہتا تھا اور اس کی بیوپاریوں سے اچھی خاصی سلام دعا تھی، ان ہی کے ایما اور احمد کے مشورے پر وہ بھی سبزی منڈی میں آڑھت بنانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر کچھ اس کی دن رات کی محنت ایمانداری اور کچھ اللہ کا اس پر خاص فضل کہ جلد ہی اس کا شمار اچھے اور منجھے ہوئے کاروباری لوگوں میں ہونے لگا، بچے بھی اس نے اچھے اسکولوں میں داخل کروا دیئے تھے اور اب تو نور اور جمیل بھی سکول جانے لگے تھے وہ دادی کے بے حد لاڈلے اور چہیتے تھے، دادی بھی ان کے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں، نانا نانی تو عرصہ ہوا داغ مفارقت دے چکے تھے۔

نور اور جمیل کی دوسری سالگرہ تھی سالگرہ پر شاکرہ اور جلال کو بھی آنا تھا مگر عین وقت پر شرجیل سیڑھی سے پھسل کر چوٹ لگوا بیٹھا جس کی وجہ سے اماں بابا اکیلے ہی شہر جانے والی بس پر سوار ہو گئے، مگر وہ جہاں جانے کے لئے نکلے تھے وہاں تو پہنچ ہی نہ پائے، البتہ اپنی حقیقی منزل کی طرف روانہ ہو گئے، راستے میں پیش آنے والے حادثے نے ان سمیت کئی گھروں کے چراغ گل کر ڈالے تھے، مگر کیا کہا جا سکتا تھا کہ یہ ہی مشیت ایزدی تھی، تقدیر کا لکھا اور بھلا تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے، ان کے حادثے کی خبر جیسے ہی گاؤں اور احمد دین کے ہاں پہنچی کہرام مچ گیا، مگر وہ لوگ جسے قیامت سمجھ رہے تھے وہ تو شاید ایک جھلک ہی تھی، کیونکہ اصل قیامت تو انہیں ملنے کے لئے گاؤں میں تیار بیٹھی تھی، ادھر اماں بابا کو آخری آرام گاہ تک پہنچایا گیا، ادھر ان کے تایا اور ان کے بیٹے اسلحہ لئے انہیں گاؤں بدر کرنے آن موجود ہوئے۔

"مگر تایا جان ایسے کیسے ہم گاؤں چھوڑ کر چلے جائیں، ہمارے والدین کی آخری آرام گاہیں ہیں یہاں، ہم فاتحہ پڑھنے دعا کرنے آنا چاہیں اپنے باپ دادا کی قبروں پر تو......تو......؟"

"کون سی دعا؟ کیسی فاتحہ خوانی، تم لوگ قاتل ہو میرے بھائی بھاوج کے، نہ وہ شہر جاتے اور نہ ہی اس حادثے کا شکار ہوتے، اب یہ ہی ہمارا آخری فیصلہ ہے، تم اپنے شوہر ساس اور بچوں کے لے کر فوراً یہاں سے چلی جاؤ، اب تک تو میں نے اپنے بیٹوں کو روک رکھا ہے، مگر اس کے بعد نتیجے کی ذمہ دار تم خود ہو گی اور ہاں آئندہ ادھر کا رخ بھول کر بھی نہ کرنا، تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی ادھر آنے کی جرأت نہیں کرے گا، یاد رکھنا ہمیشہ۔"

تایا نے صابرہ کی بات سختی سے کاٹ کر انہیں فوری طور پر گاؤں چھوڑنے کا حکم صادر کر دیا تھا اور ویسے تو شاید صابرہ کبھی نہ مانتی اور ضد میں آ جاتی، مگر شاکرہ بھی تو اس کے سامنے آنسو بھری آنکھوں اور بندھے ہاتھوں کے ساتھ کھڑی تایا ہی کی بات دہرا رہی تھی، اس کے اس طرح گریہ وزاری کرنے سے احمد اور ماں جی کا ماتھا ٹھنکا تھا اور پھر جلد ہی انہیں احساس ہوا کہ وہ اگر واقعی فوری طور پر وہاں سے نہ نکلے تو مزید کسی بڑی گڑبڑ کا شکار ہو جائیں گے، کیونکہ قبرستان تک تو جلال اور نبیل ان کے ساتھ تھے مگر اب......اب وہ کہیں نظر نہیں آ رہے تھے اور پھر شاکرہ کا زرد

کانپتا لرزتا وجود بہت سی ان کہی کہانیاں سنا رہا تھا، سو وہ وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے بمشکل روتی بلکتی صابرہ کو وہاں سے نکال لائے اور پھر مزید چند دن کے بعد ہی جلال اور شاکرہ بھی اپنا سب کچھ اونے پونے بیچ باچ شہر آن بسے۔

☆☆☆

اداس آنکھوں سے آنسو نہیں نکلتے ہیں
یہ موتیوں کی طرح سیپیوں میں پلتے ہیں
میں شاہراہ نہیں راستے کا پتھر ہوں
یہاں شہ سوار بھی اتر کر چلتے ہیں

"بھائی ہم کہاں جا رہے ہیں اور کتنی دور جانا ہے ابھی ہمیں، میں اب تھک گئی ہوں بھائی، مجھ سے اور نہیں چلا جا رہا۔" اس سیاہ اندھیری رات میں اس سنسان پڑی سیاہ تارکول کی سڑک کے کنارے وہ دونوں جانے کب سے چلتے چلے جا رہے تھے، جس عقوبت خانے کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے تھے، وہ اب بہت پیچھے رہ گیا تھا، مگر زارا اب واقعی بری طرح سے تھک چکی تھی، اتنے ماہ کی ذہنی اور جسمانی اذیتیں سہتی سہتی وہ غریب تو ویسے ہی بے دم ہوئی جا رہی تھی اور اب اس پر کئی گھنٹوں سے جاری رہنے والا یہ پیدل سفر۔

"بس تھوڑے دور اور میری بہنا، اٹھو اب یہاں بیٹھے رہے تو کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آ جائے گی۔" حماد نے اسے پچکارتے ہوئے اٹھانے کی کوشش کی مگر چاہ کر بھی زارا سے اٹھا نہ گیا، اتنے میں ان کے نزدیک ایک آٹو رکشہ آ رکا تو وہ دونوں ڈر گئے اور خوفزدہ نظروں سے رکشے کو دیکھنے لگے، اتنے میں رکشہ سے باریش نورانی چہرے والے رکشہ ڈرائیور باہر آئے۔

"کیا ہوا بیٹا؟ آپ لوگ اس وقت اس طرح سے یہاں کیوں بیٹھے ہو، راستہ بھول گئے ہو یا گھر والوں سے بچھڑ گئے ہو۔" انہوں نے دونوں کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تو ان کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں۔

"وہ......وہ انکل جی ہماری ممی کھو گئی ہیں، ہم ان کو ڈھونڈ رہے ہیں مگر یہ زارا ہے ناں، میری چھوٹی بہن، یہ تھک گئی ہے، اس سے چلا نہیں جا رہا اس لئے ہم ذرا سانس لینے کے لئے ادھر بیٹھ گئے۔" حماد نے آزردہ لہجے میں کہا تو نیک دل رکشہ ڈرائیور کو ان پر بڑا ترس آیا۔

"چلو بیٹا، میں تمہیں تمہاری ممی کے پاس چھوڑ دیتا ہوں، کیا تمہیں اپنے گھر کا راستہ یاد ہے۔" ڈرائیور انکل نے زارا کو اٹھاتے ہوئے پوچھا تو گھر کے ذکر پر دونوں خوفزدہ ہو گئے۔

"نہیں......نہیں انکل ہم چلے جائیں گے، آپ کا بہت شکریہ۔" حماد نے جلدی سے کہا اور زارا کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھنے لگا، مگر ڈرائیور نے پھر ان کا راستہ روک لیا۔

"دیکھو بیٹے اس وقت رات کے نو بج رہے ہیں، موسم بھی خراب ہے اور بارش بھی ہو رہی ہے اور آگے تو راستہ اور زیادہ سنسان ہے، تم لوگوں کو کوئی نہ کوئی خطرہ ضرور پیش آ جائے گا، مجھ پہ بھروسہ کرو بیٹا، میں تم لوگوں کو اس طرح اس حالت میں نہیں چھوڑ سکتا، چلو میرے بچو، چلو میرے ساتھ جہاں آپ لوگ کہو گے میں وہیں آپ کو چھوڑ دوں گا، تمہیں محفوظ ہاتھوں میں پہنچا دوں تو پھر میری ذمہ داری ختم، ٹھیک ہے بیٹا۔" انہوں نے بڑے پیار سے دونوں کو باری باری اٹھا کر رکشہ میں بٹھاتے ہوئے کہا اور کوئی بھی جواب سنے بغیر رکشہ اسٹارٹ کر دیا۔

"اب بتاؤ بیٹا، کدھر جانا ہے آپ کو۔" انہوں نے حماد سے پوچھا تو اس نے انہیں اپنے سکول کا نام بتا دیا۔

"سویٹ ڈریمز، وہ جو اقبال ٹاؤن میں

ہے؟" ان کے پوچھنے پر حماد نے سر ہلا دیا۔

"بیٹا وہ تو یہاں سے بہت دور ہے، اگر تم لوگ ایسے ہی پیدل چلتے رہتے تو شاید چار پانچ گھنٹے اور لگ جاتے تمہیں، وہاں تک پہنچنے میں۔" انکل کی زبانی فاصلے کی طوالت کا سن کر وہ دونوں پھر پریشان ہو گئے تھے اور پھر وہ سارا راستہ وہ ایک دوسرے سے چپکے باہر بھاگتے دوڑتے درخت اور جلتی بجھتی سٹریٹ لائٹس کو دیکھتے رہے، دل میں کہیں خوف بھی تھا کہ جانے یہ انکل انہیں سکول لے جاتے بھی ہیں یا نہیں، مگر اطمینان اس وقت ہوا جب رکشہ ان کے سکول کے آگے جا رکا۔

"لو بیٹا آ گیا آپ کا سکول، اب بتاؤ کہاں جانا ہے آگے؟" انہوں نے مڑ کر ایک بار پھر حماد سے پوچھا تو وہ اچھل کر رکشے سے باہر آ گیا اور جا کر اسکول کے گیٹ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"ہم سکول سے نکلتے تھے تو ممی ادھر رائٹ طرف چلتی تھی اور آگے جا کر رائٹ ٹرن لیتی تھی اور پھر وہاں سے فورتھ والا گھر خالہ کا تھا، جی انکل بالکل ایسا ہی تھا، یہاں سے رائٹ ٹرن اور فورتھ والا گھر؟" حماد نے جوش سے کہا تو انکل نے پھر اسے رکشے میں بٹھایا اور رکشہ چلا دیا، اگلے موڑ سے ٹرن لے کر چوتھی کوٹھی کے آگے جا رکشہ روکا۔

"دیکھو بیٹا، یہ ہی ہے ناں تمہاری خالہ کا گھر، اچھی طرح دیکھ لو۔" انہوں نے کہا تو وہ دونوں باہر آ گئے۔

"جی انکل، یہ ہی ہے، آپ کا بہت بہت شکریہ انکل، آپ بہت اچھے ہیں۔" ان دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور انکل کو عجیب سا احساس ہو رہا تھا، ڈور بیل بار بار بجانے پر پندرہ سولہ لڑکا باہر آیا تھا۔

"جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟" اس نے اپنے سامنے کھڑے باریش بزرگ اور دونوں بچوں سے پوچھا تو حماد جلدی سے آگے بڑھا۔

"بھیا یہ آمنہ خالہ کا ہی گھر ہے ناں، ہمیں خالہ سے ملنا ہے۔"

"ہاں یہ ہمارا ہی گھر ہے اور آمنہ میری امی کا نام ہے، آپ کون ہیں؟" اس نے ناک سے پھسلتے چشمے کو پیچھے دھکیلتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہے اسد، کون آیا ہے اس وقت اور تم کیا ہر کسی سے باتیں بھگارنے بیٹھ جاتے ہو، آج کل حالات کتنے خراب ہیں کچھ اندازہ ہے تمہیں۔" نماز کے انداز میں دوپٹہ لپیٹے آمنہ خالہ بولتی بولتی باہر آ گئیں، مگر اگلہ جملہ ادھورا ہی رہ گیا، اپنے سامنے ردی حالت میں حماد اور زارا کو دیکھ کر بے ساختہ ان کی چیخ نکل گئی۔

"حماد، زارا میرے بچے یہ کیا حالت ہو گئی ہے تم لوگوں کی اور اس وقت کیسے، کس کے ساتھ آئے ہو جان، آپ لوگ ٹھیک تو ہو ناں۔" وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی دونوں کو ایک ساتھ بانہوں میں بھینچے رو پڑی تھیں۔

"بیٹا یہ دونوں بچے نہر کے کنارے سڑک پر اکیلے بیٹھے تھے، میں ادھر سے گزر رہا تھا تو یہ مجھے نظر آئے، ان کی حالت دیکھ کر میرا کلیجہ ہل گیا، میں بھی بال بچوں والا ہوں بیٹا، میرے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ میں ان کو اس طرح اکیلا بے یار و مددگار چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤں، میں نے ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور شکر ہے اس رب کی ذات کا جس نے مجھے یہ توفیق دی کہ میں ان معصوموں کو آپ تک پہنچا سکا، اب آپ جانیں اور یہ بچے میرا ذمہ ختم، مجھے اب اجازت دیں، رب راکھا۔" اور آمنہ اور ان کے شوہر کے بہت روکنے پر بھی وہ نہ رکے اور بغیر کچھ لئے رکشہ

اڑاتے رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

☆☆☆

ماہ رمضان اپنی فضیلتوں اور برکتوں کے خزانے لٹاتا سبک خرامی سے گزرتا جا رہا تھا، عینی بھی اپنے فگار دامن کو پھیلائے دن رات اپنے رب سے کرم کی بھیک مانگتی رہتی تھی، اس دن اکیسویں رات تھی، خالہ اور بھابھی کے ساتھ وہ بھی رات بھر جھولی پھیلائے، دعائیں مانگتی رہی تھی اور اس وقت سحری اور فجر کی نماز کے بعد وہ ایسے ہی برستی آنکھوں کے ساتھ تسبیح پڑھ رہی تھی کہ اچانک باہر شور بلند ہوا۔

"عینی...... عینی کہاں ہو تم، دیکھو تو کون آیا ہے عینی، باہر تو آؤ ذرا، عینی آپا، آ بھی جائیں ناں۔" اس وقت کی خاموشی اور پرسکون سناٹے کو توڑنے والی ان پرجوش اور خوشی بھری آوازوں کو سن کر وہ ہڑبڑا گئی اور بے ساختہ ننگے پاؤں باہر دوڑی، مگر یہ کیا جو اسے دکھائی دے رہا تھا کیا وہ حقیقت تھی یا سراب، وہ اس کے سامنے تھے، اتنے قریب کہ ہاتھ بڑھا کر انہیں چھو سکتی تھی وہ مگر یہ بے یقینی یہ خوف کہ کہیں پھر سے کچھ ہو نہ جائے، اس کے پاؤں جکڑے ہوئے تھا۔

"عینی بیٹا دیکھو تو کون آیا ہے، تمہاری دعائیں رب رحیم نے سن لی بیٹا، میں کہتی تھی ناں سب اللہ پر چھوڑ دو اور پھر دیکھو وہ تمہیں ہاتھ تھام کر کیسے ان مصائب سے نکالتا ہے، عینی بیٹا دیکھو ذرا، اس کی شان رحیمی، اس رحمتوں، فضیلتوں اور برکتوں بھرے ماہ مقدس میں کیسے اس نے تمہاری جھولی اپنی رحمتوں اور برکتوں سے بھر دی۔" خالہ جان نے اسے سینے سے لگائے روتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور وہ اس بے پایاں خوشی کو سنبھال ہی نہ سکی، وہیں کھڑے کھڑے خالہ جان کی بانہوں میں جھول گئی اور وہ آنے والے اسے یوں ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتے دیکھ کر اور زیادہ حواس باختہ ہو گئے۔

☆☆☆

نور اور جمیل اپنی کلاس کے ذہین ترین طلبہ میں شمار ہوتے تھے، ان کے والدین ان کی تربیت پر خصوصی توجہ دے رہے تھے، ماں جی کو کہ بہت ضعیف ہو چکی تھیں مگر اپنے پوتے اور پوتی کو مکمل توجہ اور وقت دیتی تھیں وہ انہیں قرآن پاک پڑھاتیں، اچھے طور طریقے اور ادب و آداب سکھاتیں اور ہر روز شام کو انہیں قریبی پارک لے جاتیں، جہاں وہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتے کودتے اور وہ خود اپنی ہم عمر خواتین کے ساتھ گپ شپ لگا لیتیں۔

اس روز بھی معمول کے مطابق وہ ان دونوں کو تیار ہونے کا کہہ کر خود عصر کی نماز ادا کرنے لگیں، نماز سے فراغت کے بعد جب وہ لوگ چلنے لگے تو نور کا موڈ تبدیل ہو گیا، اس نے بڑی شائستگی سے ان سے معذرت کر لی تو وہ جمیل کے ساتھ ہی نکل پڑیں کہ اس کا کرکٹ میچ تھا اور وہ پارک جانے کے لئے بضد تھا، مگر کاش کہ جمیل ضد نہ کرتا یا پھر وہ ہی اس کی بات نہ مانتیں، مگر ایسا کیسے ہو سکتا تھا بھلا، ہونی تو ہو کر رہتی ہے، بھلا ہونی کو بھی کبھی کوئی ٹال سکا ہے، وہ دونوں دادی پوتا جیسے ہی پارک کے سامنے والی سڑک پار کر کے دوسری طرف جانے لگے خالی پڑی سڑک پر جانے کہاں سے اینٹوں بھرا ٹرک تیز رفتاری سے آیا اور ان دونوں کو زور دار ٹکر سے اڑاتا ہوا دوسری طرف غائب ہو گیا، پارک میں اس وقت عورتوں بچوں کی تعداد زیادہ تھی، وہ اس حادثے کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف شور مچ گیا، جمیل کے دوست پھولی سانسوں اور خوف زدہ چہروں کے ساتھ صابرہ کی

طرف دوڑے تھے اور جیسے ہی انہیں اس المناک حادثے کی اطلاع ملی، وہ دوڑتی جائے حادثہ پر پہنچی، مگر سب ختم ہو چکا تھا، نہ تو اس کی ماں جی بچی تھیں اور نہ ہی اس کا لاڈلا بچہ، ان دونوں کے زخمی لہولہو وجود دیکھ کر وہ غش کھا کر گری تھی اور پھر کیسے ان لوگوں کو گھر لایا گیا اور کب انہیں ان کے ابدی سفر پر روانہ کیا گیا، اسے کچھ خبر نہ ہوئی، وہ جیسے ہی ہوش میں آتی پھر غش کھا کر گر جاتی، اس کی ذہنی حالت بے حد مخدوش ہو چکی تھی، ڈاکٹر نے اسے نیند کا انجکشن لگا دیا تھا، اس حادثے نے یوں تو سب پر ہی برے اثرات چھوڑے تھے، مگر صابرہ کی حالت بے حد ناگفتہ بہ ہو گئی تھی اور اسے سنبھلنے میں کافی عرصہ لگا، اس مشکل اور غم کی گھڑیوں میں جلال اور شاکرہ نے ان کا بے حد ساتھ دیا تھا کہ اب ان کا ایک دوسرے کے علاوہ اور تھا ہی کون، کافی عرصہ صدمے کے زیر اثر رہنے کے بعد جب صابرہ نارمل ہونے لگی تو نور کے معاملے میں بے حد حساس ہو چکی تھی، وہ اسے ایک پل کے لئے بھی خود سے جدا نہ کرتی تھی، جانے کیسے کیسے خدشات اس کی جان کو چمٹے رہتے تھے ور اس کے یہ خدشات احمد کو بھی پریشان کرتے تھے۔

پھر وقت کیسے پر لگا کر اڑا انہیں خبر ہی نہ ہوئی، نور کے بی سی کلیر کرتے کرتے، نبیل، شرجیل اور منی کی شادیاں ہو چکی تھیں اور سب سے چھوٹا بھی کالج جانے لگا تھا، شاکرہ کا تو بہت دل چاہتا تھا کہ شرجیل کے لئے نور کا ہاتھ مانگ لے، مگر شرجیل نے سختی سے منع کر دیا کیونکہ وہ نور کو شروع سے ہی منی کی طرح بہن ہی سمجھتا آیا تھا اور پھر ویسے بھی وہ اپنی تایازاد سے شادی کرنا چاہتا تھا لہٰذا شاکرہ اور جلال نے زیادہ اصرار نہ کیا۔

جیسے ہی نور کا رزلٹ آیا اس کے لئے آنے والے رشتوں کی لائن لگ گئی، ان ہی تابڑ توڑ آنے والے رشتوں میں ایک رشتہ صابرہ کو بہت پسند آیا، لڑکا سرکاری محکمے میں بہت اچھی پوسٹ پر تھا، دیکھنے میں بھی بے حد وجیہہ و شکیل تھا، فیملی کے نام پر اس کے صرف والد ہی تھے اور وہ بھی دوبئی میں مقیم تھے کہ ان کا کاروبار پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا، احمد دین کو اکیلے گھر میں بیٹی دینے میں تامل تھا، مگر صابرہ نے انہیں دلائل دے کر منا ہی لیا، (وہ ہی دلائل جو اسے رشتے والی خالہ نے دیئے تھے) اور ویسے بھی جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں، زمین پر تو ان کا ملن ہوتا ہے، سو نور اور ابرار کا ملن بھی طے شدہ ہی تھا اور تو قسمت کے کھیل ہوتے ہیں، تقدیر کا لکھا جو مٹایا نہیں جا سکتا مقدر کے فیصلے جو تبدیل نہیں ہوتے اور نہ ہی ان سے بھاگا جا سکتا ہے، سو ماننا پڑا سب کو کہ ان کی قسمت میں ملنا اور آناً فاناً ملنا ہی لکھا تھا۔

☆☆☆

احمد دین اور صابرہ کو اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی یوں آناً فاناً کرنے کا نہ تو کوئی شوق تھا اور نہ ہی ضرورت اور پھر ویسے بھی جلال اور شاکرہ بھی یہاں نہیں تھے کہ وہ ان سے ہی مشورہ کر لیتے، وہ پوری فیملی شرجیل اور حمنی کے پاس سعودیہ گئے ہوئے تھے، شرجیل کے بیٹے کو دیکھنے اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے، ادھر قبل اس کے کہ احمد دین کوئی تحقیق یا چھان پھٹک کرتے، صابرہ جو جمیل اور ماں جی کی جدائی کے بعد سے بیمار رہنے لگی تھیں اور ان کا دل بے حد کمزور ہو چکا تھا، بیٹھے بٹھائے انہیں دھوکہ دے گیا اور وہ میجر ہارٹ اٹیک کا شکار ہو کر ہاسپٹل جا پہنچی، بروقت ملنے والی طبی امداد سے اس کی حالت سنبھل گئی، مگر ایک انجانا سا خوف ان کی

رگ و پے میں سرایت کر گیا اور پھر اسی خوف کے پیش نظر وہ ہو گیا جو شاید عام حالات میں کبھی نہ ہوتا، ابرار کے والد بھی کاروباری مصروفیات کی وجہ سے ابھی تک پاکستان نہ آ سکے تھے، ہاں فون پر بات ضرور ہو جاتی تھی، ادھر یہ لوگ بھی صابرہ کی بیماری کی وجہ سے زیادہ تردد نہ کر سکے اور یوں ابرار اور اس کے والد کی مراد بر آئی اور جلدی میں شادی کر دی گئی۔

شاکرہ اور جلال کو جب نور کی شادی کا علم ہوا تو انہیں بے حد غصہ آیا اور صدمہ بھی ہوا، مگر جب سارے حالات کا انہیں علم ہوا تو وہ زیادہ دیر اپنے غصے پر قائم نہ رہ سکے اور ڈھیر سارے قیمتی تحائف اور ڈھیروں دلی دعائیں اور نیک تمنائیں بھجوائیں، لیکن اللہ نے شاید ان کی دعائیں کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھیں تھیں، جبھی تو لگتا تھا کہ نور کو کسی کی دعا لگی ہی نہیں، اسے تو یاد بھی نہ آ رہا تھا کہ اس کے والدین یا اس نے کبھی کسی کا دل دکھایا ہو، پھر بھی اس کی آنے والی زندگی کیسی گزرنے والی تھی، یہ اسے شادی کی پہلی رات ہی نظر آ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنا دامن دعاؤں کے پھولوں سے بھرے، آنکھوں میں نئی زندگی کے ڈھیر سارے سپنے لئے اسے۔ سجے سجائے خوبصورت گھر میں اپنے خوبرو اور اسمارٹ جیون ساتھی کے ہمراہ داخل ہوئی تھی، ابرار کے رشتے دار تو تھے نہیں، اس کا استقبال اس کے دوستوں اور ان کی وائف نے کیا تھا اور تھوڑی دیر ان کا ساتھ دینے کے بعد وہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے، مہمانوں کے چلے جانے کے بعد ہر سو سناٹا پھیل گیا تھا، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ فوراً اس کے پاس چلا آتا مگر ہوا اس کے بالکل الٹ، وہ جو دھڑکتے

دل پر ہاتھ رکھے اس کا انتظار کر رہی تھی، اس کا انتظار، انتظار ہی رہا، آدھی رات گزرنے کے بعد جب وہ کمرے میں آیا تو جانے کیوں وہ اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں، ماتھے پر سلوٹوں کا جال تھا اور انداز میں خشونت اور وحشت بھری تھی وہ اپنے مجازی خدا کا یہ روپ دیکھ کر کانپ کر رہ گئی، اس جیسی نازک اور کومل لڑکی کے لئے یہ سب بہت ڈراؤنا تھا۔

ابرار نے آتے ہی زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا اور بیڈ سے قدرے فاصلے پر کھڑا دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے گھورنے لگا، نور اس کا انتظار کرتے کرتے اب تھکنے لگی تھی، مگر ابرار کی اس قدر جارحانہ آواز نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا، وہ بے یقینی سے اس کی شکل دیکھنے لگی تھی، یہ ابرار وہ ابرار تو نہ تھا جس کی تصویر امی نے دکھائی تھی اور جس کی تعریفیں ابو کرتے تھے، یہ تو کوئی اور ہی ابرار تھا، مغرور، بک چڑھا، خود پسند اور ظالم، وہ تھوڑی دیر تو اسے گھورتا رہا، پھر قدم قدم اس کی طرف بڑھا اور قریب آ کر بیڈ کے کنارے پاؤں ٹکاتا اس پر جھکا اور انگلی سے اس کی تھوڑی اوپر اٹھائی، دونوں کے چہروں کے درمیان فاصلہ بہت کم تھا۔

''اچھا تو تم ہو نور العین احمد دین، میرے بابا کے سب سے بڑے دشمن احمد دین کی سب سے بڑی کمزوری، اب مزہ آئے گا، بڑا تڑپایا ہے بابا کو تمہارے ان بھگوڑے والدین نے، چھوڑوں گا نہیں تم لوگوں کو، کبھی نہیں۔'' اس نے ایک جھٹکے سے نور کا زرتار دوپٹہ کھینچا جو پارلر والی نے پنوں کے ساتھ سیٹ کیا تھا، بھاری کامدار نازک دوپٹہ یہ زوردار جھٹکا سہہ نہ سکا اور پھٹتا چلا گیا، نور اپنے شگنوں بھرے دوپٹے کا یہ حشر دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

اور پھر یہ حال صرف اس کے دوپٹے کا ہی نہیں ہوا تھا، اس کے ارمان اس کے خواب اس کی امیدیں کچھ اس طرح ٹوٹیں کہ وہ سکتے میں آ گئی، وہ رات اس کے لئے خوابوں کے در کیا وا کرتی وہ رات تو اس کے لئے عذابوں کی سوغات لے کر آئی تھی، اتنی توہین، اتنی ذلت، شاید ہی کسی دلہن کے حصے میں آئی ہو گی جو اس معصوم کو ملی تھی، وہ اس رات میں پل پل مری اور مرمر کے جیئی، مگر اسے آہ کرنے کی اجازت نہ تھی، زبردست مارے اور رونے بھی نہ دے اس کے ساتھ بالکل ایسا ہی ہو رہا تھا، وہ چیخنا چاہتی تھی، چلانا چاہتی تھی، اس خوبصورت سجے سجائے جہنم سے بھاگ جانا چاہتی تھی، مگر بے سود، وہ چاہ کر بھی ایسا کچھ نہ کر پا رہی تھی، بلکہ کر سکتی ہی نہ تھی کہ اس کی لب گور ماں، اس کا شفیق اور ضعیف باپ اس کی آنکھوں کے سامنے آتے رہے اور وہ...... وہ گھل گھل مرتی رہی۔

اگلے روز ایک مقامی ہوٹل میں اس کی شاندار دعوت ولیمہ تھی، مگر اس کی ماں کے دل کے تار اس کی روح کے ساتھ جڑے تھے شاید جو بغیر کسی کے بتائے ہی اس پر پڑنے والی افتاد سے باخبر ہو گئیں اور صبح کاذب انہیں ایک اور دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا اور وہ اپنی پیاری لاڈلی بیٹی کا دلہناپے کا روپ آنکھوں میں بسائے ہمیشہ کے لئے پلکیں موند گئیں، شاید ان کی محبت بڑی خود غرض تھی جو بیٹی کی خوشیاں اور سکون تو دیکھ سکتی تھیں، مگر بیٹی کے دل پر پڑنے والی دکھ کی پہلی چاپ سنتے ہی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر گئیں، نور العین پر دہرا عذاب اترا، ایک تو جان چھڑکنے والی ماں نہ رہی جس کی گود میں سر رکھ کر ہر غم، ہر دکھ بھلا سکتی تھی اور دوسرے جیون ساتھی ایسا ملا جس کی دہری شخصیت نے اسے نیم جان کر کے رکھ دیا، وہ تو ماں کی موت کا غم بھی نہ منا سکی تھی، اگلے روز ہی ابرار اسے ورلڈ ٹور پر لے گیا جو اس کے بابا نے ان دونوں کے لئے ارینج کیا تھا، کہنے کو تو وہ دونوں ورلڈ ٹور پر گئے تھے مگر یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ ابرار اسے اپنی ذاتی عقوبت خانے میں لے گیا تھا، جہاں وہ جس طرح چاہتا اس پر ظلم ڈھاتا، جیسی چاہتا اسے اذیتیں دیتا اور اس کا ہاتھ تھامنے والا کوئی نہ ہوتا۔

یہ اذیت کا جانے کون سا مقام تھا کہ وہ اس کے سامنے دنیا جہاں کی نعمتیں ڈھیر کر دیتا، انواع اقسام کے کھانوں سے میز سجا دیتا اور پھر بات ایسی کرتا کہ ہر چیز اس پر حرام ہو جاتی۔

"کھاؤ نور العین احمد دین کھاؤ یہ لذیذ کانٹی نینٹل اور انٹرنیشنل کھانے کھاؤ اور دعائیں دو مجھے اور میرے بابا کو کہ بھلے دشمنی میں ہی سہی، تمہیں یہ نعمتیں چکھنے کا موقع تو ملا، تمہارے تو باپ دادا نے بھی یہ آسائشات یہ نعمتیں کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہونگی، اے کھاؤ ناں کھاتی کیوں نہیں ہو، کھاؤ۔" اس کے سامنے ایک سے ایک خوش رنگ اور خوش ذائقہ پکوان ایک کے بعد ایک رکھتے ہوئے وہ اتنے مغرور اور ہتک آمیز انداز میں کہتا کہ وہ سکتے کے عالم میں بیٹھی کی بیٹھی رہ جاتی اور جب وہ اسی طرح ساکت بیٹھی آنسو بھری آنکھوں سے ان سب اشیاء کی طرف دیکھے چلے جاتی تو وہ اور بھڑک جاتا، زبردستی اس کے منہ میں نوالے ٹھونستا اور گالیوں کی بوچھاڑ میں اسے انہیں نگلنے پر مجبور کرتا اور جب وہ رو رو کر اس سے اپنا یا اپنے والدین کا قصور پوچھتی تو ایک چپ اس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیتی۔

☆☆☆

کچھ سال وہ اسے لئے شہر شہر پھرتا رہا، جانے اس کی جاب کیسی تھی اور وہ کیا کام کرتا تھا

کہ کسی جگہ ٹک کر دو چار سال سے زیادہ رہ ہی نہ پاتا تھا، شروع کے چند سال تو نور کے والد اور خالہ وغیرہ نے اس سے رابطہ کرنے کی سر توڑ کوشش کی تھی ان کا ماتھا تو ابرار کے والد کے آرگنائز کئے گئے ورلڈ ٹور پر ہی ٹھنکا تھا کہ وہ بہو کی ماں کی وفات کے باوجود اپنا پروگرام کینسل نہیں کر رہے تھے اور ولیمے کے چوتھے روز ہی وہ نور کو لے کر ورلڈ ٹور پر نکل گیا تھا، پھر اس دن کے بعد سے انہوں نے نور العین کو کبھی روبرو دیکھا ہی نہ تھا، احمد دین بے چارے تو اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کی جدائی اور گمشدگی سے نڈھال ہو چکے تھے۔

ان کے ساتھ ساتھ جلال الدین اور ان کے بیٹے بھی ابرار اور اس کے بابا سے رابطہ کرنے کی کوششیں کر کر ہارے تھے، مگر انہیں نہ ملنا تھا اور نہ ملے، بڑی مشکل سے ابرار سے رابطہ ہوا بھی تو نہ تو وہ خود ڈھنگ سے کسی سے بات کرتا اور نہ ہی عینی سے کسی کی بات کرواتا، ہمیشہ جھوٹ بول دیتا کہ وہ تو شاپنگ کرنے گئی ہے، یا وہ ابھی سو رہی ہے، آخر ایک دن تو جب اس نے نبیل کے بار بار استفسار کرنے پر صاف کہہ دیا۔

"نور العین آپ لوگوں سے اب نہیں ملنا چاہتی تو آپ بار بار فون کر کے کیوں پریشان کرتے ہیں اور جب وہ خود ہی آپ لوگوں سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتی تو میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔" اس کی اس بے سروپا بات پر نبیل کو طیش آ گیا اور اس نے اپنے ذرائع استعمال کر کے نور تک پہنچنے کی کوشش کی تو ابرار کی انا کو زبردست جھٹکا لگا، نبیل کے اس جرم کی پاداش میں اس نے نور کو اس قدر تشدد کا نشانہ بنایا کہ وہ کانچ کی گڑیا ٹوٹ کر بکھر گئی، وہ زخموں سے چور چور وجود اور ابرار سے چوری باپ سے بات کرنے پر مجبور ہو گئی، مگر یہ ادھوری ملاقات بھی کیسی ملاقات تھی کہ پھر اس ملنے کے پیچھے تو صدیوں کی جدائی چھپی تھی، نور نے جب روتے ہوئے فون پر باپ سے کہا۔

"ابو! آپ اپنا خیال رکھیے گا، مجھے بھول جائیں آپ لوگ اور میرے لئے دعا کریں، سمجھ لیں جمیل بھائی کے ساتھ آپ کی نور العین بھی دفن ہو گئی، اب کبھی واپس نہیں آئے گی، کبھی بھی نہیں، آپ کبھی بھول کر بھی مجھے ڈھونڈنے یا مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا، یہ آپ لوگوں کا مجھ پر آخری احسان ہو گا اور نبیل بھائی کو کہہ دیجئے گا کہ میں جس حال میں بھی ہوں بہت خوش ہوں میری فکر کرنے کی بجائے اپنے گھر کا خیال رکھیں، ابو میں......" دروازے پر کھٹکے کی آواز سے اس نے جلدی سے ڈر کر فون کاٹ دیا۔

یہ اس کی اپنے جان سے پیارے باپ سے شادی کے بعد پہلی اور آخری بات تھی، کیونکہ اس کے بعد تو وہ کچھ بھی کہنے سننے کے لئے زندہ رہے ہی نہ تھے، اپنی بیٹی کی بے چارگی اور مجبوری انہوں نے اس کے لہجے سے محسوس کر لی تھی، اس کے دکھ نے ان کے دل پر ایسا وار کیا کہ وہ دھڑکنا ہی بھول گیا اور وہ وہیں کھڑے قد سے جا گرے، جلال اور نبیل انہیں پکڑتے ہی رہ گئے، مگر ان پر فالج اور برین ہیمرج کا اٹیک بیک وقت ہوا اور وہ ہاسپٹل لے جاتے ہوئے راستے میں ہی دم توڑ گئے۔

احمد دین کی جدائی کی خبر ابرار نے نور العین کو بڑے چہکتے ہوئے انداز میں دی تھی، وہ اس وقت ننھے حماد کو فیڈر کروا رہی تھی، یہ جانکاہ خبر سنتے ہی وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی، حماد پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور وہ لڑھک کر نیچے کارپٹ پر جا گرا، کارپٹ کی وجہ سے وہ چوٹ سے تو بچ گیا مگر ڈر کر جو اس نے رونا شروع کیا تو ابرار کا

سارا مزہ کرکرا ہو گیا، وہ تو بہت جوش کے ساتھ آیا تھا کہ آج نورالعین احمد دین کو اتنا رلائے گا، اتنا تڑپائے گا کہ وہ مرنے کی دعائیں مانگے گی، مگر وہ اسے مرنے بھی نہیں دے گا اور پھر اس نے ایسا ہی کیا، ہوش میں آنے کے بعد اس نے حماد کو گرانے کی سزا کے طور پر بے حد مارا تھا اتنے وحشیانہ انداز میں مارا کہ وہ باپ کا غم بھلائے اپنے زخموں کو دیکھتی رہ گئی۔

شادی کے اتنے سال گزرنے کے بعد بھی، دو بچوں کے بعد بھی وہ اس کی دھوپ چھاؤں جیسی شخصیت کو سمجھ ہی نہ پائی تھی، وہ خوش ہوتا تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے تحاشا خوش ہو جاتا، بہت اچھی اچھی باتیں کرتا، انہیں گھمانے پھرانے بھی لے جاتا اور پھر ایسے ہی گھومتے پھرتے کسی نہ کسی بات پر اس کا مزاج بگڑ جاتا اور نورالعین کی سانسیں رکنے لگتیں، وہ آنے والے وقت کے تصور سے ہی کانپنے لگتی اور اب تو اس کی خوشی کا انجام بھی ان تینوں کے لئے ہولناک عذاب سے کم نہ ہوتا۔

اسے تو آج تک یہ علم نہ ہو سکا کہ اس کے والدین کے ساتھ ان کی دشمنی کیا تھی، جتنا وہ اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کرتی اتنا ہی الجھ جاتی، وہ اب بھی اس کے والدین اور خالہ خالو کے بارے میں ایسی ایسی گوہر افشانیاں کرتا کہ اسے اپنے کانوں سے دھواں نکلتا محسوس ہوتا، رنگ زرد ہو جاتا، آنکھیں آنسوؤں سے لبریز اور جسم ہولے ہولے کانپنے لگتا، مگر اسے لب کھولنے یا آنسو بہانے کی اجازت نہ تھی، وہ بار بار پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پینے کی کوشش کرتی اور اس کی حالت دیکھ کر وہ قہقہے لگاتا اس کا مذاق اڑاتا اور اس کے والدین کی مزید تضحیک کرتا اور اگر کبھی غلطی سے اس کے آنسو چھلک ہی پڑتے تو اس کا پارہ آسمانوں کو چھونے لگتا۔

"کس منحوس عورت سے بابا نے میرا ماتھا پھوڑ ڈالا، ہر وقت ٹسوے ہی بہاتی رہتی ہے، پوری دنیا میں یہ حرافہ ہی رہ گئی تھی میرے لئے اچھا بھلا اپنی پسند سے شادی کر رہا تھا، لے کر بابا نے اپنے بدلے کی آگ میں مجھے بھی جھونک دیا، زہر لگتی ہو مجھے تم اور زہر لگتے ہیں یہ کیڑے مکوڑے جو تم جیسی منحوس عورت کے وجود کے حصے ہیں۔" طیش کے عالم میں وہ انہیں شدید زدوکوب کرتا اور اول فول بکتا چلا جاتا، اس کی اس وحشیانہ مار دھاڑ سے ڈر کر حماد اور زارا ماں سے لپٹ جاتے، جس پر باپ کے تشدد کا نشانہ بنتے، پھر کبھی وہ ماں کو بچانے کے لئے اور کبھی ماں ان کو بچانے کے لئے مار کھاتے چلے جاتے اور ستم بالائے ستم اس کی دوہری شخصیت کا بھرم رکھنا بھی ان کی ہی ذمہ داری تھی، اول تو اس پوش ایریا میں دیوار سے دیوار ملی ہونے کے باوجود برابر والوں کو خبر نہیں ہوتی کہ ان کے پڑوس میں ہو کیا رہا ہے اور دوسرے اس نے اپنی وجاہت اور امارت کے بل بوتے پر سب اچھے کا بڑا پرفیکٹ تاثر قائم کر رکھا تھا اور اسی سلسلے میں زارا اور حماد کو شہر کے بہترین سکول میں داخل کروا رکھا تھا۔

☆☆☆

اور پھر ایک دن ان کے اسکول کے باہر نور کو آمنہ آپا ملیں وہ تو اسے اس طرح، اس جگہ اپنے سامنے دیکھ کر حق دق رہ گئیں اور یہی حال نور کا بھی تھا، اس دن پیرنٹس ٹیچرز میٹنگ تھی اور وہ ابرار کی نادیدہ مصروفیات کی وجہ سے اکیلی ہی آ گئی تھی ڈرائیور کے ساتھ، آمنہ آپا کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے خود پہ قابو پانا مشکل ہو گیا تھا، یہی حال آپا کا بھی تھا، وہ زبردستی اسے اپنے ساتھ

اپنے گھر لے گئیں، بچے بھی اس نئی آنٹی کو دیکھ کر حیران ہوتے جنہیں وہ آج سے پہلے تک جانتے نہ تھے، مگر وقت اور حالات نے انہیں سمجھدار بنا دیا تھا کہ وہ سب سمجھتے تھے، آپا سے مل کر وہ خوب روئی، اپنے جسم اور روح پر لگے زخم انہیں دکھائے، جانے کب تک وہ اسی طرح حزن و ملال میں ڈوبی رہتی کہ حماد نے اس کا شانہ ہلا کر اسے تیزی سے گزرتے وقت کا احساس دلایا۔

"آپا میں...... میں چلتی ہوں اب، ڈرائیور آنے والا ہوگا، اس نے اگر ہمیں سکول گیٹ پر نہ دیکھا تو کہیں ابرار کو کال نہ کر دے، اگر اس ظالم کو بھنک بھی پڑ گئی کہ میں...... میں اپنوں سے ملی ہوں تو جانے وہ کیا کر ڈالے آپ...... آپ نہیں جانتی آپا وہ...... وہ بہت ظالم ہے...... وہ......"

"تم اتنا کیوں ڈرتی ہو اس سے عینی، ہے تو انسان ہی ناں، نعوذ باللہ خدا تو نہیں جو تمہاری اور ان معصوموں کی جان اس کے قبضے میں ہو، کیا ہو گیا ہے تمہیں عینی، تم اتنی بزدل کب سے ہو گئیں۔" آمنہ آپا دکھ کی شدت سے نڈھال ایکدم اس کی بات کاٹ کر بولیں تو وہ لرز کر رہ گئی۔

"نہیں آپا، آپ ان باپ بیٹے کو نہیں جانتی، ان کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں، بڑی دور تک پہنچ ہے ان کی، بہت زیادہ اختیار، بہت زیادہ پاور ہے ان کے پاس، ابرار تو ابرار اس کے تو بابا بھی جہاں جب جس کو چاہیں مروا دیتے ہیں پتا نہیں آپا ابو اور خالو لوگوں سے ان کیا دشمنی ہے جس کی سزا وہ مجھے دے رہے ہیں۔" وہ ایکبار پھر سے رو پڑی تھی اور اس کے لفظوں میں چھپی اذیت آمنہ کی رگیں کاٹ رہی تھی۔

"عینی میری جان! تم اکیلی نہیں ہو، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں اور پھر وہ رب جس کے قبضے میں سب کی جان ہے وہ بھلا اپنے مظلوم بندوں کو کیسے بے یار و مددگار چھوڑ سکتا ہے، حوصلہ کرو تم اور میں ابو اور بھائیوں کو انفارم......"

"نہیں نہیں آپا، بالکل نہیں، آپ کو قسم لگے آپا، اگر آپ نے میرے بارے میں کسی کو بتایا تو، آپا آپ نہیں جانتیں وہ مار ڈالیں گے وہ سب کو مار ڈالیں گے، اپنے والدین، دادی اور بھائی کو تو کھو چکی ہوں اب اور کسی کی دائمی جدائی برداشت نہیں کر پاؤں گی، آپا نہیں ہرگز نہیں آپ وعدہ کریں، وعدہ کریں میرے ساتھ کہ آپ کسی سے ذکر نہیں کریں گی، وعدہ کریں آپا ورنہ میرا دم نکل جائے گا، آپا پلیز۔" اور اس کی اس قدر ردی حالت دیکھ کر آمنہ کو اس سے وعدہ کرنا ہی پڑا کہ وہ اس راز کو راز ہی رکھیں گی۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ ذہنی پامالی کی کس سطح پر تھی، وہ اپنے سائے سے بھی ڈر رہی تھی اور اس کی اس ذہنی ابتری کے پیچھے سراسر ابرار اور اس کے بابا کا ہاتھ تھا، مگر آمنہ چاہ کر بھی اس کی مدد نہ کر سکی کہ عینی نے اسے صاف صاف بتا دیا تھا کہ اب اگر ابرار کو کسی بھی وجہ سے ہلکا سا بھی شک پڑ گیا تو وہ اسے ہمیشہ کے لئے ایسی جگہ لے جائے گا جہاں پھر وہ لوگ کبھی نہ پہنچ پائیں گے اور یہی خوف آمنہ کی زبان کو بھی بند کر گیا، عینی کے لئے آپا کا وجود ایک ایسے روزن کی طرح تھا جس کے ذریعے وہ اپنی ذات میں موجود گھٹن اور حبس کو ذرا کم کر سکتی تھی، ان سے مل کر ہلکا حال احوال جان کر اپنے دکھی دل پر تسلی کے پھاہے رکھ لیتی کہ چلو اگر وہ تکلیف میں ہے تو اس کے پیارے تو اس کے سائے سے دور امان میں زندگی گزار رہے ہیں۔

آمنہ کو زارا اور حماد پر بڑا ترس آتا، باپ

کے ہوتے ہوئے بھی وہ اس کی شفقت اور محبت سے محروم اس کے ظلم و جبر کے سائے میں زندگی گزارنے پر مجبور تھے، اسے یہ معصوم وجود بہت پیارے تھے، مگر پھر وہی، وہ چاہ کر بھی ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی اور پھر ان کے لئے جو یہ روزن تقدیر کی عطا سے کھل گیا تھا، ایک زوردار جھٹکے سے بند ہو گیا اور وہ غریب کر بھی کیا سکتے تھے پھڑ پھڑانے سے سوا، سو پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

☆☆☆

اتنا ٹوٹا ہوں کہ چھونے سے بکھر جاؤں گا
اب اور آزماؤ گے تو مر جاؤں گا
ایک عارضی مسافر ہوں میں تیری کشتی میں
تو جہاں مجھ سے کہے گا میں اتر جاؤں گا

اس دن زارا اور حماد سکول سے واپس آئے تو زارا رو رہی تھی اور حماد اسے خاموش کروانے کی ناکام کوشش میں ہلکان ہوا جا رہا تھا۔

''کیا ہوا زارا! آپ رو کیوں رہی ہو جان، حماد آپ نے بہن کو تنگ کیا ہے؟ کیوں رو رہی ہے یہ اس طرح؟'' عینی نے گھبرا کر زارا کو ساتھ لگایا اور حیرت سے حماد کو دیکھنے لگی کہ وہ تو کبھی اسے تنگ نہیں کرتا تھا، ہمیشہ اس کا بہت خیال رکھتا تھا، سایہ بن کر چھوٹی بہن کے ساتھ ہی رہتا تھا پھر......؟

''نہیں ممی میں اپنی گڑیا کو کیسے تنگ کر سکتا ہوں بھلا، میں نے تو کچھ نہیں کہا اسے، ہاں اس کی کلاس فیلوز نے کھیل کھیل میں اس کے بالوں میں ببل لگا دی تو اتر ہی نہیں رہی تھی، تو اس کے رونے اور پریشان ہونے پر انہوں نے اس کے ببل والے بال ہی کاٹ دیئے تاکہ کسی کو پتا نہ چلے، مگر ممی اس کے بالوں کی شیپ خراب ہو گئی ہے ناں تو یہ اس لئے رو رہی ہے، میں تو اسے کہہ رہا ہوں کہ ممی کے ساتھ جا کر پارلر والی آنٹی سے کٹنگ کروا لینا، بالکل ٹھیک ہو جائیں گے، مگر یہ پھر بھی روئے ہی جا رہی ہے۔'' حماد نے معصومیت سے کہا تو وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

''دکھاؤ مجھے کہاں سے کاٹے ہیں بال ان شرارتی بچوں نے۔'' عینی نے زارا کے خوبصورت سلکی بالوں کو کھول کھول کر دیکھنا شروع کیا تو دھک سے رہ گئی، کئی جگہ سے لیٹیں اس طرح کاٹی گئیں تھیں کہ سر کی جلد صاف نظر آ رہی تھی اور کئی لیٹیں بالکل درمیان سے کاٹی گئیں تھیں، اس کے بالوں کا واقعی ستیاناس مار دیا تھا ان بچوں نے، زارا کے بال قدرتی طور پر لمبے گھنے اور خوبصورت تھے جنہیں وہ دو چوٹیوں میں باندھ کر رکھتی تھی اب جانے ببل کہاں کہاں اور کیسے لگی تھی کہ اس کے کمر تک آتے بال عجیب شکل اختیار کر گئے تھے، کچھ لمبے کچھ درمیانے اور کچھ بالکل چھوٹے، عینی سے اپنی بیٹی کے اتنے خوبصورت بالوں کا یہ حشر بالکل برداشت نہ ہوا اور وہ اسے گلے سے لگا کر رو پڑی۔

''میں کل خود آؤں گی آپ کے اسکول اور آپ کی پرنسپل صاحبہ سے شکایت کروں گی، جب تک ان بچوں کے والدین سے خود بات نہ کر لوں چین سے نہیں بیٹھوں گی، ان بچوں کو ضرور سزا دلواؤں گی، آپ بالکل پریشان نہ ہوں میری جان اور ابھی شام کو ہم اپنی گڑیا کو پارلر لے جائیں گے اچھا سا ہیر کٹ دلوائیں گے، تو ان کی شیپ بھی ٹھیک ہو جائے گی اور ہماری گڑیا کو نئی لک بھی ملے گی، ہے ناں حماد، یہ ٹھیک رہے گا ناں۔''

''بالکل ٹھیک رہے گا، جاؤ گی سہی تم اسے لے کر، لیکن اسکول اور پارلر نہیں، جہاں میں لے جاؤں گا وہیں اور کون سا نیا کٹ دلواؤ گی تم اس حرافہ کو، میں دیتا ہوں نیا ہیر کٹ اور نیا اسٹائل تم لوگوں کو۔'' اس سے قبل کہ حماد اس کی بات کا جواب دیتا، ابرار نے اچانک پیچھے سے آ کر زارا کا بازو اور عینی کے بال مٹھیوں میں، جھنجھوڑتے ہوئے کہا، اس کا چہرہ اور آنکھیں مارے طیش کے سرخ انگارہ ہو رہی تھیں، وہ اور بھی جانے کیا کیا کہتا رہا، مگر عینی کا دماغ سن ہو چکا تھا، وہ خالی خالی نگاہوں سے اس کے ہلتے ہونٹ اور چلتے ہاتھ دیکھ رہی تھی، نہ تو اسے اپنے جسم پر لگنے والی چوٹوں کا احساس ہو رہا تھا اور نہ ہی اس کا ذہن ان غلیظ گالیوں کو قبول کر رہا تھا، جو اسے اور اس کے بچوں کو دی جا رہی تھیں اور نہ ہی اسے ان کے رونے بلکنے کی آوازیں آ رہی تھیں، وہ بت بنی کھڑی اپنے سامنے ہونے والا تماشہ دیکھے جا رہی تھی۔

''سنا نہیں تم نے، دفع ہو جاؤ، ابھی چلو آگے لگو اور اس کی ٹنڈ کروا کر لاؤ ابھی، آج اس نے بال کٹوائے ہیں، کل کو میری ناک کٹوا آئے گی، عزت اتروا دے گی، منہ کالا کر آئے گی کسی کے ساتھ، میں شریف آدمی کیا کسی سے نظر ملا پاؤں گا، تمہیں تو کوئی پروا نہیں عزت بے عزتی کی کیونکہ تمہارا کون سا کسی عزت دار خاندان سے تعلق ہے، جیسی خود ہو ویسا ہی تمہارا خاندان، دفع ہو جاؤ، نکلو ابھی باہر، ورنہ میں ان دونوں کو زندہ گاڑ دوں گا زمین کے اندر، خبیث عورت۔'' وہ اس کے سر پر کھڑا زور سے دھاڑا تو وہ جیسے ایکدم ہوش میں آ گئی۔

''مگر...... مگر ابرار، یہ بچی ہے ابھی، اس کا بھلا کیا قصور، یہ تو دوسرے بچوں نے......؟'' اور اس سے پہلے کہ اس کی بات پوری ہوتی، الٹے ہاتھ کے پڑنے والے تھپڑ نے اس کی آنکھوں کے سامنے تارے نچا دیئے۔

''سنا نہیں کیا کہا ہے میں نے، آگے سے بکواس کیے جا رہی ہے چلو آگے لگو فوراً۔'' وہ انہیں جانوروں کی طرح دھکیلتا ہوا باہر لے آیا، سارا راستہ ان کا روتے ہوئے گزرا تھا، مگر اس پتھر پر اثر نہ ہوا۔

وہ کسی پارک کے باہر کرسی میز سجائے اس پر شیشہ جمائے حجام تھا، جس سے قدرے فاصلے پر ابرار نے گاڑی روکی تھی اور اب اشارے سے اسے دونوں بچوں کو وہاں لے جانے کا نادر شاہی حکم صادر فرما چکا تھا اور پارلر کی بجائے حجام...... اور حجام بھی وہ جو سڑک کنارے اپنی دکان سجائے بیٹھا تھا، اس کے پاس زارا کو لے جانا اور پھر ابرار کے حکم کی تعمیل کروانا، گاڑی سے لے کر اس میز تک کا سفر، ان تینوں نے مر مر کر کیا تھا اور پھر آدھ گھنٹے بعد ہونے والا واپسی کا سفر بھی کم اذیت ناک نہ تھا۔

ان دونوں کے سر بالوں کے بوجھ سے آزاد ہو چکے تھے، وہ اپنے ساتھ ہونے والی اس بربریت پر گھٹ گھٹ کر رو رہے تھے کہ آواز نکلنے کی صورت میں ان کے ڈیڈ کا میٹر پھر گھوم جاتا تو پھر جانے ان کا کیا حشر ہوتا۔

عینی نیم مردہ حالت میں بیٹھی اپنی گود میں دھرے اپنے ہاتھوں پر گرنے والے آنسو شمار کر رہی تھی، گاڑی میں فل والیوم میں فاسٹ میوزک چل رہا تھا، جو کہ ابرار کی بے پایاں خوشی کو ظاہر کرتا تھا، ظاہر ہے عینی کو تکلیف دے کر جو خوشی اور چین اسے ملتا تھا اس کا کسی بھی چیز سے کیا مقابلہ ہو سکتا تھا بھلا۔

''باجی آپ کیوں ٹنڈ کروا رہی ہو بچوں کی، اتنے خوبصورت بال ہیں آپ کے بچوں کے، چھوٹے کروا لو، مگر استرا تو نہ پھرواؤ اور پھر یہ کاکی، اتنی بھی کاکی نہیں ہے، ٹنڈ لے کر سکول جائے تو کتنا برا لگے گا ناں جی، آپ کچھ تو سوچو

تھی۔" دیکھنے میں سیدھا سادہ اور ان پڑھ نظر آنے والا وہ حجام لڑکا، اسے اس فعل کے لئے روک رہا تھا، دوسرے لفظوں میں اپنی روزی پر لات مار رہا تھا، مگر اس ان پڑھ جاہل کا احساس زندہ تھا، اس پڑھے لکھے ہائی کوالیفائیڈ ابرار کے مقابلے میں وہ لڑکا زیادہ ذہین سمجھدار اور باشعور لگ رہا تھا، مگر عینی کیا کرتی، اسے تو ہر حالت میں اس کا حاکم کے حکم کی تعمیل کرنی ہی تھی۔

"نہیں بھائی آپ مشین ہی پھیر دو بس، دونوں کے سر میں جوئیں بہت ہو گئی ہیں، میں نہیں نکال سکتی اور آسان حل یہ ہی ہے اور پھر بالوں کا کیا ہے پھر آ جائیں گے، آپ بس کر دو ٹنڈ ان کی۔" اور پھر بہت عجیب اور ناقابل فہم سے تاثرات کے ساتھ اس نے دونوں کے سر پر مشین پھر دی، ایسے میں حماد اور زارا کا تڑپ تڑپ کر رونا اور خود اس کے دل پر چلنے والی چھریاں، اسے اب بھی رہ رہ کر سب یاد آ رہا تھا اور آنسو بلا روک ٹوک بہے چلے جا رہے تھے، ابرار کو اس کا رونا اور زرد چہرہ بہت مزہ دے رہے تھے، لہٰذا وہ بہت خوش تھا نازک دل کی کلیاں مسل کر اس کا دل بے حد شاد تھا۔

اس دن کے بعد سے دونوں بچوں کا سکول چھڑوا لیا گیا اور آمنہ آپا سے ملنے کی جو کھڑکی بنی تھی جو روزن ان کی زندگی میں اتفاقاً کھل گیا تھا، وہ بھی بند ہوا، وہ پھر سے قفس میں پھڑ پھڑانے والی چڑیا بن کر رہ گئی۔

اور جب پرندے قفس کے عادی ہو جائیں تو پھر انہیں شاید قید میں ہی رہنا اچھا لگتا ہے، آزاد ہو کر وہ بوکھلا جاتے ہیں کہ بھری دنیا میں بھیڑ بھاڑ والی جگہ میں اپنی جگہ کیسے بنائیں، شاید اسی لئے وہ قید کو زیادہ پسند کرتے ہیں، وہ تینوں بھی اس قفس کے عادی ہو چکے تھے اس لئے تو اب اگر ابرار غلطی سے دروازہ لاک کرنا بھول جاتا یا دانستہ کھلا چھوڑ دیتا تو بھی ان کے ذہن میں نہیں آتا تھا کہ وہ باہر نکل جائیں، کہیں چلے جائیں کسی سے مدد مانگ لیں، نہیں وہ تینوں اسی پنجرے میں پھڑ پھڑاتے مگر آزاد ہونے کی سعی نہ کرتے۔

مگر وہ رب جس کے قبضے میں سب کی جان ہے، جو دو جہانوں کا مالک ہے، جو دلوں کے حال جانتا ہے اور جو بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے، وہ اپنے بندوں کو کسی حال میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا، اگر وہ کسی کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو پھر بدلے میں انعام سے بھی نوازتا ہے، وہ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور عینی سے زیادہ صابر کون تھا، زارا اور حماد سے زیادہ صبر کسی نے کیا تھا، لہٰذا اس رب نے ان کی سنی اور ایسی سنی کہ سب دنگ رہ گئے۔

☆☆☆

احسان ہے یہ اس کا میرا ظرف دیکھ کر
ٹھوکر لگائی اور بکھرنے نہیں دیا
منزل کے پاس جتنی اذیت ملی مجھے
اتنا تو دکھ تمام سفر نے نہیں دیا

ایک دن ابرار اپنے والد کے حکم پر انہیں گاؤں لے گیا، وہ اپنے بابا کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا، جو بھی تھا جیسا بھی تھا بیٹا بہت فرمانبردار تھا، اسی لئے تو اس نے کبھی پلٹ کر اپنے باپ سے یہ بھی نہ پوچھا تھا کہ میرے بیوی بچوں کو اپنی دشمنی کی آگ میں کب تک جھلساتے رہیں گے، اس کے بابا اس کے آئیڈیل تھے اور وہ خود وہ خود اپنے بچوں کے لئے کیا تھا یہ اس نے کبھی سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی تھی۔

نور العین اپنی شادی کے تقریباً گیارہ سال بعد پہلی بار اپنے سسرالی آبائی گاؤں آئی تھی اور یہ

تو اس کو یہاں آ کر علم ہوا تھا کہ یہ تو اس کا بھی آبائی گاؤں تھا اور جب اسے اپنے سسر کی زبانی ساری کہانی کا علم ہوا تو وہ دنگ رہ گئی۔

"آپ..... آپ ہیں میری امی کے تایا زاد، آپ نے تو میری امی کی زندگی خراب کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، مگر اللہ نے انہیں بچا لیا۔" حیرت کی شدت کی وجہ سے وہ اپنے سسر سے پوچھ تو بیٹھی مگر ابرار کے چہرے کے بگڑتے زاویے اور چڑھتے پارے کو دیکھ کر ایکدم خاموش ہو گئی، بلکہ خوفزدہ ہو گئی کہ کہیں ادھر ہی تماشہ نہ لگ جائے۔

"ہوں بہت اچھا سوال کیا تم نے "نور العین احمد دین" میں آج تمہارے دل میں پلنے والے ہر سوال کا تفصیلاً جواب دونگا، اور اسی لئے تو آج خصوصی طور پر تمہیں بلوایا ہے یہاں تاکہ تمہارے دل میں کوئی ملال نہ رہے۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے ابرار کو روکتے ہوئے اس پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا تو وہ اپنی جگہ سمٹ کر رہ گئی۔

"بات یہ ہے لڑکی، کہ میں شروع سے اپنے چاچا یعنی تمہارے نانا کو سخت ناپسند کرتا تھا، کیونکہ دو دو بیٹیوں کا باپ ہو کر بھی وہ یوں اکڑ کر چلتا تھا جیسے دس بیٹوں کا باپ ہو اور تمہاری نانی یعنی میری چاچی، اس سے تو میری اماں کی بھی لگتی تھی، میری پھپھو تھیں اماں کی لاکھ کوششوں کے باوجود تمہارا نانا، تمہاری نانی کو بیاہ لایا، میری ماسی پر فوقیت دے کر، اماں کی چاچی سے کبھی نہ بنی، دونوں میں ہمیشہ لڑائی ہی رہی، مگر اس کے باوجود ابے نے میرا اور تمہاری ماں صابرہ کا رشتہ پکا کر دیا، جانتی ہو کیوں؟ چاچے کی زمینوں، جائیداد کے لئے بیٹا تو اس کا تھا کوئی نہیں اور تمہاری ماں سے شادی کے بعد اس کا حصہ بھی ہمیں ہی مل جانا تھا، مگر یہاں میری مت ماری گئی، مجھے تمہاری ماں ذرا پسند نہیں تھی، سیدھی سادی گائے ہو جیسے، پھر میں نے پینترا بدلا اور اپنے گھر والوں پر زور ڈالنے لگا کہ صابرہ کی بجائے شاکرہ سے شادی کرونگا، میری ضد اور غصے کی وجہ سے وہ مان گئے اور مان تو شاید چاچا بھی جاتا، مگر چاچی، یعنی تمہاری نانی وہ مکار عورت کسی طرح مان کر ہی نہ دے رہی تھی، بڑا زور لگایا سب نے، بڑا دھمکایا میں نے مگر نہ جی، انہیں نہیں ماننا تھا سو نہیں مانیں اور پھر میں نے سیاسی چال چلی، میں نے اور اماں نے شرط رکھی کہ چاچا اپنی ساری زمین جائیداد میرے نام لگا دے، تو پھر میں صابرہ سے شادی کر لوں گا اور چاچا...... چاچا تو شاید یہ بھی کر گزرتا کہ ساری زندگی پہلے ہی وہ میرے اور اماں کے طعنے سنتا آیا تھا مگر پھر ایک بار پھر تمہاری نانی وہ ہوشیار عورت بیچ میں آ گئی اور میری چال مجھ پر ہی الٹ دی، چاچی نے بھی شرط رکھ دی کہ پہلے نکاح ہو گا، نکاح نامے پر دستخط ہو گئے اور پھر جائیداد کے کاغذات پر اور وہ بھی تمام صابرہ کے نام، پھر مجھے جیسے ضد سی چڑھ گئی، میں نے سوچا کہ جائیداد تو میں طاقت کے بل پر ان سے چھین ہی لوں گا، مگر پہلے ذرا اس چاچی اور چاچا کی بدنامی تو کروا دوں اچھی طرح سے، اس لئے میں نے شادی کے لئے ہاں کر دی وہ بھی بغیر کسی شرط کے، مگر عین بارات والے روز نکاح کے وقت میں نے بھری برادری میں انکار کر دیا، میرا خیال تھا کہ اس لوہا گرم ہو گا اور میں جتنی زور سے چاہوں گا چوٹ مار لوں گا مگر بیڑہ غرق ہو تمہاری دادی اور تمہارے باپ کا وہ جانے کہاں سے درمیان میں کود پڑے اور میرا سارا بنا بنایا سارا کھیل بگاڑ کر رکھ دیا، تمہاری ماں تو تمہارے باپ کے ساتھ بیاہ کر شہر چلی گئی اور میں جو چاچا چاچی

کو بے عزت اور بدنام کرنے کے منصوبے بنائے بیٹھا تھا، خود پورے علاقے پوری برادری میں ذلیل ہو گیا اور پھر اس بدنامی اور ذلت سے بچنے کے لئے میں گاؤں چھوڑ کر شہر آن بسا، ادھر گاؤں میں ابا نے میرے کہنے پر مشہور کر دیا کہ ہم نے اکمل کو عاق کر دیا ہے، اس سے ان کی عزت تو بچ گئی، مگر میرا گھر میرا گاؤں میرے یار بیلی مجھ سے چھوٹ گئے، میرے دل میں بڑا بڑا دکھ تھا ان کا، پھر میں نے ایک اور چال چلی اور ابا اماں کو ایک نیا راستہ دکھایا، چاچے کی زمین جائیداد پر قبضہ کرنے کا، میں نے انہیں اپنے سب سے چھوٹے بھائی اجمل کے لئے شاکرہ کا ہاتھ مانگنے کا کہا، بلکہ انہیں مجبور کیا کہ وہ اجمل اور شاکرہ کا نکاح کروا دیں، چاہے دھوکے سے کروائیں یا دھونس سے، مگر یہ کام جلد سے جلد ہو جانا چاہیے، اجمل میرا بھائی، ذہنی معذور تھا، عمر میں تو شاکرہ سے تھوڑا ہی چھوٹا تھا، مگر دماغی طور پر آٹھ سالہ بچے کے برابر تھا، لیکن میری یہ چال بھی تمہارے نانا نے الٹا کر میرے منہ پر دے ماری اور چاچا نے اپنے بچپن کے دوست کے بیٹے جلال الدین کے ساتھ شاکرہ کو بیاہ دیا۔“

”مجھے جیسے ہی اطلاع ملی میں غصے سے پاگل ہو گیا، میرے دل میں موجود پہلے سے ہی چاچی اور اس کی اولاد کے نفرت، سو گنا بڑھ گئی اور اس نفرت کی زد میں تمہاری دادی، باپ اور خالو بھی شامل ہو چکے تھے، کیونکہ اگر وہ درمیان میں نہ کودتے تو میں کبھی اس طرح ذلیل نہ ہوتا، بلکہ چاچا چاچی جھک کر میری مانتے۔“

”گاؤں برادری والوں کے لئے بھلے میں غیر ہو چکا تھا، مگر میرے گھر والوں نے میرا پورا ساتھ دیا اور پھر اپنی ہر چال الٹتے دیکھ میرا غصہ عروج پر پہنچ گیا، پر میں نے اپنے غصے کو اپنی طاقت بنایا، میں نے اپنی ساری طاقت پیسہ بنانے پر لگا دی، ہر جائز، ناجائز طریقہ اپنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے امیر ترین پینڈو اکمل سیٹھ اکمل بن گیا، پھر میں نے دوبئی میں ڈیرے ڈال لئے وہیں کاروبار پھیلایا اور وہیں شادی بھی کر لی مگر ابرار کے پیدا ہونے پر اس کی ماں مجھے چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلی گئی، میرے پاس سب کچھ تھا سب کچھ مال دولت، بیٹا دنیا کی ہر نعمت میرے قدموں میں ڈھیر تھی اور آج بھی ہے، مگر آج بھی میرا دل اندر سے کڑھتا ہے، میں اپنی وہ بے عزتی وہ بدنامی کبھی نہیں بھول پاتا جو تمہارے باپ اور دادی کی وجہ سے مجھے اور میرے گھر والوں کو سہنی پڑی تھی۔“

”حالانکہ میں نے تمہارے نانا نانی کے مرنے کے بعد ابا اور بھائیوں کی مدد سے ان کی جائیداد پر قبضہ کر ہی لیا اور تمہاری ماں اور خالہ کو ہمیشہ کے لئے گاؤں بدر کر دیا اور ویسے بھی شاید تمہیں یہ جان کر اچھا نہ لگے گا کہ تمہارے نانا نانی کا ایکسیڈنٹ بھی میں نے ہی کروایا تھا اور پھر ان کی اولاد کو ویسے ہی ذلیل کروا کر گاؤں بدر کروایا جیسا کہ مجھے ہونا پڑا تھا، لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کی خوشحالی اور ترقی مجھ سے اور میری اماں سے برداشت نہیں ہوتی تھی، میں نے ہمیشہ ان لوگوں پر نظر رکھوائی قدم قدم پر تمہارے بڑوں کی راہیں کھوٹی کرنے کی کوشش کی، مگر جانے کیا بات تھی کہ میری ہر کوشش ناکام ہو جاتی، اگر ایک بار انہیں نقصان اٹھانا پڑتا تو اگلی بار انہیں دگنا فائدہ ہو جاتا، پھر مجھے یہ خیال آیا کہ یہ تمہاری دادی کی دعائیں ہوں گی، جس کی وجہ سے میری بد دعائیں اثر نہیں کرتیں، پھر میں نے کرائے کے قاتلوں سے ایک بار پھر مدد لی اور تمہاری دادی کو ٹرک کے نیچے کچلوا دیا اور یہ علیحدہ بات کہ اس بار میرا

دگنا فائدہ ہو گیا، تمہاری دادی کے ساتھ ساتھ تمہارا بھائی بھی مر گیا، میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی، میرا خیال تھا کہ تمہارے ماں باپ اس حادثے کے بعد ٹوٹ جائیں گے، مگر وہ تو جانے کسی مٹی کے بنے تھے، صبر شکر کر کے بیٹھ رہے اور ان کا صبر شکر ایک بار پھر میرا چین وقرار لوٹ کے لے گیا اور پھر میرا نشانہ ٹھہریں تم، میں نے سوچ لیا کہ صابرہ کے صبر اور احمد دین کے سکون کو کس طرح تار تار کرتا ہے اور اس بار تو شاید قدرت بھی میرا ساتھ دے رہی تھی۔"

"یہ...... یہ میرا لاڈلہ ہونہار بیٹا ابرار، میں نے شروع سے ہی اس کی ایسی تربیت کی کہ ہر وہ کام کرو جس میں اپنا فائدہ نظر آئے، خالی فائدہ، شہرت اور عزت چاہے وہ غلط کام اور غلط طریقے سے ہی کیوں نہ ہو، مگر کرو اس ہوشیاری سے کہ کبھی کسی کی پکڑ میں نہ آسکو، کوئی ہم پر انگلی نہ اٹھا سکے اور ہمارے ہاتھ ہمیشہ صاف رہیں اور دیکھو نہ میرا بچہ کیسا ہوشیار ہے، یہ تو میرے سے بھی دس قدم آگے نکلا، اس کے جو جو کچھ تمہارے ساتھ کیا، میرے کہنے پر کیا، مجھے بتا کر کیا اور مجھے دکھا کر کیا، تم کیا سمجھتی ہو تم پر ہونے والے مظالم میرے علم میں نہیں تھے، بہت بے وقوف ہو تم، مجھے سب علم ہے، ایک ایک پل کی خبر رکھتا ہوں میں اور تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں، تو یہ بھول ہے تمہاری، شادی سے لے کر اب تک روز دیکھتا ہوں تمہیں، یہ دیکھو۔" انہوں نے بات کرتے کرتے ریموٹ اٹھا کر دیوار گیر پلازمہ آن کیا، تو روشن اسکرین پر اپنے گھر کے اندرونی حصے دیکھ کر عینی دنگ رہ گئی۔

"تم لوگ جہاں جہاں بھی گئے، وہاں وہاں تمہارے گھر لگے کیمروں نے مجھے تم سے واقف رکھا اور اس کام کا سہرا بلاشبہ میرے جگر کے ٹکڑے ابرار کے سر جاتا ہے، یہ آئیڈیا بھی اسی کا تھا کہ۔"

"بابا جان! آپ اپنے دشمن کی بیٹی پر ظلم ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو مزہ آئے گا ناں، میں اپنے منہ سے لاکھ کہوں مگر وہ مزہ تو نہیں آئے گا ناں جو آنکھوں دیکھے میں ہے اور واقعی جو مزہ اور سکون تمہیں پٹتے اور رلتے ہوئے دیکھنے میں آیا وہ سننے بھی کبھی نہ آتا۔" انہوں نے داد دینے والے انداز میں عینی کو گھورتا رہا اور عینی، عینی کا تو سانس رکنے لگا تھا، ان سب باتوں کو سننے کے بعد اس کی آنکھوں سے سیل رواں تھا، وہ سینے پر ہاتھ رکھے جھکتی چلی گئی اور کب بے ہوش ہو گئی، اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

جب اسے ہوش آیا تو وہ گاڑی میں پسنجر سیٹ پر پڑی تھی، ابرار ڈرائیو کر رہا تھا اور بچے پچھلی نشست پر خاموش بیٹھے تھے شاید سو گئے تھے، کیونکہ مکمل سناٹا ہو رہا تھا، اچانک جانے کہاں سے ایک گدھا سڑک پہ آ گیا اور عین گاڑی کے سامنے آرکا، ابرار نے فوراً بریک لگایا، مگر رکتے رکتے بھی ٹکر ہو ہی گئی، گدھا اس شدید ٹکر کے نتیجے میں اڑ کر دور جا گرا مگر گاڑی کو بھی اچھا خاصا نقصان پہنچا اور شدید جھٹکا لگنے کی وجہ سے بچے بھی سیٹ سے نیچے جا گرے عینی اچھل کر ڈیش بورڈ سے جا ٹکرائی، اسے اچھی خاصی چوٹیں آئیں تھیں بچے بھی گھبرا کر رونے لگے، ابرار خود بالکل محفوظ رہا تھا۔

"ٹھیک کہتے ہیں بابا، تمہارا خاندان تو مر کر بھی نہیں مرتا، جان چھوڑتے ہی نہیں ہیں، اب دیکھو ذرا، اس آدھی رت کو بیچ سڑک پر تمہارا باپ لوگوں کی گاڑیوں کو ٹکریں مارتا پھر رہا ہے، یہ کوئی کرنے کی بات۔" بہت عجیب سے لہجے میں بہت گھٹیا بات کر کے اب وہ جناتی قہقہے لگا رہا تھا اور عینی کو جانے کیا ہوا، پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس کی برداشت بالکل ختم ہو گئی، اسے جانے کیا ہوا کہ اس نے الٹا ہاتھ گھما، زناٹے دار تھپڑ ابرار کے منہ پر جڑ دیا، چٹاخ کی زوردار آواز گونجی اور اگلے ہی لمحے گاڑی میں سناٹا چھا گیا، ابرار تو ابرار خود اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ ہوا کیا، اس کا جسم شدت غم وغصہ سے کانپ رہا تھا اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"خبردار...... خبردار اگر آج کے بعد تم نے یا تمہارے گھٹیا باپ نے میرے جنتی والدین یا میرے خاندان کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت کی تو، وہ حشر کروں گی تمہارا کہ روح تک کانپ جائے گی تمہاری، سمجھے۔" وہ بے خوف انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، انگلی اٹھائے غرائی تو ابرار کو ایک اور شدید جھٹکا لگا۔

"تم...... تم، تمہاری یہ جرأت تم مجھے آنکھیں دکھا رہی ہو مجھے، اوقات کیا ہے تمہاری، بھول گئیں، بھول گئیں اپنے بڑوں کا انجام، مجھ سے ٹکرا رہی ہو، مجھ سے، چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔" وہ شدید غصے کی لپیٹ میں آیا، گاڑی سے اترا اور گھوم کر اس کی طرف آ کر دروازہ کھول اسے باہر کھینچ لیا۔

"انجام کی فکر نہیں رہی تمہیں اپنی، مجھ سے زبان لڑاتی ہو، مجھ پر ہاتھ اٹھائی ہو، تیری یہ جرأت۔" لاتوں، گھونسوں، گالیوں کا آزادانہ استعمال کرتا وہ کہیں سے بھی پڑھا لکھا نہیں لگ رہا تھا، جی بھر کے بھڑاس نکالنے کے بعد اسنے ایک ٹھوکر نیم بے ہوش پڑی عینی کے پہلو میں رسید کی۔

"مرو یہیں، میں تمہارے گندے خون سے کیوں ہاتھ رنگوں، آ جانا خود ہی کسی گاڑی کے نیچے اپنے پچھلوں کی طرح، میری بلا سے، بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے۔" غصے سے بکتا جھکتا وہ گاڑی میں بیٹھا اور تیز رفتاری سے بھگا لے گیا، بچے بے چارے چیختے چلاتے ہی رہ گئے۔

وہ زخمی حالت میں جانے کتنی دیر تک اس تقریباً سنسان پڑی ہائے وئے پر پڑی رہی، پھر شاید تقدیر کو اس پر رحم آ ہی گیا، اس کے نزدیک ایک گاڑی آ کر رکی اور اس میں سے عبایا میں ملبوس ایک لڑکی نکل کر اس کی طرف آئی۔

"سنیے کون ہیں آپ؟ کیا ہوا ہے آپ کو، اس طرح کیوں، عینی...... عینی تم یہاں اس طرح، اس وقت، اوہ میرے خدا کیا ہوا ہے تمہیں عینی، شرجیل دیکھیں یہ اپنی عینی، یہاں۔" وہ حمنہ تھی، شرجیل اور وہ اس وقت اسلام آباد سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں زخمی پڑی لڑکی کی مدد کرنے کے خیال سے رک گئے، مگر سامنے اپنی نورالعین کو اس حالت میں دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے انہوں نے فوراً سے گاڑی ڈالا اور فل اسپیڈ سے دوڑاتے ہوئے راستے میں آنے والے پہلے ہاسپٹل میں آ گئے۔

☆☆☆

پھر جانے کتنا عرصہ لگا اسے سنبھلنے میں، وہ اس دن سے ہی خالہ کی طرف تھی، دن رات اپنے بچوں کی یاد میں تڑپتی، اس کے فکر تھی تو صرف اور صرف اپنے بچوں کی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اسے تکلیف پہنچانے کے لئے وہ ظالم اس کے بچوں کو کسی بھی قسم کی تکلیف پہنچا سکتے تھے اور اب وہ خود میں کسی بھی قسم کا صدمہ اٹھانے کی ہمت نہیں تھی، خالو جان اور بھائیوں کی پوری کوشش تھی کہ اس کے بچے اسے مل جائیں اور اس کے لئے انہوں نے قانونی چارہ جوئی بھی کی تھی، مگر ماننا پڑتا ہے، اللہ واقعی برے کی رسی کو دراز کرتا ہے آخری حد تک، سو ابرار اور سیٹھ اکمل کی

کمائی حرام کی کمائی میں اتنی پاور تھی کہ وہ وکیلوں اور پولیس والوں کو اپنی جیب میں لئے پھرتے تھے۔

اور اب تو عینی نے اللہ پر ہی دوڑی پھینک دی تھی، اسے رب سے پوری امید تھی کہ وہ اس کی ماںتا کو رسوا نہیں ہونے دے گا اور واقعی اللہ نے اس کے مان کی لاج رکھ لی تھی، یہ معجزہ ہی تو تھا کہ اس کے بچے اس مقدس بابرکت صبح میں صحیح سلامت اس تک پہنچ گئے اور وہ مارے خوشی کے رو پڑی تھی۔

☆☆☆

ابرار اس دن ایسا بے خبر سویا کہ اسے کچھ ہوش ہی نہ رہا کہ بچے کب گھر سے نکلے اور کب اس کی دسترس سے دور ہو گئے، وہ اس دن بہت پیئے ہوئے تھا، کیونکہ اس کی مغرور انا کو عینی کی طرف سے ملنے والے لیگل نوٹس نے بہت ٹھیس پہنچائی تھی، وہ تو اپنی طرف سے اسے مردہ حالت میں سڑک کے کنارے پھینک گیا تھا، مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، کے مصداق وہ نہ صرف بچ گئی بلکہ اپنے وارثوں تک بھی پہنچ گئی اور یہ اس جیسے خود پسند اور انا پرست انسان کے کسی طمانچے سے کم نہ تھا، پھر اس نے کیسی کیسی کوشش نہیں کی اس تک پہنچنے کی، مگر اس کی ہر کوشش ناکام ہی ہوتی رہی اور یہی ناکامی، غصہ اور ضد اسے پینے اور پیتے رہنے پر مجبور کرتے چلے گئے، وہ اپنی فرسٹیشن بی کر اور بچوں پر تشدد کر کے نکالتا اور اس دن بھی یہ ہی ہوا تھا، وہ تو جانے کتنی دیر ہوش و خرد سے بیگانہ نشے میں دھت پڑا رہتا، مگر اس کے بابا نے آ کر اس کا سارا نشہ ہرن کر ڈالا، مگر جب انہیں تمام حالات کا علم ہوا تو آگ بگولہ ہو گئے۔

"زندہ کیوں چھوڑ دیا ان تینوں کو تم نے، مار ڈالتے وہیں ہائے وے پر تیزاب پھینک کر جلا دیتے یا کسی نالے میں پھینک دیتے، مگر زندہ نہ چھوڑتے، ابرار، نا ہنجار یہ کیا کیا تو نے، میرے سارے زخموں کے منہ کھول دیئے تو نے کم بخت، نئے سرے سے آگ لگا دی، میرے کلیجے میں اب بتا، بتا اب کیا کروں میں تیرے ساتھ نالائق۔" وہ مسلسل ٹہلتے ہوئے اسے بولے جا رہے تھے اور سامنے پڑے لیگل نوٹس انہیں اور آگ لگا رہے تھے، ابرار سر جھکائے چپ چاپ ان کی ڈانٹ پھٹکار سن رہا تھا، زندگی میں پہلی بار بار اس سے ناراض ہوئے تھے اور وہ بھی اس قدر شدید کہ ساری زندگی کی کسر لگتا تھا آج ہی نکال لیں گے، اسے بڑا عجیب لگ رہا تھا، آج تک اس سے کسی نے اونچی آواز میں بات تک نہیں کی تھی، ڈانٹنا تو دور کی بات تھی، وہ ہی تو سب کو لتاڑتا پھرتا تھا، انسان کو بھی اس نے انسان سمجھا ہی نہ تھا، مگر آج جب بابا اسے گالیوں سے نواز رہے تھے تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی نگاہوں کے سامنے عینی، حماد اور زارا کے زرد ستے ہوئے چہرے گھوم رہے تھے۔

اسے عجیب بھی لگ رہا تھا اور خود پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ وہ بار بار انہیں کیوں سوچ رہا ہے، مگر اس کے بس میں شاید کچھ بھی نہیں تھا۔

اور یہ تو طے ہے کہ اللہ جب رسی کھینچنے پر آتا ہے تو مہلت پھر کسی کو بھی نہیں ملتی، چاہے فرعون ہو یا قارون اور مہلت تو اللہ نے ابرار کو بھی نہ دی اور نہ ہی اس کے بابا سیٹھ اکمل کو، ان کے پاپوں کا گھڑا منہ تک بھر چکا تھا، سو نیچ چورا ہے پھوٹ کر رہا، ابرار کے خلاف کافی عرصے سے محکمے میں انکوائری چل رہی تھی، جسے اس نے کبھی درخور اعتنا سمجھا ہی نہ تھا اور آج کل تو ویسے ہی اپنے نجی مسائل میں الجھا ہوا تھا، اس لئے ان انکوائریوں پر جو تھوڑا بہت غور کرتا تھا وہ بھی چھوڑ بیٹھا تھا کہ

اس کا فوکس اب صرف اور صرف عینی کی بازیابی اور اس کی بربادی پر ہی تھا، اس لئے اس علم ہی نہ ہوا کہ کب اینٹی کرپشن، نیب، اکسائز ایک ساتھ ان پر حملہ آور ہو گئے اور جب اس کے کھاتے کھلے تو سیٹھ اکمل بھی خود بخود اس تفتیش کے دائرہ کار میں آ گئے۔

معاملہ چونکہ اہم تھا اور بے ضابطگیاں اور بے قاعدگیاں بہت زیادہ لہٰذا فوری ایکشن عمل میں آئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کے تمام اثاثے حکومت کی نظر میں آ گئے، ہوش تو ان کو تب آیا جب ان کا سب کچھ سیل کر دیا گیا، وہ دونوں باپ بیٹا ایکدم سڑک پر آ گئے، اچھے وقتوں میں جو لوگ ان کی آنکھ کے اشارے پر ان کی راہ میں پلکیں بچھائے رکھتے تھے، وہ اب ان کے سائے سے بھی دور بھاگتے تھے اب ان باپ بیٹے پتا چلا کہ کسی پر زندگی تنگ کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے، ادھر دوبئی میں جو کالے دھندے انہوں نے کیے تھے وہ بھی کھل کر سامنے آ گئے اور انٹرپول کے ذریعے پولیس انہیں لینے آ پہنچی، اب ان کا حال ایسے چوہوں جیسا ہو گیا جو چھپنے کے لئے کسی بل کی تلاش میں ہوں مگر انہیں چھوٹا سا سوراخ بھی نہ ملے، ان دونوں نے بہت ہاتھ پیر مارے مگر بے سود۔

آخر کار مظلوم کی آہ انہیں لگ کر رہی اور سیٹھ اکمل جس نے اپنی یکطرفہ دشمنی، ضد اور عناد کی آگ میں اپنی ساری زندگی برباد کی، اکلوتے بیٹے کی پرخار رستوں پر چلایا، مظلوم اور معصوم انسانوں کی عزتوں اور زندگیوں سے کھیلتے رہے اب اللہ کی دراز کی گئی رسی کا آخری جھٹکا انہیں نیم جان کر گیا، پولیس اور انٹرپول سے بچنے کے لئے وہ دونوں جو ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے ان کا یہ سفر اس جگہ جا ختم ہوا جس کے بارے میں شاید

☆☆☆

روبینہ سعید

انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا وہ دونوں تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتے شہر چھوڑنے کے لئے ہائی وے پر بھاگتے چلے جا رہے تھے کہ جانے کب ابرار جو ڈرائیونگ میں بے حد ماہر تھا اور جانے آج اس کی ڈرائیونگ کو کیا ہوا کہ ایک موڑ مڑتے ہوئے اس کی تیز رفتار گاڑی لہرائی، وہ اسٹیرنگ پر قابو ہی نہ رکھ سکا اور گاڑی سڑک سے اتر کر سیدھی درخت سے جا ٹکرائی۔

یہ اللہ کا انصاف تھا اور یہ اللہ ہی کی پکڑ تھی جس میں وہ آ کر ہی رہے، یہ وہ ہی جگہ تھی جہاں ایک دن وہ ظالم، اس مظلوم لڑکی کو مار مار کر پھینک گیا تھا، وقت بھی بالکل وہی تھا، فرق صرف یہ تھا کہ مظلوم کو اللہ نے بچا لیا اور ظالم اپنی ہی سلگائی ہوئی آگ میں وہیں جل مرا، حادثہ اتنا شدید تھا کہ ابرار موقع پر ہی ختم ہو گیا، مگر اس کے بابا بچ گئے، دیکھنے والے حیران تھے کہ وہ اس عمر میں اتنے شدید حادثے میں محفوظ کیسے رہے، مگر وہ جانتے تھے کہ انہیں کیوں بچایا گیا، کہ مارنے اور بچانے کا اختیار صرف اور صرف اس رب رحیم کے پاس ہی ہے، وہ معجزانہ طور پر بچ تو گئے، مگر اپنے سامنے جوان بیٹے کی خون میں لت پت پڑی لاش دیکھ کر صدمے سے ہی پاگل ہو گئے، اب ان کی باقی کی ساری زندگی پاگل خانے کی دیواروں کے پیچھے چلاتے، ابرار کو پکارتے ہی گزرنے والی تھی۔

☆☆☆

خالو جان اور خالہ کے آنگن میں اج بہار اتر آئی تھی، اتنے سالوں سے خوف و اذیت کے سائے میں زندگی گزارنے والے آج پر سکون اور آزاد تھے کہ ابرار اور اس کے بابا کا انجام دیکھ کر اللہ پر ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا تھا، پھر عینی نے جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی تو سب کو بے حد پسند آیا تھا۔

”خالو جان میں نے سوچا ہے کہ امی ابو کے گھر میں اسکول کھولوں ان کے نام پر، مستحق بچوں کو وہاں مفت تعلیم دی جائے گی اور کمزور بچوں پر خصوصی توجہ، خالو جان مجھے آپ سب کی مدد کی بے حد ضرورت ہے تاکہ میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکوں اور اللہ کے فضل و کرم سے اپنے بچوں کا سہارا بن سکوں، آپ سب میری مدد کریں گے ناں۔“

”ہاں بیٹا اللہ تمہارے ساتھ ہے، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، اس یقین کے ساتھ قدم آگے بڑھاؤ کہ اب اللہ نے چاہا تو کچھ غلط نہیں ہو گا، اللہ اپنے پسندیدہ بندوں کی ہی آزمائش لیتا ہے اور اس کے جو بندے اس کی رضا میں راضی رہتے ہیں، وہ ان کو دنیا و آخرت میں انعام سے نوازتا ہے، عینی بیٹا اور یہ اللہ کا انعام ہی تو ہے کہ تم اپنے بچوں کے ساتھ زندہ سلامت اور محفوظ و مامون ہو، اتنا کچھ سہنے کے بعد بھی تم اور تمہارے بچے جسمانی اور ذہنی اعتبار سے صحیح سلامت ہیں اور وہ جو اپنے آپ کو خدا سمجھے بیٹھے تھے، بالآخر اپنے انجام کو پہنچے۔“

خالو جان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی پر سکون ہو کر مسکرا دی کہ مشکل سفر اور اندھیریات تو کٹ چکی، اب آگے کا سفر یقیناً اجالوں بھری راہ گزر پر ہی طے ہونا تھا کہ اللہ کی رضا ان کے شامل حال جو تھی۔

☆☆☆

گئیں، قاسم رضا کی بائیک کی آواز سن کر اسامہ، زیبی اور سعد بھی لاؤنج سے نکل کر بھاگتے ہوئے آگئے۔

''پاپا گائے نہیں لائے؟'' وہ تینوں ایک ہی سوال پوچھنا شروع ہوگئے۔

''کیوں نہیں آئی گائے؟'' شگفتہ پروین بڑے ضبط سے پوچھ رہی تھیں۔

''اتنی مہنگی ہے گائے کہ توبہ توبہ۔'' قاسم رضا نے بائیک اسٹینڈ پر لگائی اور اندر گھر کی طرف چلے۔

''تو مہنگی ہے تو کیا ہوا؟'' شگفتہ پروین تیزی سے بولیں۔

''میں نے پورے پچاس ہزار روپے دیئے تھے گائے کے لئے۔''

''پچاس ہزار۔'' قاسم رضا طنزیہ ہنسی ہنسے اور دھپ سے صوفے پر گر گئے، تینوں بچے حسرت و یاس کی تصویر بنے ان کے اردگرد آ بیٹھے۔

''منڈی میں جا کر دیکھو ذرا۔'' انہوں نے شگفتہ پروین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاتھ نہیں رکھنے دے رہے جانور پر، عید نزدیک ہے، جو جانور بیس ہزار کا تھا اس کے پچاس ہزار مانگ رہے ہیں، اونچی، صحت مند گائے کے دام نوے ہزار، اسی ہزار سے کسی طرح کم نہیں، ایک مریل سی گائے میں نے دیکھی کہ شاید بیس پچیس ہزار کی ہوگی، مگر پتہ ہے کیا دام تھا اس کا؟'' انہوں نے تینوں بچوں کی طرف جوش سے دیکھا، بچے گم صم تھے۔

''پورے ساٹھ ہزار۔''

''ہیں۔'' پورا گھر بیک وقت حیرت زدہ ہوا۔

''اور ایک گائے مجھے بہت پسند آئی مگر ریٹ اس کا نوے ہزار تھا، گائے کے مالک نے کہا کہ اسی ہزار کی مل جائے گی، اس سے ایک پیسہ کم نہیں ہوگا، مگر گائے ایسی شاندار تھی کہ کیا بتاؤں۔'' وہ جیسے گائے کے تصور میں کھو سے گئے۔

''اونچی، تگڑی، بڑے بڑے سینگ۔'' شگفتہ پروین یہی تو چاہتی تھیں کہ قربانی کے لئے ایسا جانور آئے جو پورے محلے میں کسی کے گھر کے آگے نہ بندھا ہوا، وہ تو جیسے تصور ہی تصور میں گائے کو اپنے گھر کے آگے بندھا دیکھنے لگیں۔

''سنیے۔'' انہوں نے آنکھیں کھول کر قاسم رضا کو پکارا۔

''مجھے وہی گائے چاہیے۔'' انہوں نے اپنی خواہش کو زبان دی۔

''مگر بیگم...... وہ گائے...... اسی ہزار کی ہے۔'' قاسم رضا کی جیب میں پچاس ہزار تھے جو انہیں ایک بوجھ سا لگ رہا تھا۔

''ابھی تو یہ پچاس ہزار بھی قرضہ اتارنا ہے۔'' انہیں بہت دکھ تھا ان کی بیگم نے ان کے علم میں لائے بغیر اپنے بھائی سے پچاس ہزار روپے قرض کے طور پر لے لئے تھے، قاسم رضا کو جب پتہ چلا تو وہ بہت ناراض ہوئے تھے وہ چاہتے تھے کہ اپنی کمائی میں سے ایک بکرا یا دنبہ لے کر قربانی کا فریضہ ادا کر دیں مگر شگفتہ پروین نے ایک نہ چلنے دی اب بھی وہ اسی لئے واپس آ گئے تھے کہ شاید شگفتہ پروین مہنگائی کا سن کر اپنا ارادہ بدل لیں مگر وہ جی وہ تو اور شد و مد سے گائے کی قربانی کا پروگرام پکا کر بیٹھی تھیں۔

''پاپا جی آپ کو پتہ ہے کل میں سیما چاچی کے گھر گئی تھی۔'' وہ ابھی شگفتہ پروین کو سمجھانا چاہتے تھے کہ آٹھ سالہ زیبی بول پڑی۔

''اچھا...... پھر۔'' قاسم رضا سے پہلے شگفتہ

جیسے جیسے عید قربان نزدیک آتی جا رہی تھی سیما کی جان پر بنتی آ رہی تھی، جب جب وہ اردگرد کے گھروں سے مختلف جانوروں کی آواز سنتی اس کے سینے پر تو سانپ لوٹنے لگتے۔

''میں پوچھتی ہوں...... آپ کو کب ہوش آئے گی۔'' جب برداشت سے باہر ہوا تو وہ عاصم رضا کے سر پر پہنچ گئی، وہ لاؤنج میں ٹی وی آن کئے بیٹھے تھے۔

''کیا ہوا سیما بیگم؟'' انہوں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی آواز کم کی۔

''کس چیز کی ہوش نہیں آ رہی ہے مجھے۔''

''ارے...... آپ کو نظر نہیں آ رہا...... محلے کے ہر گھر میں...... قربانی کے لئے جانور آ گیا ہے...... اور ایک ہم ہیں...... کہ دور دور تک کوئی آثار ہی نہیں ہیں۔'' وہ بڑی مشکل سے غصہ دبا رہی تھیں۔

''پتہ ہے پپا نے عید سے ایک مہینہ پہلے کا اونٹوں کا جوڑا لیا ہے۔'' وہ انہیں جوش سے بتانے لگیں۔

''اور...... اور...... شیما باجی نے اس بار ایک اونٹ، دو گائیں اور دو بکرے ذبح کرنے کا پروگرام بنایا ہے...... اور ایک میں ہوں کہ......'' وہ بات کرتے کرتے روہانسی ہو گئی، عاصم رضا نے جو اسے روتے دیکھا تو گھبرا گئے اور ہاتھ بڑھا کر جلدی سے ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا۔

''ارے بھئی! اس میں رونے کی کیا بات ہے۔'' وہ ان کو تسلی دینے لگے۔

''ہر سال کرتی ہو اگر اس سال نہ کر سکے تو کیا ہوا؟'' انہوں نے اپنے تئیں جیسے مسئلے کا حل نکالا۔

''کیا؟'' وہ ہڑبڑا گئیں وہ مارے صدمے کے کچھ دیر بول نہ سکی۔

''عاصم ایسا سوچنا بھی نہیں۔'' ہوش آیا تو چلا اٹھی۔

''بھلے جو مرضی کرو...... مجھے نہیں پتہ...... بس...... عید سے پہلے میرے دروازے پر قربانی کا جانور ہونا چاہیے۔'' اس نے حکم سنا دیا۔

''لیکن سیما...... میری بات تو سنو۔'' عاصم رضا گھبرا گئے۔

''کچھ نہیں سننا مجھے۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''تم تو کہتے تھے چاند ستارے توڑ کر تمہارے قدموں میں ڈال دوں گا، مجھے نہیں چاہیں تمہارے چاند تارے، بس مجھے قربانی کے لئے جانور لا دو۔'' وہ تو جیسے عاجز آ گئی تب ہی عاصم رضا کے آگے بے اختیار ہاتھ جوڑ دیئے۔

''تمہاری خاطر کتنا بڑا قدم تو اٹھا چکا ہوں، اب اور کیا کروں۔'' عاصم رضا ہارے ہوئے لہجے میں بولے انہیں بے اختیار ابا میاں یاد آئے۔

☆☆☆

شگفتہ پروین بے قراری سے گھر میں ٹہل رہی تھیں، آج تو ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے، خدا خدا کر کے تین بجے قاسم رضا کی موٹر بائیک کی آواز سنائی دی اور شگفتہ پروین نے فوراً دروازے کا رخ کیا اور جلدی سے گیٹ کھول دیا، گیٹ کھولتے ہی دھک سے رہ گئیں جب قاسم رضا کو تنہا گیٹ پر پایا۔

''ہائیں۔'' وہ بے اختیار گیٹ کراس کر کے باہر نکل آئیں۔

''کہاں ہے گائے؟'' وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''بھول جاؤ گائے کو۔'' قاسم رضا بائیک اندر لے آئے، پیچھے پیچھے شگفتہ پروین بھی آ

جیسے جیسے عید قربان نزدیک آتی جا رہی تھی سیما کی جان پر بنتی آ رہی تھی، جب جب وہ اردگرد کے گھروں سے مختلف جانوروں کی آواز سنتی اس کے سینے پر تو سانپ لوٹنے لگتے۔

''میں پوچھتی ہوں...... آپ کو کب ہوش آئے گی۔'' جب برداشت سے باہر ہوا تو وہ عاصم رضا کے سر پر پہنچ گئی، وہ لاؤنج میں ٹی وی آن کئے بیٹھے تھے۔

''کیا ہوا سیما بیگم؟'' انہوں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی آواز کم کی۔

''کس چیز کی ہوش نہیں آ رہی ہے مجھے۔''

''ارے...... آپ کو نظر نہیں آ رہا...... محلے کے ہر گھر میں...... قربانی کے لئے جانور آ گیا ہے...... اور ایک ہم ہیں...... کہ دور دور تک کوئی آثار ہی نہیں ہیں۔'' وہ بڑی مشکل سے غصہ دبا رہی تھیں۔

''پتہ ہے پپا نے عید سے ایک مہینہ پہلے کا اونٹوں کا جوڑا لیا ہے۔'' وہ انہیں جوش سے بتانے لگیں۔

''اور...... اور...... شیما باجی نے اس بار ایک اونٹ، دو گائیں اور دو بکرے ذبح کرنے کا پروگرام بنایا ہے...... اور ایک میں ہوں کہ......''

وہ بات کرتے کرتے روہانسی ہو گئی، عاصم رضا نے جو اسے روتے دیکھا تو گھبرا گئے اور ہاتھ بڑھا کر جلدی سے ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا۔

''ارے بھئی! اس میں رونے کی کیا بات ہے۔'' وہ ان کو تسلی دینے لگے۔

''ہر سال کرتی ہو اگر اس سال نہ کر سکے تو کیا ہوا؟'' انہوں نے اپنے تئیں جیسے مسئلے کا حل نکالا۔

''کیا؟'' وہ ہڑبڑا گئیں وہ مارے صدمے کے کچھ دیر بول نہ سکی۔

''عاصم ایسا سوچنا بھی نہیں۔'' ہوش آیا تو چلا اٹھی۔

''بھلے جو مرضی کرو...... مجھے نہیں پتہ...... بس...... عید سے پہلے میرے دروازے پر قربانی کا جانور ہونا چاہیے۔'' اس نے حکم سنا دیا۔

''لیکن سیما...... میری بات تو سنو۔'' عاصم رضا گھبرا گئے۔

''کچھ نہیں سننا مجھے۔'' وہ روٹھے پن سے بولی۔

''تم تو کہتے تھے چاند ستارے توڑ کر تمہارے قدموں میں ڈال دوں گا، مجھے نہیں چاہیں تمہارے چاند تارے، بس مجھے قربانی کے لئے جانور لا دو۔'' وہ تو جیسے عاجز آ گئی تب ہی عاصم رضا کے آگے بے اختیار ہاتھ جوڑ دیئے۔

''تمہاری خاطر کتنا بڑا قدم تو اٹھا چکا ہوں، اب اور کیا کروں۔'' عاصم رضا ہارے ہوئے لہجے میں بولے انہیں بے اختیار ابا میاں یاد آئے۔

☆☆☆

شگفتہ پروین بے قراری سے گھر میں ٹہل رہی تھیں، آج تو ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے، خدا خدا کر کے تین بجے قاسم رضا کی موٹر بائیک کی آواز سنائی دی اور شگفتہ پروین نے فوراً دروازے کا رخ کیا اور جلدی سے گیٹ کھول دیا، گیٹ کھولتے ہی دھک سے رہ گئیں جب قاسم رضا کو تنہا گیٹ پر پایا۔

''ہائیں۔'' وہ بے اختیار گیٹ کراس کر کے باہر نکل آئیں۔

''کہاں ہے گائے؟'' وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''بھول جاؤ گائے کو۔'' قاسم رضا بائیک اندر لے آئے، پیچھے پیچھے شگفتہ پروین بھی آ

پروین نے دلچسپی لی، قاسم رضا کے چھوٹے بھائی عاصم رضا کا گھر ان کے سامنے والی لین میں تھا۔

''پتہ ہے چاچی کہہ رہی تھیں کہ وہ تو اونٹ قربان کریں گے، انہوں نے پوچھا تو میں نے بھی کہہ دیا کہ ہم گائے کریں گے تو وہ ہنسنے لگیں۔'' زیبی نے بات مکمل کر کے منہ بسورا۔

''ہیں...... ہنسنے کیوں لگی؟'' شگفتہ پروین کو مانو آگ لگ گئی۔

''کہنے لگیں، گائے میں حصہ ڈال رہے ہوں گے تمہارے پاپا۔'' زیبی کو تو جو دکھ ہوا سو ہوا، شگفتہ پروین کے ہاتھ تو بہانہ آ گیا، فوراً زیبی کو دبوچ کر سینے سے لگایا۔

''نہ میری بچی نہ...... حصہ کیوں ڈالیں گے ہم، وہ دن گزر گئے جب ہم گائے میں حصہ ڈالتے تھے اب تو ہم خود گائے کی قربانی کریں گے۔''

''مگر شگفتہ بیگم۔'' قاسم رضا ہکا بکا تھے۔

''بس بس قاسم صاحب۔'' انہوں نے تینوں بچوں کو ان کے کمرے میں بھیجا۔

''جاؤ بچو! اپنا کام کرو جا کر اور تسلی رکھو، ہم گائے ہی کریں گے۔'' بچے اٹھ کر جا چکے تھے، قاسم رضا بیوی کو گھور رہے تھے۔

''تم یہ نمود و نمائش بچوں میں کیوں بھر رہی ہو۔'' وہ تلخ لہجے میں بولے۔

''بجائے اس کے کہ تم انہیں سمجھاؤ کہ بیٹا اپنی حیثیت کو دیکھ کر قربانی کرتے ہیں الٹا تم انہیں یہ ترغیب دے رہی ہو کہ......''

''بس بس۔'' شگفتہ پروین نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بولنے سے روکا۔

''ساری زندگی آپ کے ابا میاں کے لیکچر سنے، اب اس سال پہلی دفعہ خود قربانی کرنے کی سعادت مل رہی ہے تو آپ شروع ہو گئے۔''

''مگر شگفتہ تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا، ادھار قرضہ لے کر کون سی قربانی کی جاتی ہے، دنیا کو دکھانے کے لئے خود کو قرضے کی زنجیر میں جکڑ لینا کہاں کی دانش مندی ہے، میں تو کہتا ہوں عید ابا میاں کے گھر کرتے ہیں اور ان کی گائے میں حصہ ڈال دیتے ہیں اور......''

''کیا؟'' شگفتہ پروین چلائیں۔

''نکل آئیں اب ابا میاں کی گود سے اور ایسا سوچنا بھی نہیں کہ ہم گائے میں حصہ ڈالیں گے۔''

''پھر...... پھر کہاں سے آئیں گے تیس ہزار اور۔'' قاسم رضا کو بھی طیش آ گیا۔

''پہلے ہی تم نے میرے منع کرنے کے باوجود اکرم بھائی سے پچاس ہزار قرضہ لے لیا، بھلا کیا سوچتے ہوں گے وہ بھی۔'' انہوں نے ساری زندگی کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا تھا۔

''کچھ نہیں سوچتے ہوں گے، قرضہ لیا ہے، کوئی اللہ واسطے نہیں لئے پیسے میں نے اپنے بھائی سے، دے دیں گے انہیں واپس۔'' شگفتہ پروین کو کوئی غم نہیں تھا۔

''ہونہہ دے دیں گے۔'' قاسم رضا کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''کتنی آسانی سے تم نے کہہ دیا ہے دے دیں گے واپس، کہاں سے دیں گے، بولو...... بولو نہ، کیسے دیں گے واپس۔'' وہ بھی جھنجھلا اٹھے۔

''وہ میں جانوں اور میرا بھائی۔'' شگفتہ پروین بے فکری سے ہاتھ نچاتے ہوئے بولیں۔

''نہ مجھے بھی تو پتہ چلے نہ کیسے دو گی۔'' قاسم رضا جیسے پیچھے پڑ گئے، شگفتہ پروین عاجز آ گئیں۔

''آپ تو پیچھے پڑ جاتے ہیں۔'' وہ تنگ آ کر بولیں۔

''جو خرچہ مہینے کا دو گے اس میں سے دو ہزار روپے مہینہ کر کے دے دیا کروں گی بھائی صاحب کو، بس آپ واپسی کی فکر نہ کریں، ہمیں صرف وہ اونچی تگڑی گائے لا دیں جو گھر کے آگے بندھی ہو تو سب پر رعب پڑے۔''
''اچھا۔'' قاسم رضا طنزیہ بولے۔
''اور باقی کا تیں ہزار کہاں سے آئے گا؟''
''باقی کا تیں ہزار۔'' انہوں نے جیسے خود کلامی کی۔
''ہاں...... یہ لو......'' انہوں نے جلدی سے کلائی میں پڑی چوڑیوں میں سے ایک چوڑی اتار دی۔
''یہ تولے کی ہے، اسے بیچ دو۔''
''کیا؟'' قاسم رضا اچھل پڑے۔
''ہوش میں تو ہو۔''
''قاسم صاحب، چوڑی کا کیا ہے اور بن جائے گی، مگر بچوں کی خوشی بھی تو ضروری ہے۔''
''بچوں کی خوشی...... یا نمود و نمائش۔''
انہیں لگا اب ہر سال یہی ہوا کرے گا، انہیں بے اختیار ابا میاں یاد آئے، انہوں نے سر تھام لیا۔

☆☆☆

محسن رضا سٹور پر جانے کے لئے تیار ہوئے تو لقمان نے بتایا کہ ابا میاں بلا رہے ہیں، وہ کلائی پر گھڑی کا اسٹریپ باندھتے ہوئے ابا میاں کے کمرے کی طرف چل پڑے۔
''جی ابا میاں! بلایا آپ نے؟'' وہ کمرے میں داخل ہوئے تو ابا میاں کو گہری سوچ میں ڈوبا ہوا پایا۔
''ہاں بیٹا آؤ۔'' ابا میاں اپنی وہیل چیئر کا رخ ان کی طرف گھماتے ہوئے بولے تو محسن رضا نے جلدی سے وہیل چیئر خود سنبھال لی۔
''بیٹا عید نزدیک آ رہی ہے، کیا سوچا قربانی کا؟''
''سوچنا کیا ابا میاں، جیسے ہر سال کرتے ہیں، اسی سال بھی، وہی کریں گے۔''
''جی ابا میاں، پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' بائیس سالہ سلمان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا، ابا میاں چونک پڑے۔
''جیسے ہر سال گائے لیتے ہیں، ویسے ہی اس سال بھی کرتے ہیں، گائے لے آتے ہیں۔'' ابا میاں کو اپنے پوتے پوتیوں میں یہ ہونہار پوتا بہت عزیز تھا۔
''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا...... مگر...... پہلے کی بات اور تھی...... میرا مطلب ہے سب کچھ ایک جگہ تھا، اور پھر......'' وہ کہتے کہتے رک گئے، محسن رضا ان کا دکھ اچھی طرح جانتے تھے۔
''ابا میاں...... آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں، اللہ مالک ہے، وہ جیسے چاہے گا ہو جائے گا۔'' وہ رسان سے کہتے ہوئے ان کے سامنے بیٹھ گئے۔
''محسن...... بیٹا...... میں نے عاصم اور قاسم کو الگ گھر میں شفٹ تو کر دیا ہے مگر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ دونوں خوش نہیں ہیں۔''
''کیوں ابا میاں...... کوئی بات ہوئی ہے کیا؟'' وہ اپنے مخصوص مدھم لہجے میں پوچھ رہے تھے۔
''نہیں بیٹا...... بس ایسے ہی، مجھے لگا جیسے......'' وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گئے۔
''ابا میاں۔'' محسن رضا گہری سانس لے کر بولے۔
''آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور ہاں...... یہ لیں۔'' انہوں نے واسکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک لفافہ نکال کر ان کے

ہاتھ میں تھما دیا۔
''یہ کیا ہے؟''
''ابا میاں جیسے ہر سال گائے میں حصہ ڈالتے ہیں، میرا مطلب تینوں بھائی مل کر تو اس بار بھی یہ ہم تینوں بھائیوں کا حصہ ہے۔''
''تمہارا مطلب ہے۔'' ابا میاں کے چہرے پر محسن رضا کو بہت دنوں بعد خوشی نظر آئی۔
''جی ہاں...... آپ ٹھیک سمجھے، کل عاصم اور قاسم مختلف اوقات میں سٹور آئے تھے اور اپنا اپنا حصہ دے کر گئے ہیں اور یہ بھی کہا کہ ابا میاں کی گائے میں ہمارا حصہ ہمیشہ اسی طرح چلے گا۔''
''کیا واقعی محسن بیٹا تم سچ کہہ رہے ہو۔'' ان کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔
''جی ابا میاں۔'' سلمان مسکراتا ہوا ان کے پاس آ بیٹھا۔
''اور شام کو ہم لوگ گائے لینے جائیں گے۔''
''اور ابا میاں...... عید والے دن خوب رونق لگے گی ہمارے گھر...... مدحت نجانے کہاں سے وہاں آ گئی تھی۔''
''انشاء اللہ بیٹا، انشاء اللہ۔'' ابا میاں کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔

☆☆☆

احسان رضا احمد اپنے ماں باپ کے اکلوتے فرزند تھے، ان کے والد کا شہر کے وسط میں موجود مارکیٹ میں کپڑے کی دکان تھی۔
احسان رضا پڑھ لکھ کر فارغ ہوئے تو والد کے ساتھ کام میں شریک ہو گئے، وقت گزرنے کے ساتھ کاروبار کو وسعت دیتے گئے مگر اس چکر میں قرض دار بھی ہو گئے، احسان رضا نے کاروبار کو وسعت دینے کے لئے بینک سے قرضہ لیا تھا، سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا مگر اچانک مارکیٹ میں بھڑک اٹھنے والی آگ نے جہاں کئی دکانیں جلا ڈالیں وہیں ایک دوکان احسان رضا کی بھی تھی، شب برات کے موقع پر آتشی مواد سے بھڑکنے والی آگ نے کئی گھرانے تباہ کر ڈالے احسان رضا کے والد نے اتنا اثر لیا کہ خبر سنتے ہی دل تھام لیا اور پھر اٹھ نہ سکے۔
احسان رضا کی دنیا اندھیر ہو گئی تھی، سب کچھ جل چکا تھا البتہ بینک کا قرضہ جوں کا توں تھا، اپنے والد کو دفنانے کے بعد ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور جیسے تیسے کر کے پھر سے زندگی کا آغاز کیا اور اس بار گھر گروی رکھ کر کاروبار شروع کیا، اپنے گھر سے کرایے کے گھر میں آ گئے مگر کاروبار جمانے میں کامیاب ہو گئے، آہستہ آہستہ بینک کا قرضہ اترتا گیا، والدہ نے قرضہ اترتے ہی احسان رضا کی شادی کر دی، شریک حیات بھی نیک اور دیندار خاتون تھیں سو خوب بھی اللہ نے تین بیٹوں سے نوازا، سب سے بڑے احسان رضا تھے دوسرے نمبر پر قاسم رضا اور آخری نمبر پر عاصم رضا۔
فاطمہ بی بی نے اپنے بچوں کی بہترین پرورش کی اور تینوں بیٹے ماں باپ کے فرمانبردار تھے، احسن رضا کی شادی کلثوم بیگم سے ہوئی، کلثوم ان کے دوست کی بیٹی تھیں، شرافت کلثوم کی گھٹی میں پڑی تھی، بائیس سالہ سلمان، اٹھارہ سالہ فیضان اور سولہ سالہ مدحت ان کے تین بچے تھے، قاسم رضا کی شادی شگفتہ پروین سے ہوئی ان کے بھی تین بچے تھے، بڑا اسامہ جو گیارہ سال کا تھا، آٹھ سالہ زینی اور چھ سالہ سعد، قاسم رضا اور احسن رضا کی شادیاں خالصتاً اماں جان اور ابا میاں کی مرضی سے ہوئیں البتہ عاصم رضا کی شادی پسند کی تھی اور ان کی بیوی سیما کا تعلق انتہائی دولت مند مگر شریف گھرانے سے تھا، ابا

میاں اگرچہ طبقاتی فرق کی وجہ سے اس شادی کے حق میں نہیں تھے مگر سیما کے والد عاصم رضا کی شرافت کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ انہوں نے طبقاتی فرق کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بیٹی کی مرضی دیکھتے ہوئے عاصم رضا کو داماد بنانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی، ابا میاں نے ان کی مرضی دیکھی تو شادی میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، سب ہنسی خوشی رہ رہے تھے، مگر سیما، جو اعلیٰ سہولتوں کی پروردہ تھیں، ان کے والد کرامت چوہدری نے احسان رضا کے گھر کے پاس ہی ایک کوٹھی خرید کر سیما کو گفٹ کی تو جیسے گھر میں ہلچل مچ گئی اور ابا میاں نے اس دن خود کو فیصلہ کرنے میں بہت بے بس محسوس کیا، مگر اماں جان کی دانش مندی نے جیسے سارا معاملہ حل کر دیا، انہوں نے ابا میاں کو آمادہ کیا کہ عاصم رضا کو نئے گھر میں رہنے کی اجازت دیں۔

عاصم رضا اور سیما کے شفٹ ہوتے ہی قاسم رضا کی بیوی شگفتہ پروین نے بھی دبی زبان میں کہنا شروع کر دیا کہ سیما امیر ماں باپ کی اولاد ہے تو ابا میاں نے اسے الگ گھر میں رہنے کی اجازت دے دی اگر وہ بھی امیر کبیر گھرانے کی ہوتی تو وہ بھی عیش کرتیں، ابا میاں تک یہ باتیں مختلف وسیلوں سے پہنچیں تو احسن رضا سے مشورہ کرکے ابا میاں نے قاسم رضا اور شگفتہ پروین کو اپنے گھر کے سامنے گھر خرید دیا، الگ ہوتے ہی شگفتہ نے پر پرزے نکالنا شروع کر دیا اور ادھر شگفتہ نے قاسم کو اور دوسری طرف سیما نے عاصم کو قربانی کے جانور کے لئے تنگ کرنا شروع کر دیا، دونوں بھائی اپنی اپنی بیویوں کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے مگر دونوں کی ایک ہی رٹ تھی سیما اپنے دروازے پر اونٹ دیکھنا چاہتی تھی تو شگفتہ کا خواب اونچی، خوبصورت تندرست گائے تھی، شگفتہ نے اس مقصد کے لئے اپنے بھائی سے قرض پکڑ لیا تھا، تو سیما نے عاصم کو مجبور کر دیا کہ دفتر سے لون لے کر جانور لائے تاکہ وہ بھی اپنی بہن کے مقابلے پر اونٹ کی قربانی کر سکے۔

عاصم کے پاس جتنے پیسے تھے اس میں اسے بہت کوشش کے باوجود اونٹ نہیں مل رہا تھا، عاصم نے گائے خریدنا چاہی مگر سیما نے ہنگامہ اٹھا دیا آخر کار ایک کمزور سا اونٹ عاصم اٹھا لائے، سیما کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اونٹ دروازے پر بندھا تھا، بھلے بیمار تھا مگر تھا تو اونٹ، دوسری طرف شگفتہ پروین نے اسی ہزار میں خوب صحت مند گائے خریدی تھی جو جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی غصہ ور بھی تھی، جب قاسم رضا اسے لے کر آئے تب گاڑی سے اترنا ہی گائے کا محال ہو گیا، ہزار کوششوں کے باوجود گائے گاڑی سے نیچے آنے کا نام نہیں لے رہی تھی، چاروں طرف سے پڑوسی نکل آئے، سامنے سے سلمان فیضان بھی آ چکے تھے سب مل کر کوشش کر رہے تھے، آخر اللہ اللہ کرکے گائے نے باہر قدم رکھا سب نے اللہ کا شکر ادا کیا، گائے آہستہ آہستہ گاڑی کے ساتھ لگے تختے کی مدد سے نیچے اتر آئی سب نے سکھ کا سانس لیا، گائے نے سر ہلایا سامنے کھڑی شگفتہ پروین نے بڑے فخر سے اِدھر اُدھر دیکھا اور بڑے پیار سے گائے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا بس ہاتھ رکھنا غضب ہو گیا، گائے نے غصے سے شگفتہ پروین کو دیکھا، نتھنوں کو پھلا کر زوردار آواز نکالی اور سر جھکا کر حملے کی تیاری کی شگفتہ جلدی سے گھر کی طرف بھاگی، گائے نے گردن ہلا کر رسی چھڑائی جو قاسم رضا کے ہاتھ میں تھی اور جدھر سینگ سمائے ادھر بھاگ نکلی، سلمان فیضان اسامہ اور دیگر پڑوسیوں کے ساتھ گلی کے بچے بھی گائے کو پکڑنے بھاگے۔

''ہائے میری گائے۔'' شگفتہ پروین کے منہ سے بے ساختہ نکلا، پوری گلی میں پکڑو پکڑو کا شور مچ گیا، اب حال یہ تھا کہ آگے آگے گائے بھاگ رہی تھی اور پیچھے پیچھے لوگ تھے، شگفتہ پروین وہیں چوکھٹ میں بیٹھ گئی۔

''گائے نہیں بھاگی بلکہ اسی ہزار بھاگے تھے۔'' شگفتہ کے اندر کسی نے دہائی دی۔

☆☆☆

ابا میاں ٹیرس سے سارا نظارہ دیکھ رہے تھے، انہوں نے احسن رضا اور عاصم رضا کو فون کرکے گائے کے بھاگنے کی اطلاع دے دی لہٰذا وہ دونوں بھائی بھی اپنے اپنے کام چھوڑ چھاڑ گائے کی تلاش میں نکلے، سب گائے کے پیچھے ہلکان ہو رہے تھے آخر کار دو ڈھائی گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد گائے کو پکڑ پکڑا کر واپس لایا گیا اور کھونٹے سے باندھ دیا، گائے اب بھی غصے میں تھی وہ اپنے پاؤں بار بار زمین پر مار رہی تھی، شگفتہ پروین کے سارے پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے انہوں نے تو سوچا تھا گائے کی خوب خدمت کریں گی، صبح شام نہلایا کریں گی پانی، چارہ بڑے پیار سے کھلایا کریں گی مگر یہ گائے تو انہیں ہاتھ نہیں رکھنے دے رہی تھی، وہ اب پریشان ہو گئی تھیں۔

''ہائے اللہ قاسم بچوں کو کتنا شوق تھا کہ گائے کو رسی سے پکڑ کر ٹہلانے جایا کریں گے۔''

وہ قاسم رضا کا سر کھا رہی تھیں۔

''اب بچے کیا کریں گے، وہ کیسے گائے کو گلی میں پھرایا کریں گے۔''

''چلو اچھا ہے، اللہ نے بچوں کو نمود و نمائش سے محفوظ رکھا۔'' قاسم رضا نے ٹی وی کے ریموٹ سے آواز کھولی۔

''ورنہ تم نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، بچوں کو گلی میں رعب جمانے کے بہانے، دوسروں کو حسرت میں مبتلا کرنے کی۔''

''مطلب؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''مطلب...... تمہارے لاڈلے گائے کی رسی تھامے اتراتے پھرتے اور جن کے پاس نہیں ہے وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتے اچھا ہوا گائے خود ہی ہاتھ نہیں لگانے دے رہی اور ہاں بچوں کو سمجھا دینا گائے کو نہ چھیڑیں کبھی خدا نخواستہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔'' قاسم رضا جھنجھلا گئے تھے وہ سارا دن گائے کی بھاگ دوڑ میں بہت تھک گئے تھے۔

☆☆☆

سیما نے اونٹ تو لے لیا تھا مگر جیسے جیسے عید کے دن نزدیک آ رہے تھے اونٹ نجانے کیوں لاغر سا ہوتا جا رہا تھا، بجائے کھڑا ہونے کے بیٹھا رہتا تھا۔

''عاصم یہ کھڑا کیوں نہیں ہو رہا۔'' سیما نے بہت کوشش کی کہ اونٹ کسی طرح کھڑا ہو جائے مگر اونٹ نے کھڑا ہو کر نہ دیا، سیما اونٹ کے ساتھ اپنی تصویر لے کر فیس بک پر لگانا چاہ رہی تھی، عاصم رضا بھی پریشان ہو گئے تھے، اونٹ شاید بیمار تھا انہوں نے اونٹ کے مالک کی تلاش میں منڈی چھان ماری مگر وہ تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گیا تھا۔

''کتنا کہا تھا گائے لے لو، مگر تم نے میری ایک نہ سنی۔'' وہ پریشانی سے سیما پر برس پڑے۔

''اونٹ ہی لینا ہے، اب اس اونٹ کو کچھ ہو گیا تو۔'' سیما بھی پریشان ہو گئی۔

''تمہیں اپنی جھوٹی شان و شوکت کی پڑی تھی، اگر گائے یا بکرا آ جاتا تو تمہاری شان گھٹ جاتی، ہیں نہ۔''

''ہاں تو میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ بیمار جانور لے آؤ۔'' سیما کو بھی غصہ آ گیا۔

''پورا سال لون کے پیسے کٹتے رہیں گے۔'' عاصم رضا کو اتنا بڑا نقصان ہضم نہیں ہو رہا تھا، انہوں نے جانوروں کے ڈاکٹر کو بلوایا اس نے بھی ہزاروں کا بل بنا دیا، سیما بھی پریشان تھی کوس رہی تھی اس وقت کو جب اونٹ کی ضد کی تھی۔

☆☆☆

عید میں ایک دن رہ گیا تھا، ابا میاں کی گائے آ گئی تھی، شگفتہ پروین کے بچے اپنی گائے سے ڈر کر ابا میاں کی گائے کے آگے پیچھے پھر رہے تھے، زیبی اسامہ اور سعد سارا دن ابا میاں کے گھر گھسے رہتے، ابا میاں بچوں کو اپنے گھر میں دیکھ دیکھ کر خوش تھے، وہ بھی اپنی وہیل چیئر کے ساتھ بچوں کے ساتھ گائے کی خدمت کرتے، سلمان، فیضان، مدحت اور زیبی وغیرہ، ابا میاں کے گھر میں خوب رونق لگی ہوئی تھی، ایسے میں شگفتہ پروین کے دل میں ایک ہی بات آ رہی تھی کہ نہ نمود و نمائش کے چکر میں پڑتی نہ قرض دار ہوتے، پریشانی بھی اٹھائی، کلثوم بھابھی نے سب بچوں کو کھانے کے لئے اندر بلایا تو فیضان بھی ابا میاں کی وہیل چیئر تھام کر اندر چل پڑا، ابا میاں سب بچوں کو ایک ساتھ دیکھ کر بہت خوش تھے، اماں جان نے سب بچوں کو ہاتھ دھونے بھیجا اور کلثوم کے ساتھ کھانا لگانے لگیں۔

☆☆☆

''عاصم کچھ کرو نہ۔'' سیما روہانسی ہو گئی۔

''یہ اونٹ ذرا سی دیر کے لئے ہی کھڑا ہو جائے۔''

''میں کیا کروں سیما، میں تو خود پریشان ہوں۔'' عاصم رضا واقعی پریشان تھے۔

''عاصم مہمانوں کے سامنے میں کیا کہوں گی، بھلا ہم نے بیمار اونٹ لے لیا۔'' اب اسے نئی پریشانی نے آ گھیرا۔

''ہمیں کوئی الہام نہیں ہوا تھا کہ اونٹ گھر لاتے ہی بیمار ہو جائے گا۔''

''اور کون سے مہمان؟'' عاصم رضا کو غصہ آ گیا، ایک تو لون لے کر سیما کی ضد پوری کی اور الٹا نقصان ہوا اور اب یہ کون سے مہمان۔

''وہ...... وہ...... عاصم...... میں نے شیما باجی کو انوائٹ کیا ہے، کہ میرے گھر میں پہلی قربانی ہے تو آپ آ جانا اب...... اب میں کیا کروں۔'' وہ باقاعدہ رونے لگی۔

''وہ کیا کہیں گی کہ ہم نے......'' اس سے بات بھی پوری نہ ہوئی۔

''ابھی بھی سیما تمہیں یہ فکر ہے کہ وہ کیا کہیں گی۔'' عاصم طنزیہ بولے۔

''تمہیں اس بات کا کوئی دکھ نہیں کہ تمہارے میاں کا کتنا نقصان ہوا ہے، لون کے پیسے سارا سال کٹیں گے اور تمہیں خیال ہے تو یہ کہ تمہاری بہن کیا کہیں گی...... واہ سیما بیگم واہ۔'' وہ بہت تلخی سے بولے، سیما شرمندہ ہو گئی، اس نے یہ تو سوچا ہی نہیں۔

''عاصم اونٹ کتنے کا تھا؟'' وہ آنسو ہاتھوں سے صاف کر کے پوچھنے لگی۔

''پورے ایک لاکھ بیس ہزار کا۔'' عاصم کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا، سیما کو بھی اب اس کے دکھ کا اندازہ ہوا۔

''عاصم اب کیا ہوگا؟''

''میں کیا بتاؤں کیا ہوگا بس دعا کرو صبح خیر سے ہو۔''

''کیا مطلب؟'' سیما نے خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اگر کہیں یہ عید سے پہلے مر گیا تو۔'' عاصم نے اپنی پریشانی اسے بتائی تو وہ اپنی پریشانی بھول گئی، یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا، اب کیا ہو گا، ''یہ سارا میری ضد کا نتیجہ ہے۔'' ذرا دیر بعد وہ آنسوؤں سے بھیگی آواز میں بولی۔

''میں نے کتنا کہا تھا ابا میاں کے گھر عید کرتے ہیں مگر نہیں، تمہیں تو اونٹ چاہیے تھا، اب وہ بندھا ہے تمہارے دروازے پر اونٹ، جاؤ دنیا کو دکھاؤ۔'' عاصم رضا تلخی سے کہہ رہے تھے تب ہی باہر شور مچا۔

''پکڑو پکڑو...... بھاگنے نہ پائے...... پکڑو۔'' وہ گھبرا کر باہر نکلے، ان کی توقع کے عین مطابق قاسم رضا کی گائے رسی تڑوا کر بھاگ نکلی تھی، وہ بھی سب بھول بھال جلدی سے چپلیں پیروں میں ڈال بھاگنے والوں میں شامل ہو گئے، شگفتہ پروین اپنے دروازے پر بدحواس سی کھڑی تھیں۔

''ہائے میرے اللہ۔'' اس نے دہائی دی۔

''نہ میں اونچی تگڑی گائے کی ضد کرتی، نہ یہ سارے ہنگامے ہوتے۔'' گائے نے رسی تڑوانے کے چکر میں ایک پڑوسی کے زوردار ٹکر ماری تھی، جسے فیضان اور احسن رضا ہسپتال لے کر بھاگے تھے۔

''یا اللہ مجھے معاف کر دے۔'' وہ چپکے سے دعا کر رہی تھیں۔

☆☆☆

عید کا چاند جہاں بہت سی خوشیاں لے کر آیا وہاں عاصم اور قاسم کے لئے پریشانیاں بھی ساتھ لے آیا، عاصم رات ہی رات میں دو دفعہ ڈاکٹر کو بلا لائے تھے مگر اونٹ مزید نڈھال ہو گیا تھا، ادھر قاسم کی گائے ہزار جتنوں کے بعد پکڑ کر لائی گئی تھی اس دفعہ گائے نے سب کو خوب بھگایا تھا، سب بہت تھک گئے تھے، دوسری طرف ابا میاں کی گائے نجانے کس مٹی کی بنی تھی شریف اور بھولی بھالی، بچے گائے پر مہندی لگانے کا پروگرام بنائے بیٹھے تھے مگر اماں جان نے بچوں کو سمجھایا کہ ایسا نہیں کرتے بلکہ قربانی کے جانور کھانے پینے کا خوب خیال رکھتے ہیں۔

''ہم جو قربانی کرتے ہیں اس کا خون اور گوشت تھوڑی اللہ کو پہنچتا ہے۔'' اماں جان بچوں کو بتا رہی تھیں۔

''بلکہ ہمارا تقویٰ اللہ تک پہنچتا ہے، کہ ہم نے اللہ کی رضا میں یہ جانور قربان کیا ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ اللہ کو بکرے کا گوشت یا خون سے کچھ لینا دینا ہے۔''

''پھر اماں جان ہم کیوں قربانی کرتے ہیں۔'' زیبی حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''بیٹا ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پیارے بیٹے کو قربان کرنے کا ارادہ کیا مگر اللہ نے ان کی نیت، ان کے تقویٰ کو دیکھا اور فرمایا ابراہیمؑ تمہاری آزمائش پوری ہوئی اور بچو پتہ ہے حضرت اسماعیلؑ کی جگہ حضرت جبرائیلؑ جنت سے جو دنبہ لائے وہ قربان ہوا، تو مقصد یہ ہے کہ اے اللہ ہم تیری راہ میں جب بھی ضرورت پڑی اپنی بڑی سے بڑی چیز قربان کر دیں گے، تیری عظمت تیری حرمت کی خاطر اپنی قیمتی سے قیمتی متاع تک قربان کر دیں گے۔''

''اماں جان میں سمجھ گیا۔'' اسامہ بولا۔

''بھلا کیا سمجھا ہے ہمارا شہزادہ۔'' ابا میاں لاڈ سے پوچھ رہے تھے۔

''میں یہ سمجھا ابا میاں کہ یہ فرض ہے جو ہم نے ادا کرنا ہے۔''

''شاباش میرے بچے، یہ واقعی فریضہ ہے

مگر تمہیں بتاؤں، قربانی سب مسلمانوں پہ فرض نہیں ہے۔"

"نہیں۔" زیبی حیران ہوئی۔

"پھر ابا میاں۔" اب کے سعد بولا۔

"بیٹا! قربانی صرف صاحب استطاعت مسلمانوں پر فرض ہے، مطلب اگر تمہاری حیثیت ہے قربانی کا جانور خریدنے کی تو ضرور خریدو اور اگر نہیں خرید سکتے تو زبردستی تھوڑی ہے۔"

"یعنی قربانی..... فرض ضرور ہے مگر اگر پیسے نہیں ہیں تو ہمیں قرضہ لے کر نہیں کرنی چاہیے۔" اسامہ کے سامنے ماں باپ کی بحث آ رہی تھی، کہ اکرم ماموں سے پچاس ہزار قرضہ لینے پر دونوں میں تکرار ہوئی تھی۔

☆☆☆

عید کی صبح عاصم فجر کی نماز کے لئے باہر آئے تو اونٹ کو دیکھ کر دھک سے رہ گئے، رات کے نجانے کسی پہر اونٹ مر گیا تھا، سیما بھی باہر نکل آئی اور اونٹ کو مردہ حالت میں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"عاصم...... میرا اونٹ۔" وہ سسکیوں سے رو رہی تھی، عاصم کا دل ڈوب رہا تھا، کوس رہے تھے اس وقت کو جب بیوی کی ضد میں آ کر دفتر سے لون لیا تھا۔

☆☆☆

عاصم، قاسم، سلمان وغیرہ اونٹ کو کارپوریشن کے حوالے کرنے میں بہت خوار ہوئے تھے، سیما اتنی افسردہ تھی کہ شیما کو فون بھی نہیں کیا کہ اونٹ کے مرنے کی اطلاع ہی دے دے، دوپہر کے ٹائم عاصم کی گائے ذبح کرنے کی باری آئی اور قصائی کے آنے پر گائے نے وہ ہنگامہ اٹھایا کہ الامان، سونے پہ سہاگہ قصائی بھی اناڑی تھا، انہوں نے ذبح کرنے کے لئے گائے کو گرا تو لیا مگر ابھی چھری پھرنے بھی نہیں پائی تھی کہ گائے بھپر کر بھاگی، گائے چونکہ چھری دیکھ چکی تھی اس لئے نہایت خطرناک ہو گئی تھی۔

گائے نے راستے میں کئی لوگوں کو زخمی کر دیا تھا، عاصم رضا کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے، بھاگتے بھاگتے گائے ایک گھر میں گھس گئی وہاں گائے نے بہت تباہی مچائی اور ایک بچے کو پیروں میں روندنے ہی والی تھی سب کی چیخیں نکل گئیں، تب ہی اچانک ایک پولیس والا وہاں سے گزر رہا تھا، اس نے جو یہ ہنگامہ دیکھا تو جھٹ بیلٹ میں لگا ریوالور نکالا اور پے در پے کئی فائر کر کے دیوانی ہوئی گائے کو ختم کیا، گائے کے گرتے ہی عاصم رضا نے لپک کر بچے کو اٹھایا بچہ دہشت کے مارے بے ہوش ہو گیا تھا، سڑک پر گائے پڑی تھی، سب بچے کو لے کر ہسپتال بھاگے۔

☆☆☆

عاصم کے گھر میں سیما انتہائی افسردہ بیٹھی تھی، عاصم گھر آ چکا تھا، دونوں خاموش تھے۔

"ارے بھئی بچو کہاں ہو؟" تب ہی اچانک اماں جان کی آواز سنائی دی، دونوں نے دروازے کی سمت دیکھا۔

"چلو بھئی تمہارے ابا میاں بلا رہے ہیں، گائے قربان کرنے کا ٹائم ہے اور تم دونوں یہاں بیٹھے ہو۔" انہوں نے کہا، سیما کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"نہیں بیٹا روتے نہیں ہیں، جو ہوا اس میں ضرور اللہ کی کوئی مصلحت ہو گی، اگلی بار سہی، پھر اونٹ لے لینا، اللہ ضرور دے گا، بس۔"

"نہیں اماں جان، یہ سب میری ضد کی نتیجہ تھا۔" سیما آنکھیں پونچھتی ہوئی بولی۔

"عاصم تو کہہ رہے تھے کہ......"

"بیٹا قربانی فریضہ ہے، مگر افسوس ہم نے

اسے نمود و نمائش میں پڑ کر اپنی جان کا روگ لگا لیا ہے کہ ہو نہ ہو قربانی ضرور ہو، جتنی حیثیت ہوا تنی قربانی کر کے دنیا کو کھلایا جائے تب ہی قربانی ہو گئی بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ جتنا پیسہ ہم نمود و نمائش پر صرف کرتے ہیں ان پیسوں سے کسی غریب کی بیٹی کی شادی بھی ہو سکتی ہے کسی کا علاج بھی کروایا جا سکتا ہے۔" اماں جان اپنے مخصوص مدھم لہجے میں بول رہی تھیں اور سیما گم صم تھی اسے تو صرف اپنی بہن بھائیوں پر رعب جمانے کی فکر تھی، اللہ کو خوش کرنے کا خیال تو آیا ہی نہیں، وہ شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

تب ہی شیما اور اس کے بچے آ گئے، اماں جان سے مل ملا کر سب کو لے کر گھر پہنچیں، شگفتہ پروین اور قاسم بھی آ چکے تھے اماں جن سیما اور شیما کے ساتھ جیسے ہی آئیں، قربانی کا فریضہ انجام دیا جانے لگا، فیضان، سعد اور زیبی سب پہلے ہی موجود تھے۔

شگفتہ پروین شرمندگی سے چور تھیں، اپنی ضد میں انہوں نے نہ صرف مالی نقصان اٹھایا تھا بلکہ ذہنی اذیت سے بھی دوچار رہیں، انہوں نے چور نظروں سے سامنے دیکھا احسن، عاصم، قاسم کے ساتھ ساتھ سلمان، فیضان قربانی میں مصروف تھے، ابا میاں پاس ہی موجود تھے ان کے چہرے پر خوشی محسوس ہو رہی تھی آخر کیوں نہ ہوتی ایک مقدس فریضہ ادا کر رہے تھے، شگفتہ اور سیما دل ہی دل میں عہد کر چکی تھیں کہ آئندہ قربانی فریضہ سمجھ کر کرنی ہے نہ کہ نمائش، وہ سمجھ گئیں تھی کہ قربانی سے اللہ کو خوش کرنا ہے لوگوں کو نہیں، سیما، شگفتہ پروین کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"اللہ اکبر۔" تب ہی گائے ذبح کرنے کے لئے بلند آواز میں تکبیر پڑھی گئی، دونوں ادھر متوجہ ہو گئیں آخر ایک مقدس فریضہ ادا کیا جا رہا تھا، دونوں قربانی کا مفہوم سمجھ چکی تھیں۔

☆☆☆

حنا کہانی

شگفتہ شاہ

فرق

پہلا منظر

ایک تیز رفتار کار موٹر سائیکل پر سوار دو افراد کو ٹکر مارتے ہوئے گزر کر چلی گئی اور ڈرائیور نے یہ دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی کہ آیا کون زخمی ہوا ہے اور انہیں اسپتال پہنچانے کی ضرورت تو نہیں، اس کے بدلے رستے پر چلنے والے لوگوں اور دوسری کار کے ڈرائیور نے اپنی گاڑی روک کر انہیں اسپتال پہنچایا، جو کہ شدید زخمی تھے۔

رشتے داروں کو پتا چلا تو دوڑے آئے اور شکر کیا کہ جان تو بچ گئی ان کی بروقت مدد ملنے سے۔

دوسرا منظر

وہ سڑک کراس کرنے کے لئے بڑھا ہی تھا کہ تیز رفتار سے موڑ مڑ کر آنے والی پک اپ نے اسے ٹکر مار دی، وہ خون میں لت پت ہو گیا، ڈرائیور گاڑی روک کر دوڑا آیا اور اسے دوسروں کی مدد سے اسپتال پہنچایا اور اسے بروقت ایڈمٹ کیا گیا، ڈرائیور نے ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگی اور اسے علاج کے اور دواؤں وغیرہ کے پیسے دینے چاہے تو وہ بولا۔

''نہیں بھائی، بہت شکریہ، حادثے تو اچانک ہو جاتے ہیں آپ نے جان بوجھ کر تو مجھے ٹکر نہیں ماری۔''

ڈرائیور اس کے جواب اور بردباری پر بہت حیران ہوا۔

تیسرا منظر

بہت سارے لوگ جمع تھے جس کی وجہ سے ٹریفک بلاک ہو چکا تھا، سخت گرم دوپہر میں لوگ اس ٹریفک جام میں بے چین تھے، اس نے وجہ جاننی چاہی تو اسے نظر آیا کہ سیدھی جانے والی ایک گاڑی سائیڈ سے آنے والی تیز رفتار گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچ گئی تھی مگر ایک گاڑی کا ڈرائیور دوسری گاڑی والے کا گریبان پکڑے اس پر تابڑ توڑ مکے برسا رہا تھا، لوگ بیچ بچاؤ کی کوشش کر رہے تھے۔

وہ حیران ہو کر سوچ رہی تھی کہ نہ کسی کا نقصان ہوا نہ کسی کو خراش آئی مگر بجائے خدا کا شکر ادا کرنے کے وہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے اور ان کی وجہ سے سارا ٹریفک رکا ہوا تھا۔

☆

کتنا فرق ہوتا ہے مختلف لوگوں کے رویوں میں..............!!!

اخلاقی جرم

خاتون کی آواز سننے کے بعد سارا سارا دن انجانے نمبروں سے کالز کا آنا یا پھر اخلاق سے گرے ٹیکسٹ پیغامات کا آنا ایک معمول کی بات ہے، مرد اس طرح سے خواتین کی زندگیوں میں بلا اجازت و جواز گھس کر انہیں ذہنی اذیت دیتے ہیں کہ کبھی تو وہ خود کو گھر میں بھی غیر محفوظ محسوس کرتی ہیں، یہ بھی جنسی طور پر خواتین کو حراساں کرنے کا ایک قسم ہے پھر اسے بھی خواتین کے

لئے جنسی حراساں کرنے کے آرڈیننس کا حصہ کیوں نہیں بنایا گیا؟

وہ سوچتی...... یہ تو وہ جرم ہے جس سے ہر عام گھریلو اور مذہبی خاتون بھی محفوظ نہیں تو پھر کیا اس کے خلاف بھی کوئی ایف آئی آر یا آرڈیننس ہو سکتا ہے؟

صلہ

اتنے برسوں کے انتظار کے بعد دیار غیر سے شوہر کی طرف سے نامہ ملا تو وہ خوشی سے پاگل ہو کر لفافہ کھولتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اب اس نے اسے بلایا ہوگا، وہ اس کے پاس جائے گی اب وہ ساتھ رہیں گے۔

جیسے ہی اس نے لفافے سے کاغذات نکالے تو انہیں پڑھ کر سن ہو گئی...... کیونکہ...... غیر ملکی لڑکی سے شادی کی اطلاع کے ساتھ طلاق نامہ آیا تھا۔

سوال

''کس سوچ میں ہو؟''

''ایک سوال کا جواب نہیں مل رہا۔''

''کون سا سوال؟''

''یہی کہ اصول اور قانون کو توڑنے والے کرپٹ افسران منٹوں میں غیر قانونی کام کر دیتے ہیں مگر چیزوں کو اصول اور قانون کے مطابق لانے کے لئے کچھ لوگ ہمت کرتے ہیں اور قانون کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں تو انہیں عرصہ لگ جاتا ہے پھر بھی کامیابی یقینی نہیں ہوتی۔''

''درست ہے، چیزیں بگاڑنے کے لئے بہت کم وقت چاہیے مگر ٹھیک کرنے کے لئے عرصہ بیت جاتا ہے۔''

''اور اس سوال کا جواب کون دے گا کہ...... کہ ایسے قانون کا کیا فائدہ؟ کیوں عدل میں تاخیر بذات خود ایک ظلم ہے۔''

لیڈر

''سب انتظام پورا ہے؟''

''یس سر!''

''فوٹو گرافر اور میڈیا کے نمائندے؟''

''یس سر!''

''ہاتھ چومنے والے اور بلائیں لینے والے؟''

''یس سر!''

''حق میں نعرے لگانے والے؟''

''یس سر!''

''ٹھیک ہے، پھر چلو۔''

''سر! وہ باہر کچھ لوگ آئے ہیں، سیلاب کے ستائے ہوئے اور بے گھر افراد، مدد کے لئے۔''

''ابھی ٹال دو ان کو، وقت نہیں ہے میرے پاس۔''

خواہش

کاش! زندگی بھی کسی فلم کی طرح ہوتی، اس میں اپنی مرضی سے چیزیں ایڈ کر کے تبدیلیاں کر سکتے مرضی کی پسند کی چیزیں اس میں ڈال سکتے اور ناپسندیدہ نکال سکتے، حالات و واقعات کو اپنی مرضی کے مطابق بدل سکتے، ماضی کے واقعات اور کرداروں کو حال میں اٹھا لاتے یا پھر حال سے ماضی میں لے جا سکتے تو کتنا مزہ آتا، کاش، ایسا ہوتا۔

ہمدردی

جب یہ بات کھلی کہ تین بچوں والی بیوہ

خاتون سے اس سے دس سال چھوٹے نوجوان نے شادی کرلی ہے اور وہ بہت خوش نظر آتی تھی تو عورت کی حیثیت سے اس کی زندگی سنورنے پر خوش ہونے کی بجائے خواتین نے ریمارکس اس طرح سے دیئے۔

''اوہو..... شادی کا شوق نہیں گیا تین بچوں کے بعد بھی۔''

''بھئی ایسا کیا دیکھا اس میں کہ نوجوان تین بچوں کی ماں پر عاشق ہوگیا۔''

تب وہ سوچتی کہ۔

''ابھی واقعی ایسے لوگ ہیں جو دل میں درد رکھتے ہیں اور فی سبیل اللہ عورت کے دکھ میں شریک ہوکر سہارا دیتے ہیں۔''

مگر تین مہینے بعد ہی خبر ملی کہ اس خاتون کو طلاق ہوگئی ہے تو پھر اس قسم کے تبصرے سننے کو ملے۔

''ایسا تو ہونا ہی تھا، بڑا اترا رہی تھی۔''

''ارے نکما اور نشئی تھا، یہی تو کما کر کھلا رہی تھی۔''

''پھر بھی چھوڑ دیا اس نے۔'' اس نے سوچا اور پھر انسانیت پر سے اس کا ایمان ڈاوا ڈول ہونے لگا۔

غلطی

جب شک نے اس کے دل پر دستک دی اور اس نے اس کے اندر آنے کے لئے دروازہ کھول دیا، اسی دروازے سے محبت نکل گئی تھی اسی لمحے، اس کے دل سے، ہمیشہ کے لئے۔

زلزلہ

زلزلے کا جھٹکا شدید تھا، لوگ گھروں سے نکل آئے تھے، اس کا شوہر آفس کے کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا، گھر میں بچے اور وہ تھی، اس کے پرانے گھر کی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں تھیں، پڑوسن نے اسے فوراً بچوں کو لے کر گھر سے نکلنے کا کہا کہ آفٹر شاکس کا خطرہ ابھی موجود تھا، اس کا ایک بیٹا اور تین بیٹیاں تھیں جن میں سے سب سے چھوٹی بیٹی پیدائشی معذور تھی۔

ایک تو بیٹی، پھر وہ بھی معذور، اسے دیکھ کر اس کا اندر پارہ پارہ ہو جاتا تھا کہ اس زندہ لاش کو وہ کب تک سنبھال پائے گی؟

اس نے اپنے تینوں بچوں کو بلا کر ساتھ لپٹایا اور ایک بار یہ ظالم سوچ اس کے ذہن میں آئی تھی کہ کیوں نہ چھوٹی کو پلنگ پر پڑا رہنے دے، دوسرے جھٹکے کو گھر سہار نہیں پائے گا اور شاید گر ہی پڑے، تو...... سب زلزلہ ہی ہوا نہ۔

وہ گھر کے دروازے تک گئی تھی بچوں کے ساتھ کہ چھوٹی کی درد بھری رونے کی آواز نے اس کے پاؤں پکڑ لئے، مڑ کے دیکھا تو وہ بڑی بیچارگی سے بمشکل سر کو اٹھائے ان سب کو جاتے دیکھ کر رونے لگی تھی، اس کی آنکھوں میں حسرت اور خوف تھا، ماتا کو جھٹکا لگا اور وہ جیسے ہوش میں آگئی اور دوڑ کر اسے اٹھایا، گلے لگایا اور پیار کیا اور گود میں لئے بچوں کو لے کر گھر سے باہر نکل کر میدان میں آئی ہی تھی کہ آفٹر شاک کا جھٹکا لگا، زمین پھر سے لرزی اور اس کا بوسیدہ گھر اس کے کچھ دیر پہلے کے ظالمانہ خیال کی طرح زمین بوس ہوگیا۔

☆☆☆

القرآن

☆ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اللہ سے واقف ہے۔ (نحل۔۱۹،۱۸)

☆ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لئے اس میں نشانی ہے۔ (عنکبوت۔۴۴)

☆ اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو، اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (لقمان۔۲۷)

رضوانہ عمران، فیصل آباد

استغفار

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے کہا کہ اے رب تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو ہمیشہ بہکاتا رہوں گا، جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں رہیں گی۔''

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

''کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی اور اپنے اعلیٰ مقام کی جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے، میں ان کو بخشتا رہوں گا، (احمد)

روبینہ خان، ساہیوال

روزی دینے والا

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز پڑھتے تو خوف خدا اور تعظیم شریعت کے سبب آپ کے سینے کی ہڈیوں سے اس قدر چرچراہٹ کی آواز نکلتی اور لوگ اس آواز کو بخوبی سن لیتے، ایک دن حضرت ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو امام نے حضرت سے پوچھا۔

''اے شیخ! آپ کوئی کام نہیں کرتے نہ کسی سے سوال کرتے ہیں آپ کھاتے کہاں سے ہیں؟''

حضرت نے فرمایا۔

''ٹھہرو میں نماز کا اعادہ کرلوں کیونکہ جو شخص روزی دینے والے کو نہیں جانتا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔''

انجم شاہد، سکھر

انمول باتیں

☆ راستوں کی ویرانی اور جلتی دھوپ سے ڈرنے والے منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔

☆ جہاں سے گزرو پھول برساتے جاؤ تا کہ تمہیں اپنی واپسی پر بڑا سا باغ دکھائی

دے۔

☆ اپنی پہلی بازی جیتنے کے نشے میں دوسری بازی ہارنا پڑتی ہے۔

☆ زندگی ایک کٹھن سفر ہے جس کی منزل موت ہے۔

☆ اگر تم نے ہر حال میں خوش رہنے کا فن سیکھ لیا ہے تو یقین کرو زندگی کا سب سے بڑا فن سیکھ لیا ہے۔

رخسانہ رفیق، راجن پور

قابل تقلید فرمودات

''آتش فشاں پہاڑوں سے ایش ٹرے استعمال کرنے کی توقع نہیں ہونی چاہیے۔ (ایمل کرونکی)

''نئی نسل میں ایک ایسی کوئی خرابی نہیں ہے جو زندگی میں ایک بار انکم ٹیکس ادا کرنے کے قابل ہوتے ہی رفع نہ ہو جائے۔ (ڈین ہٹ)

''کامیاب اور مطمئن زندگی کے لئے ایمان ایک ضروری جزو ہے یہ ایمان خدا پر ہو یا کسی مذہب پر ہو یا کسی بلند نصب العین پر، اس کے بغیر کامیاب اور مطمئن زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ (حمید نظامی)

''مجھے عمر کے اوائل میں دوستی کا عظیم ترین راز معلوم ہو گیا تھا، کسی کو مطلب کے حصول کے لئے دوست مت بناؤ، خود غرضی کو بھی بیچ میں نہ آنے دو، دوستوں کی مدد کرو لیکن انہیں تکمیل کا آلہ کار نہ بناؤ۔'' (کیرل بائینڈر)

''اکثر میرے صبر سے دوسروں کی شازشیں بے کار ثابت ہوئیں، اگر کینہ ساز کامیاب بھی ہو گئے تو میری شکست میرا قلب اور ضمیر مجروح نہیں کر سکی، البتہ صبر تعطل کا نام نہیں ہے، کوشش چھوڑ دینا صبر سمجھا جائے تو یہ صبر زہر قاتل ہے، کوشش زندگی اور تعطل موت ہے۔'' (ڈاکٹر اشتیاق حسین)

مہناز حسن، فیصل آباد

ناقدر شناس

ایک مرتبہ ایک بوڑھا شخص خلیفہ ہشام بن عبدالمالک کے سامنے ایک جرم میں پیش کیا گیا کہ وہ گانے بجانے اور شراب و کباب سے دلچسپی رکھتا ہے۔

ہشام نے اسے دیکھ کر کہا۔

''طنبورہ اس کے سر پر توڑ دو۔''

اس حکم کی تعمیل ہوئی، وہ بوڑھا رونے لگا، ہشام نے کہا۔

''صبر سے کام لو۔''

بوڑھے نے جواب دیا۔

''چوٹ کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ اس ناقدر شناسی پر روتا ہوں کہ اب بربط کو طنبورہ کہا جاتا ہے۔''

وحید رضا، شیخوپورہ

عشق تھا کہ وحشت

عشق تھا کہ وحشتیں
جنون تھا کہ جستجو
جہان بے حیات میں چار سو
سفر نصیب خواہشیں
سفر نصیب خواہشوں کی بے اماں مسافتیں
وہ بے قرار راستے
جو منزلوں کے خواب تھے
ہم پہ یہ دیر سے کھلا
کہ یہ تو بس سراب تھے
حاصل سفر وہی
سفر کی جو اساس تھا
لکھا تھا جو نصیب میں
سو مل گیا وہی ہمیں

ظل ہما، نارووال

روپہلی کرنیں

☆ سناٹا جب روح کی گہرائیوں میں اتر جائے تو رونقیں متاثر نہیں کرتیں۔

☆ محبت حاصل کرنا ہر کسی کے لئے ممکن نہیں لیکن محبت پھیلانا ہر ایک کے لئے ممکن ہے۔

☆ زندگی ہمیں وہ کچھ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جس کا ہم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔

☆ ہم کسی کو تب تک مجبور نہیں کر سکتے جب تک اس کی کسی کمزوری سے واقف نہ ہوں۔

☆ زندگی میں دو باتیں انتہائی تکلیف دہ ہوتی ہیں ایک جس کی خواہش کی ہو اس کا نہ ملنا اور دوسرا جس کی خواہش نہ کی ہو اس کا مل جانا۔

☆ ٹھیس لگے تو ہی شاہکار بنتے اور منظر عام پر آتے ہیں۔

☆ ہنسی کے ساتھ رونا بھی ضروری ہے کہ یہی زندگی کا چلن ہے۔

☆ دوسروں پر رائے دینے سے پہلے یہ جان لو کہ ان کی رائے تمہارے بارے میں کیا ہے۔

☆ جب ہم بولتے ہیں تو لوگ نہیں سنتے جب لوگ بولیں تو ہم نہیں سنتے معاشرے میں انتشار کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

☆ لڑائی کے لئے جواز ضروری نہیں۔

نوروز اطہر شاہ پور

آنسو

ستارے
رات کی آنکھوں میں چمکتے ہیں
رات آسمان کے آنگن میں چھپی ہے
آسمان میرے دل میں اترا ہے
کسی بڑے غم میں بہائے ہوئے آنسو
کائنات کی بارشوں سے بھی بڑے ہوتے ہیں
میرا غم بڑا ہے
میرے آنسو چھوٹے نہیں ہیں
میں اپنے لئے کبھی نہیں رویا

سعدیہ علی، ملتان

روحانی عظمت

چند آدمی جو حضرت رابعہ بصری کی خدا داد شہرت کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے۔

''بہترین اوصاف مردوں میں ہی پائے جاتے ہیں عورتوں میں نہیں، اب تک مردوں نے ہی اپنے روحانی کمالات سے دنیا کو حیرت میں ڈالا ہے آپ نے یہ روحانی عظمت کیسے پالی۔''

حضرت رابعہ بصری نے جواب دیا۔

''ممکن ہے آپ جو کہہ رہے ہوں وہ صحیح ہو، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آج تک دنیا میں کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو اور لوگوں سے کہا ہو کہ اسے پوجیں، غروریت اور فرعونیت مردوں ہی کی ایک خصوصیت ہے اور عورتیں اس سے بری ہیں۔''

زیبا منصور، خانیوال

☆☆☆

تسنیم طاہر

ملک کاشف اعوان ---- ہارون آباد
جہاں سوال کے بدلے سوال ہوتا ہے
وہیں محبتوں کا زوال ہوتا ہے
کسی کو اپنا بنانا ہنر میں لیکن
کسی کا بن کے دکھانے کمال ہوتا ہے

....

کتنے ناداں تھے طوفان کو کنارہ سمجھا
کتنے بے جان سہاروں کو سہارہ سمجھا
کتنے کم ظرف تھے وہ لوگ جو ساحل پہ تھے
ہم کو ڈوبتے دیکھا اور نظارہ سمجھا

....

کسی نے جب بھی وفاؤں کی بات کی ہو گی
تیری نگاہ مجھے ڈھونڈتی رہی ہو گی
تیرے خلوص سے شکوہ فضول ہے دوست میرے
میرے خلوص میں شاید کمی رہی ہو گی

کنول فریاد حسین ---- جلالپور جٹاں
ہر حال میں ہر درد میں تابندہ رہوں گا
میں زندہ جاوید ہوں پائندہ رہوں گا
تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی
تاریخ کے اوراق میں آئندہ رہوں گا

....

جب سے تیرے نام کر دی زندگی اچھی لگی
تیرا غم اچھا لگا تیری خوشی اچھی لگی
تیرا پیکر تیری خوشبو تیرا لہجہ تیری بات
دل کو تیری گفتگو کی سادگی اچھی لگی

....

موسم موسم بس اک سپنا یاد رہا
صدیاں جس میں سمٹ گئیں وہ لمحہ یاد رہا
قوس وقزح کے ساتوں رنگ تھے اس کے لہجے میں
ساری محفل بھول گئی اک چہرا یاد رہا

علی ناصر ---- حافظ آباد
ساری دنیا میں میرے جی کو لگا ایک ہی شخص
ایک ہی شخص تھا ایسا باخدا ایک ہی شخص
درجہ کفر سہی مدح جمال جاناں
دل کی پوچھو تو خدا سے بھی بنا ایک ہی شخص

....

محبتوں میں ہر اک لمحہ وصال ہو گا یہ طے ہوا تھا
بچھڑ کے بھی اک دوسرے کا خیال ہو گا یہ طے ہوا تھا
وہی ہوا ناں کہ بدلتے موسموں میں تم نے ہم کو بھلا دیا ہے
کوئی بھی رت ہو نہ چاہتوں کا زوال ہو گا یہ طے ہوا تھا

....

کبھی کی ہو گی سورج نے چاند سے محبت
تبھی تو چاند میں داغ ہے
ممکن ہے کہ چاند سے ہوئی ہو گی بے وفائی
تبھی تو سورج میں آگ ہے

رضوانہ عمران ---- فیصل آباد
جو بھی دیتا ہے زخم دیتا ہے
کس قدر با اصول ہیں یہ لوگ

....

طوفاں کی دشمنی سے نہ بچتے تو خیر تھی
ساحل سے دوستی کے بھرم نے ڈبو دیا

....

وہ جو سہتا رہا رت جگوں کی سزا چاند کی چاہ میں
مر گیا جب تو نوحہ کناں تھے شجر چاند خاموش تھا
کل کہیں پھر خدا کی زمیں پہ کوئی سانحہ ہو گیا
میں نے کل رات جو اٹھائی نظر چاند خاموش تھا

روبینہ خان ---- ساہیوال
تو بے وفا ہے لے اک بری خبر سن لے
کہ انتظار میرا ، دوسرا بھی کرتا ہے

....

اسے کہنا کہ پلٹ آئے کہ اب تو
جدائی درد بنتی جا رہی ہے

....

اک جھیل ہے آنکھوں میں جو آباد بہت ہے
صدیوں یونہی رونے کو تیری یاد بہت ہے
کہہ دو کہ سمندر سے پلٹ آئیں ہوائیں
بارش کو میرے اشکوں کی بنیاد بہت ہے

انجم شاہد ---- سکھر
کتنے مجبور ہیں ہم اپنی انا کے ہاتھوں
ریزہ ریزہ بھی ہوئے اور بکھرتے بھی نہیں

....

کرے جو بستیاں برباد وہ سیلاب ہوتا ہے
جو ساحل سے اچھل جائے اسے دریا نہیں کہتے

....

مخلوق تو فنکار ہے اس درجہ کہ پل میں
سنگ در کعبہ سے بھی اصنام تراشے
تو کون ہے اور کیا ہے تیرا دماغ قبا بھی
دنیا نے تو مریم پہ بھی الزام تراشے

مہناز حسن ---- فیصل آباد
میں اس کی دسترس میں ہوں مگر وہ
مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

....

بند ذہنوں میں سسکتا ہے خیالوں کا ہجوم
چیخ بن جاتی ہے کھلتے ہوئے درد کی صورت

....

زندگی نے میری مفہوم جہاں سے پایا
مجھ کو اچھا نہیں لگتا اسے مقتل لکھنا
پیار کے سچے مراسم کا پتا دیتا ہے
خط کے القاب میں اس کا مجھے پاگل لکھنا

وحید رضا ---- شیخوپورہ
ڈھانچے کے ایک ڈھیر کی گنتی سے فائدہ؟
کیوں ہو رہی ہیں شہر میں مردم شماری

....

یہ قربتیں ہی بڑے امتحان لیتی ہیں
کسی سے واسطہ رکھنا تو دور کا رکھنا

....

کھو آؤ گے اک روز کسی موڑ پہ خود کو
اس دل کی مسافت تمہیں کچھ بھی نہیں دے گی

ظل ہما ---- نارووال
کیوں مرا ساتھ چھوڑے جاتے ہو
راستہ رہنما نہیں ہوتا

....

پتھر پہ لکیروں کی طرح دل میں تیرا نام
اور لوگ کہیں مجھ سے اب اس کو بھلا دو

....

صحن گل میں خاک اڑاتی آ گئی باد سموم
باغ نے پھولوں کا گہنا بھی ابھی پہنا نہ تھا
شاخ کی آنکھیں خزاں کے رت جگے سے چور تھیں
برگ کے سینے میں دل تھا جو ابھی دھڑکا نہ تھا

کشمالہ شاہ ---- بہاول پور
اک غفلت تمام نے بینا بنا دیا
اک ساعت تمام پھر بینائی لے گئی
جذبے حصول رزق کے رستوں میں چھل گئے
خوابوں کو میرے عہد کی سچائی لے گئی

....

رستوں کو دھواں شہروں کو سنسان نہ کرتے
کرنا ہی تھا تو یہ کام انسان نہ کرتے
کچھ دیر ہمیں رہنے دیا ہوتا گھروں میں

کچھ دیر ہمیں بے سرو ساماں نہ کرتے

....

ہجر کے سبھی پہلو رنجشوں کے سارے دکھ
کتنے اچھے لگتے ہیں چاہتوں کے سارے دکھ
مسئلہ انا کا تھا فاصلے دلوں کے تھے
قربتوں سے کیا مٹتے دوریوں کے سارے دکھ
سعدیہ علی ---- ملتان

ہمارے قول و عمل میں تضاد کتنا ہے
مگر یہ دل ہے کہ خوش اعتماد کتنا ہے

....

ہمیں معلوم ہے ہر جیت بالآخر ہماری ہے
سو ہم وقتی شکستوں پہ دل تھوڑا نہیں کرتے

....

پھولوں کے گھر بہار نے بھر بھی دیا تو کیا
دامن میرا اداس رہا خار کے بغیر
اس شوخ سے بچھڑ کے ظفر اپنی زندگی
جیسے مکاں ہو کوئی دیوار کے بغیر
ثمینہ بٹ ---- لاہور

جوتے سے لگ کر مٹی محل تک پہنچ گئی
ہم فطرتاً پہاڑ تھے رستے میں رہ گئے

....

طوفان کر رہا تھا میرے عزم کا طواف
دنیا سمجھ رہی تھی کہ کشتی بھنور میں ہے

....

تم ساتھ تھے ہم بھی تھے منزل سے آشنا
اب تم نہیں تو لگتے ہیں رستے عیب سے
زیبا منصور ---- خانیوال

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا تیرا مکان ہے کچھ تو خیال کر

....

زندگی درد کا عنوان کہاں تھی پہلے
جتنا رنج میں یہ جان کہاں تھی پہلے

دل جو ٹوٹا تو کھلا سب کی محبت کا بھرم
اپنے بے گانے کی پہچان کہاں تھی پہلے

....

درد دل و احساس ہو شاید
غم جوانی کو راس ہو شاید
کہہ رہی ہے فضا کی خاموشی
ان دنوں تم اداس ہو شاید
فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ

ساری بات تعلق کی ہے جذبوں کی سچائی تک
میل دلوں میں آ جائے تو گھر ویرانے ہو جاتے ہیں
ہر اک چیز بدل جاتی ہے عشق کا موسم آتا ہی
راتیں پاگل کر دیتی ہیں دن دیوانے ہو جاتے ہیں

....

پڑھنا ہے تو انسان کو پڑھنے کا ہنر سیکھ
ہر چہرے پہ لکھا ہے کتابوں سے زیادہ
نزہت جبیں ---- جہلم

جیسا جتنا بھی رشتہ تھا اس کو رسوا مت کرنا
ہم بھی ایسا نہیں کہیں گے تم بھی ایسا مت کرنا

....

دامن کے سارے چاک گریباں کے سارے چاک
ہو بھی گئے بہم تو بہم اور کتنی دیر

....

شام آ رہی ہے ڈوبتا سورج بتائے گا
تم اور کتنی دیر ہو ہم اور کتنی دیر
سائرہ خالد ---- پشاور

فضا میں رنگ نہ ہوں آنکھ میں نمی بھی نہ ہو
وہ حرف کیا کہ رقم ہو تو روشنی بھی نہ ہو
وہ کیا بہار کہ پیوند خاک ہو کے رہے
کشاکش روش و رنگ سے بری بھی نہ ہو

☆☆☆

عالیہ وحید ---- پاکپتن

س: درد جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو؟
ج: دوا ہو جاتا ہے۔
س: آج کل کے لڑکے کس بات سے ڈرتے ہیں؟
ج: شادی سے۔
س: پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ؟
ج: کہ میں اب کنگال ہو گیا ہوں۔
س: رات کو آسمان پر ستارے کیوں نکل آتے ہیں؟
ج: تاکہ تم جو دن بھر زمین پر چاند ڈھونڈتے رہے ہو، اب ستارے بھی دیکھ لو۔
س: بی کس نا مہربان نے آ کے میری زندگی؟
ج: جہنم بنا دی کیوں ٹھیک ہے نا۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: تمہیں اپنا ابھی پتہ نہیں۔

رضا فاطمہ ---- ملتان

س: ع غ جی کیسے مزاج ہیں؟
ج: ٹھیک ہیں ویسے کوئی تو ڈھنگ آیا تمہیں۔
س: گرمیاں آ گئیں ہیں؟ کیا آپ نے محسوس کیا؟
ج: میں نے بہت پہلے ہی محسوس کر لیا تھا، تم نے شاید اب کیا ہے۔
س: مجھے گرمیاں بہت بری لگتی ہیں اور گری بہت لگتی ہے کیا کروں؟
ج: جلانا چھوڑ دیں۔
س: ویسے آپ باتیں بڑی سیانی کرتے ہیں؟
ج: شکریہ تعریف کرنے کا۔
س: کسی غلط فہمی میں نہ رہیں؟
ج: کس بات کی۔
س: توبہ ہے آپ بھی نہ بس؟
ج: چلو آپ نے توبہ تو کی اپنی غلطیوں پہ۔
س: آپ سے تو بولنا ہی نہیں چاہیے؟
ج: یہ یہ تو ہم چاہتے ہیں خدا حافظ۔

رابعہ سعید ---- ملتان

س: دیکھیں میں پھر آ گیا، میں اتنا عرصہ غیر حاضر رہا آپ نے مجھے مس کیا؟
ج: غیر حاضری کی وجہ کیا تھی۔
س: اب میں سوالات کا آغاز کرنے لگا ہوں، روتی شکل مت بنا لیجئے گا؟
ج: یہ میری شکل نہیں ہے غور سے دیکھو آئینہ ہے تمہارے سامنے۔
س: تم دور سہی مجبور سہی پر یاد تمہاری آتی ہے، تم سانس وہاں پر لیتے ہو بدبو یہاں تک آتی ہے
ج: حیرت ہے کوڑے کے ڈھیر میں رہتے ہوئے بھی تمہیں بدبو آ جاتی ہے۔
س: عین غین جی یہ جو آپ کے سر پر وسیع و عریض چمکتا صاف شفاف میدان ہے کیا ہم اس میں کرکٹ کھیلنے آ سکتے ہیں؟
ج: نہیں اس میں اب جوؤں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔
س: ابھی تو میں نے مزید سوال کرنے تھے مگر یہ کیا آپ نے تو رونا شروع کر دیا، اچھا پلیز

چپ کریں میں جا رہا ہوں؟

ج: سوال تو ہم نے کرنے تھے تم سے روپی کا بھاؤ معلوم کرنا تھا مگر تم تو پہلے ہی بھاگ گئے۔

فرحین ملک ---- ساہیوال

س: کھڑک سنگھ کے کھڑکنے سے کھڑکتی ہیں کھڑکیاں، اب کھڑکیاں کے کھڑکنے سے......؟

ج: کھڑکتا ہے کھڑک سنگھ۔

س: شعر مکمل کریں؟

آداب سفر وہ سکھاتے ہیں جنہوں نے

ج:

کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھا

س: کہتے ہیں کہ انسانوں اور بھیڑیوں میں کوئی فرق نہیں رہا جدھر ایک بھیڑیا جاتا ہے قطار بنائے باقی بھی ادھر ہی کو چل دیتے ہیں یہی حساب آج کل کے لوگوں کا ہے جدھر ایک چلتا ہے باقی بھی اسی طرف کیا خیال ہے؟

ج: میرے خیال میں اس مثال میں بھیڑیے کی بجائے، بھیڑ ہونا چاہیے تھا۔

س: آپ اتنے خوش کیوں ہو رہے ہیں؟

ج: آپ کی مثالیں پڑھ کر۔

نیلہ نعمان ---- گلبرگ لاہور

س: شادی کے دن دولہا کے دل میں کیا ہوتا ہے؟

ج: ایسے دن زندگی میں بار بار آئیں۔

س: آج کل فٹ بال کے میچ ہو رہے ہیں کیا خیال ہے؟

ج: کس کے بارے میں۔

س: میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم؟

ج: اب بھی موقع ہے پھر سے سوچ لو۔

شاہینہ یوسف ---- عمر کوٹ

س: نظریں کیوں جھکا لی ہیں؟

ج: تمہارے پاس شکوؤں کے سوا اور کیا ہے۔

س: یہ لوگ ہم کو محبت کیوں نہیں کرنے دیتے؟

ج: اس شہر کے لوگ بڑے دانا ہیں۔

س: ساتھ ساتھ چلنے کی سوچ بھی اس کی تھی؟

ج: تمہارا اپنا خیال ہے۔

س: سنا ہے کنوارہ شخص کام پر جاتے وقت ہر روز نیا راستہ اختیار کرتا ہے؟

ج: اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے۔

افشاں زینب ---- شیخوپورہ

س: ایک ایسے شخص جس سے مجھے بے پناہ محبت ہو اور ہر وقت خیالوں میں رہے اور وہ بھول جائے تو؟

ج: بڑا ہی نامعقول شخص ہے وہ۔

س: خوب صورت اور خوب سیرت کا کیا فرق ہے؟

ج: بڑے بے مروت ہیں یہ حسن والے۔

س: یہ مرد لوگ شادی کے بعد بیوی سے ڈرتے کیوں ہیں؟

ج: کیونکہ شادی کے پہلے کی تمام باتیں جھوٹ ثابت ہو رہی ہوتی ہیں۔

علینہ طارق ---- لاہور

س: آج کل مرد زیادہ جھوٹ بولتے ہیں یا عورت؟

ج: وقت وقت کی بات ہے جس کا داؤ چل جائے۔

س: آج کے دور میں اپنے پرائے اور پرائے اپنے کیوں بن جاتے ہیں؟

ج: اپنوں کے بارے میں کیا کہوں، البتہ پرائے اپنے مطلب کے لئے اپنے بن جاتے ہیں۔

☆☆☆

قطعہ

اب کے برس پھر اس نے
لفظ اک بے دھیان لکھا ہے
اب کے پھر بیقرار کر دیا
پھر ہمیں بھائی جان لکھا ہے

رضوان عمران، فیصل آباد

چار چاند

چار گنجے افراد جو بڑے صحت مند تھے، بن بلائے مہمان بن کر ایک دعوت میں پہنچے اور میزبان سے کہنے لگے۔

''کیا شاندار محفل ہے؟''

میزبان نے ان کے گنجے سروں کو غور سے دیکھ کر کہا۔

''ہاں جی اور آپ نے تو آ کر ہماری محفل میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔''

واعظ

نئے پادری نے چرچ میں پہلی مرتبہ واعظ دینے کے بعد ایک عورت سے پوچھا۔

''آپ کا میرے واعظ کے متعلق کیا خیال ہے؟''

''یہ واعظ بہت ہی اچھا تھا جناب!''

عورت نے کہا۔

''آپ کا واعظ نہایت معلوماتی تھا، اس سے قبل ہمیں گناہوں کی اتنی اقسام کا علم نہیں تھا۔''

کنول فریاد حسین، جلالپور جٹاں

''ٹی ٹائم وش''

چائے کے مگ سے اٹھتا دھواں
تیری یاد دلا دیتا ہے
کاش ابھی تم ساتھ جو ہوتے
باتیں کرتے، نظم سناتے
کول سے کچھ شعر بھی کہتے
میرے گیلے بالوں میں تم
اپنے ہاتھ سے کنگھی کرتے
ٹھنڈی ٹھنڈی شام میں جاناں
میرا ہاتھ پکڑتے
چائے کے مگ کے دھوئیں میں سے
میرا چہرہ دیکھتے رہتے

سعدیہ امل کاشف، ملتان

معجزہ

LOURDES کی زیارت گاہ سے پلٹنے والے ایک عیسائی زائر کو کینیڈی ایئرپورٹ پر کسٹم کے لئے رکنا پڑا، جب اس کی باری آئی تو اس نے کہا۔

''میرے پاس کوئی چیز غیر قانونی نہیں ہے؟''

''اس شیشی میں کیا ہے؟'' کسٹم آفیسر نے پوچھا۔

''اس میں۔'' زائر نے کہا۔

''چاہ لوردس کا مقدس پانی ہے۔''

کسٹم آفیسر نے بوتل کھول کر اسے سونگھا اور منہ بناتے ہوئے بولا۔
''کون کہتا ہے کہ یہ مقدس پانی ہے۔'' اس نے کہا۔
''یہ تو وہسکی ہے۔''
''وہسکی؟''
زائر نے اچھلتے ہوئے کہا۔
''کیا بات ہے سینٹ برنارڈ کا ایک اور معجزہ!''
روبینہ خان، ساہیوال

متقی

ایک صاحب نہایت پابندی سے مسجد میں پانچ وقت کی حاضری دیا کرتے تھے، لوگ ان کے تقویٰ سے بہت متاثر تھے، ایک شخص نے جب انہیں نہایت انہماک سے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا، تو اپنے ساتھی سے بولا۔
''یہ جو شخص نماز ادا کر رہا ہے، نہایت متقی اور پرہیزگار ہے۔''
اس پر وہ صاحب نماز توڑ کر بولے۔
''اور جناب! میں حاجی بھی ہوں۔''
مس فریدہ خانم، لاہور

نیند کی گولی

ایک کلرک ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا۔
''مجھے بہت زیادہ نیند آتی ہے، اس لئے وقت پر دفتر نہیں پہنچ سکتا، کوئی ایسی دوا دیجئے کہ بروقت دفتر پہنچا کروں ورنہ اس نیند کی بدولت مجھے نوکری سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔''
ڈاکٹر نے اسے چند گولیاں دیں اور کہا۔
''سوتے وقت ایک گولی کھا لیا کرنا۔''
وہ کلرک رات کو گولی کھا کر سویا اور صبح اٹھا تو بہت حیران ہوا کیونکہ وہ وقت سے پہلے اٹھ گیا تھا، چنانچہ وہ مقررہ وقت سے دو چار منٹ پہلے ہی دفتر جا پہنچا اور آفیسر سے کہا۔
''دیکھئے سر! آج میں وقت پر آفس آ گیا ہوں۔''
افسر نے جواب دیا۔
''یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ کہ کل کہاں رہے؟''
ثمینہ بٹ، لاہور

تردید

ریس کے شوقین ایک صاحب نے اپنی بیوی کے روز روز کے لڑائی جھگڑے سے تنگ آ کر وعدہ کر لیا تھا کہ آئندہ وہ ریس نہیں کھیلیں گے انہیں دنوں ایک پرانا دوست ان سے ملنے آ پہنچا اور باتوں ہی باتوں میں بولا۔
''سناؤ، نیلم پر بڑی رقمیں خرچ کر رہے تھے کچھ فائدہ ہوا کہ نہیں؟''
بیوی شعلہ بار نظروں سے شوہر کو گھورتی، پاؤں پٹختی کمرے سے باہر چلی گئی، ان صاحب نے دوست پر آنکھیں نکالیں۔
''کیا غضب کر دیا تم نے یار، میں نے بیوی کو بتا رکھا ہے کہ میں آج کل بالکل ریس نہیں کھیل رہا۔''
اس دوران بیوی دوبارہ کمرے میں آئی تو دوست اس سے مخاطب ہوا۔
''میں تو مذاق کر رہا تھا بھابھی! نیلم کسی گھوڑی کا نام نہیں یہ تو لڑکی کا نام ہے۔''
رخسانہ رفیق، راجن پور

خوف

ایک صاحب رات کو تاخیر سے گھر پہنچے تو

بیگم نے کہا۔
''آج آپ نے بہت دیر کر دی؟''
''کیا کروں؟'' شوہر نے کہا۔
''کام بہت بڑھ گیا ہے۔''
''اچھا یہ بتایئے دفتر میں لڑکیوں کی موجودگی میں آپ مجھے بھول تو نہیں جاتے؟''
بیگم نے پوچھا۔
''بالکل نہیں۔'' صاحب نے روانی سے جواب دیا۔
''تم تو ہر وقت میرے ذہن پر سوار رہتی ہو کہ کہیں دفتر نہ آ جاؤ۔''
مہناز حسن، فیصل آباد

خوش قسمت

ایک پھول فروش نے ایک نوجوان کو روکتے ہوئے کہا۔
''جناب! اپنی محبوبہ کے لئے پھولوں کا ہار لیتے جائیں۔''
نوجوان نے جواب دیا۔
''میری کوئی محبوبہ نہیں ہے۔''
''تو پھر اپنی بیوی کے لئے ہی لیتے جاؤ۔''
''افسوس، میں شادی شدہ نہیں ہوں۔''
یہ سن کر پھول بیچنے والے نے کہا۔
''تو پھر اے دنیا کے خوش قسمت انسان یہ ہار میری طرف سے تحفے کے طور پر مفت میں لے جاؤ۔''
بشریٰ ناز، گلبرگ لاہور

مجبوری

ایک نوبیاہتا لڑکی اپنی سہیلی سے شکوہ کر رہی تھی۔
''واقعی شادی کے بعد عورت کی کوئی قدر نہیں رہتی، اب یہی دیکھو کہ میری شادی کو صرف دو ماہ گزرے ہیں اور دو ماہ سے سلیم نے مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کی۔''
''پھر تو تمہیں سلیم سے طلاق لینے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔'' سہیلی نے تشویش سے کہا۔
''لیکن میں سلیم سے طلاق کیسے لے سکتی ہوں؟ میری شادی سلیم سے تھوڑی ہی ہوئی ہے۔''
لڑکی نے مجبوری بیان کی۔
وحید رضا، شیخوپورہ

سکھ

ایک سکھ رات کے وقت موٹر سائیکل پر جا رہا تھا سامنے ٹھنڈی ہوا چل پڑی تو اس نے رک کر اپنا کوٹ الٹا پہن لیا اور بٹن پیچھے کی طرف کر لئے اور موٹر سائیکل پر سوار ہو گیا اور سردی سے بچنے کی اس ترکیب پر وہ اتنا خوش ہوا کہ ڈھلوان پر موٹر سائیکل پھسل گئی اور وہ دھڑام سے گر گیا، کچھ دیر بعد بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے دیکھا سردار صاحب مرے پڑے ہیں اور ایک سکھ ان کے پاس کھڑا ہے، لوگوں نے پوچھا۔
''کیا ہوا ہے؟''
وہ بولا۔
''جب میں پہنچا سردار جی کراہ رہے تھے میں نے جھک کر دیکھا تو پتا چلا گردن مڑ گئی ہے، میں نے زور لگا کر گردن سیدھی کی تب سے نہیں بولے۔''
ظل ہما، نارووال

☆☆☆

تحسین اختر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
"جنم دن پر"
سوچتی ہوں آج
اس خاص دن کی مناسبت سے
اس کیا تحفہ دوں
پرفیوم بھیجوں
پھولوں کا مہکتا ہوا گلدستہ
یا پھر
پروین کی کتاب "خوشبو" بھیجوں
پھر ڈر لگتا ہے
کہ خوشبو تو خوشبو ہوتی ہے
ہر سو پھیل جاتی ہے
کہیں میرے جذبوں کی خوشبو بھی
اسے ہر بات نہ بنا دے

اُم ریان: کی ڈائری سے ایک نظم
"زندہ رہنے کی خواہش"
میں کیا لکھوں......؟
تمہارے پیار نے کیا کر دیا ہے؟
ہر طرف کچھ خوشبوؤں کے گیت رقصاں ہیں
نگاہوں پہ بہت کچھ جھلملاتی سی تصویریں امنڈتی ہیں
نظارے ہر طرف سے جگمگاتے مسکراتے سے نظر آتے ہیں جاناں
مجھے کیا ہو گیا ہے......؟
مرے آئینے میں یہ روپ کس نے ڈال رکھا ہے
مری آنکھیں ستاروں کی طرح سے ٹمٹمانا جانتی ہیں
میرے لب پھول کی نازک سی پتی کی طرح سے ڈولتے ہیں، مسکراتے ہیں
میرے بالوں میں صندل کی مہک اترتی ہے
میں یہ محسوس کرتی ہوں تمہاری انگلیاں ہر پل
میرے بالوں کے الجھے ریشم کو سلجھاتی ہیں
میں یہ کیا دیکھتی ہوں......؟
ہر اک جانب تمہارے لفظ بکھرے ہیں
کچھ ایسے لفظ کہ جو میرے کانوں میں
محبت گھولتے ہیں
مجھے دیوانہ کرتے ہیں
میری شریانوں میں جمتے لہو کو جوش دیتے ہیں
میں کیا لکھوں......؟
لکھنا مجھے کچھ بھی نہیں آتا
مجھے بس علم ہے اتنا
کہ میں تیری ان آنکھوں کے شیشوں میں
ہمیشہ خود کو دیکھنا چاہتی ہوں
ہمیشہ مسکرانا، جگمگانا
زندہ رہنا چاہتی ہوں

کنول نعمان: کی ڈائری سے ایک غزل
دل میں نہ جرأت ہو محبت نہیں ملتی
خیرات میں اتنی بڑی دولت نہیں ملتی
کچھ لوگ یونہی شہر میں ہم سے بھی خفا ہیں
ہر ایک سے اپنی بھی طبیعت نہیں ملتی
دیکھا ہے جسے میں نے کوئی اور ہے شاید
وہ کون تھا جس سے تیری صورت نہیں ملتی

علی ناصر: کی ڈائری سے ایک غزل
قہوہ خانے میں دھواں بن کے سمائے ہوئے لوگ

جانے کس دھن میں سلگتے ہیں بجھائے ہوئے لوگ
ہم تو نام اب شکل بھی یاد نہیں ......
ہائے وہ اعصاب پہ چھائے ہوئے لوگ
حاکم وقت کو معلوم ہوا ہے شاید
جمع ہوتے ہیں یہاں چند ستائے ہوئے لوگ
اپنا مقسوم ہے گلیوں کی ہوا ہو جانا
یار ہم ہیں کسی محفل سے اٹھائے ہوئے لوگ

رضوانہ عمران: کی ڈائری سے خوبصورت غزل
ہر تماشائی فقط ساحل سے منظر دیکھتا
کون دریا کو الٹا کون گوہر کو دیکھتا
وہ تو دنیا کو مری دیوانگی خوش کر گئی
تیرے ہاتھوں میں وگرنہ پہلا پتھر دیکھتا
آنکھ میں آنسو جڑے تھے یہ صدا تجھ کو نہ دی
اس توقع پر کہ شاید تو پلٹ کر دیکھتا
میری قسمت کی لکیریں میرے ہاتھوں میں نہ تھیں
تیرے ماتھے پر کوئی میرا مقدر دیکھتا
زندگی پھیلی ہوئی تھی شام ہجراں کی طرح
کس کو اتنا حوصلہ تھا، کون جی کو دیکھتا
ڈوبنے والا تھا اور ساحل پہ چہروں کا ہجوم
پل کی مہلت تھی میں کس کو آنکھ بھر کر دیکھتا
تو بھی دل کو اک لہو کی بوند سمجھا ہے فراز
آنکھ اگر ہوتی تو قطرے میں سمندر دیکھتا

روبینہ خان: کی ڈائری سے خوبصورت غزل
کس سے بچھڑی کون ملا تھا بھول گئی
کون برا تھا کون تھا اچھا بھول گئی
کتنی باتیں جھوٹی تھیں اور کتنی سچی
جتنے بھی لفظوں کو پرکھا بھول گئی
چاروں طرف تھے دھندلے دھندلے چہرے
خواب کی صورت میں بھی دیکھا بھول گئی
سنتی رہی سب کے دکھ خاموشی سے
کس کا دکھ تھا میرے جیسا بھول گئی
بھول گئی ہوں کس سے میرا ناطہ تھا
اور یہ ناطہ کیسے ٹوٹا بھول گئی

انجم شاہد: کی ڈائری سے ایک نظم
"ایک خط"
چمن زاروں سے کہنا
دل نے ایسے زخم کھائے ہیں
وہ صدمے آزمائے ہیں
کہ تخن ہوا میں وحشت افتادگی ہے
اور نہ اندھی آنکھ خوابوں کو ترستی ہے
چمن زاروں سے کہنا
تم نے وہ باتیں بھلا دی تھیں
تو اب کیوں دل کو خانوں میں مقید کر رہے ہو
جانتے ہو
ہم تم ذوق قید ہستی کے پرانے خوشہ چیں ہیں
جانتے ہو
ہم نے صدیوں کی گراں خوابی کو خود اپنا مقدر کر لیا تھا
جانتے ہو وہ وحشت افتادگی لذت ہے
اور لذت تو زخموں کے عقب سے آنے والی
اس حرارت کو کہا کرتے ہیں
جو صدیوں کو کندن کر دیا کرتی ہے

رخسانہ رفیق: کی ڈائری سے ایک غزل
اس شب کتنا ٹوٹ کے روئے چاند ہوا اور میں
تینوں ہی ایک ساتھ اجڑتے تھے چاند ہوا اور میں
سارے خواب عذاب ہوئے اور سب خیال زوال
کس برتے پر سپنے بنتے چاند ہوا اور میں
کیا منظر تھے آنکھوں میں جو گاڑھ گئے ناخن
کون ستم رت تھی جب بچھڑے چاند ہوا اور میں
چاند ہوا اور سجاں مجھ میں کوئی فرق نہیں
ایک سی رت کے چاہنے والے چاند ہوا اور میں
لب بستہ تھے جنس رتیں اور اداس رات
کیونکر من کی بپتا کہتے چاند ہوا اور میں
حسن رضا وہ رات مرادوں والی جب بھی آئی

دیکھنا کیسے گلے ملیں گے چاند ہوا اور میں

مہناز حسن: کی ڈائری سے ایک غزل

مجھے پھر بے سکوں اس نے کیا ہے
مرے دل پر فسوں اس نے کیا ہے
ملی شہرت جسے میرے ہی دم سے
مجھے خوار زبوں اس نے کیا ہے
عیاں ہیں تہمتیں اس کی جبیں سے
مجھے بھی سرنگوں اس نے کیا ہے
کسک سی دل میں رہتی تھی ہمیشہ
مگر اس کو فزوں اس نے کیا ہے
بہت چھانی ہے خاک نجد میں نے
مگر پیدا جنوں اس نے کیا ہے
جسے چاہا تھا اپنی جاں سے بڑھ کر
میری حسرت کا خوں اس نے کیا ہے
وہ خود بھی بدنصیبوں میں ہے شامل
مجھے بھی بدشگوں اس نے کیا ہے

سائرہ رضا: کی ڈائری سے ایک نظم

''وہ کیا جانے''

میرے بالوں میں
چاندی کے تار دیکھ کر
تم لمحہ بھر کو چونکے
میری آنکھوں میں جھانک کر
بولے
تنہا ہو، اب تک
وہ کیا جانے
میں نے اپنا تمام جیون
اس کے نام پر تیاگ دیا ہے

کشمالہ شاہ: کی ڈائری سے ایک نظم

گئے دنوں کی عزیز باتیں
نگار شامیں، گلاب راتیں
بساط دل میں عجیب شے ہے
ہزار جیتیں، ہزار ماتیں
جدائیوں کی ہوائیں لمحوں کی
خشک مٹی اڑا رہی ہیں
گئی رتوں کا ملال کب تک
چلو کہ شاخیں
تو ٹوٹتی ہیں

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک نظم

''نشان منزل''

یہ ہمتوں کے پیکر
یہ شجاعتوں کے ہیرو
دیومالائی داستانوں کے کردار
جراتوں کی گود میں پلے جانباز
یہ کھڑے ہو کر موت کی دہلیز پہ
مسکرانے والے شہباز
یہ حسن ورعنائی کی منہ بولتی تصویریں
یہ اندھیری رات کے سپنوں کی روشن تعبیریں
اپنی سرزمین کی خاطر سر کٹا دینے والے
جبینیں دشمنوں کی قدموں میں
جھکا دینے والے
صلہ داد و تحسین سے بے نیاز
فرض شناسی کے جذبوں سے سرفراز
کہ آہٹ جن کی کشش ہے منزلوں کی
کہ مسکراہٹ جن کی جان ہے دلوں کی
کہ ہاتھ سے جن کے غرور و تکبر کے
پہاڑ بھی ٹوٹ جاتے ہیں
دشمنوں کے ہتھیار بھی چھوٹ جاتے ہیں
ولولہ و جوش کی زندہ مثال ہیں یہ
اندیشہ فردا میں سچا خیال ہیں یہ
جگمگاتے ہیں کائنات میں
یہ ستاروں کی مانند
مہکتے ہیں چمن ہستی میں

☆☆☆

پیچ ٹوپڈ پنیر سلاد

اشیاء

آڑو	دو عدد گول
ایپل جام	ایک کھانے کا چمچہ
مکس ڈرائی فروٹ	نصف کپ
کریم	ایک کھانے کا چمچہ
چینی	پانچ کھانے کے چمچ
پنیر	ڈیڑھ کپ

ترکیب

آڑو کے چار پیس کرلیں، ایک دیگچی لیں اس میں چار چمچے چینی اور چار چمچے پانی ڈال کر چولہے پر رکھ کر ایک ابال دلائیں، اس کے بعد اس میں آڑو ڈال کر پکالیں، احتیاط سے کہ آڑو ٹوٹنے نہ پائیں، جب چینی کا پانی خشک ہو جائے تو دیگچی چولہے سے نیچے اتار لیں۔

ایک پیالی لیں اس میں کریم ایک چمچہ چینی، پنیر اور جام ڈال کر ساتھ ہی ڈرائی فروٹ بھی ڈال دیں پھر ان سب کو آپس میں مکس کرلیں، آڑو ٹھنڈے ہو جائیں تو انہیں ایک باؤل میں رکھ کر اس میں کریم اور پنیر کا آمیزہ اس طرح بھریں کہ وہ چوٹی کی طرح ہو جائے، لذیز پیچ ٹوپڈ پنیر تیار ہے۔

مزے دار سلاد

اشیاء

کاہو (سلاد کا پودا)	ایک پھول
شملہ مرچ	ایک عدد
ٹماٹر	تین عدد
پنیر	آدھا پاؤ
گوشت کے ٹکڑے	ایک پاؤ
تیل	تین کھانے کے چمچے
سیب کا جوس	تین کھانے کے چمچے
نمک	نصف کھانے کا چمچہ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

کاہو کے پھول سے پتوں کو علیحدہ کر کے ان کو اچھی طرح صاف کر کے ایک طرف رکھ لیں، ان پتوں کو ایسے برتن میں ڈال کر رکھیں جس میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوں تاکہ ان پر لگا ہوا پانی بھی نیچے گر جائے اور پتیاں بالکل خشک ہو جائیں۔

شملہ مرچ کا تمام گودا اور بیج اس میں سے نکال لیں اور اس طرح باقی صرف خول رہ جائے گا، پھر اس خول کے لمبائی کے رخ ٹکڑے کرلیں اور اس طرح کہ ایک ٹماٹر کے آٹھ ٹکڑے بن جائیں، پنیر اور ابلے ہوئے گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں اور سلاد کے پتے کاٹ لیں پھر سلاد کے پتے، ٹماٹر، پنیر، گوشت، ہری مرچ کے ٹکڑے ایک بڑے پیالے میں ڈال لیں، اس کے بعد ان چیزوں میں تیل، سیب کا جوس، نمک، کالی مرچ، چینی ڈال دیں ان تمام کو اچھی طرح ملا دیں، سلاد تیار ہے، یہ سلاد چار افراد کے لئے کافی ہے۔

دہی و سبزیوں کا سلاد

اشیاء

دہی	آدھ کلو
آلو ابلے ہوئے	تین عدد
پیاز باریک کتری کٹی ہوئی	ایک پیالی
کھیرا	دو عدد
نمک کالی مرچ پسی ہوئی	حسب ذائقہ
مرغی ابلی ہوئی	چند ٹکڑے

ترکیب

مرغی کے باریک ٹکڑے کر لیں، ابلے ہوئے آلو کش کر لیں، ایک عدد کھیرا، کش کر لیں، دوسرے کھیرے کے پتلے ٹکڑے کر لیں، ایک کھلے منہ کے پیالے میں دہی ڈال کر پھینٹ لیں، دہی میں آلو اور کٹی ہوئی پیاز ڈال کر پھینٹیں، ساتھ نمک اور کالی مرچ شامل کر دیں، دہی میں مرغی کے ٹکڑے اور کش کیا ہوا کھیرا ڈال کر یکجا کر لیں، ڈش میں دہی کا آمیزہ ڈالیں، دہی کے آمیزے پر کٹا ہوا کھیرا رکھ دیں، عمدہ ترین اور لذت سے بھرپور سلاد تیار ہے، تناول فرمائیں۔

ریڈ بین سلاد

اشیاء

ریڈ بین فلنگ کے لئے	پندرہ گرام
ریڈ بین سرخ پھلیاں	پانچ گرام
پیاز لچھے دار کاٹیں	چند عدد
سوڈا واٹر	تین سو ملی لیٹر
سلاد کے پتے	چند عدد
وائٹ گرینولیٹڈ شوگر	چھ گرام
ادرک کٹا ہوا	دس گرام
مونگ پھلی کا تیل	ڈیڑھ لیٹر
سرکہ	چالیس لیٹر
سیسم آئل	دس ملی لیٹر
چینی	بیس گرام
سیاہ مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب

سب سے پہلے ریڈ بینز یعنی سرخ پھلیوں کو دھو کر صاف کر لیں اور پھر ان کو ایک گہرے برتن میں ڈال دیں، پھر اس قدر پانی ڈالیں کہ اس سے پھلیاں اچھی طرح سے ڈھک جائیں، ہلکی آنچ پر ابال لیں اور صرف اس قدر ابالیں کہ پھلیاں نرم ہو جانی چاہئیں، سوڈا ڈالنے سے پھلیاں جلد اور کافی نرم ہو جاتی ہیں، اس کے بعد پھلیوں کو کچھ مر نکال کر ان کا پیسٹ بنا لیں اور پھر اس پیسٹ کو کپڑے کی تھیلی میں ڈال دیں، پھر اسے بند کر کے زور سے دبائیں اور اس میں موجود تمام مواد نکال دیں۔

پھر مونگ پھلی کے تیل کو ایک ساس پین میں گرم کر لیں اور جب تیل اچھی طرح سے گرم ہو جائے تو پھر اس میں بین پیسٹ ڈال کر فرائی کر لیں، یہاں تک کہ پیسٹ خشک ہو جائے اور لیس دار بھی ہو جائے، اس کے بعد تیز چھری سے اس کے ٹکڑے کر لیں اور اس پر سلاد کے پتے ڈال دیں، اس کے بعد سرکہ اور چینی ایک پیالے میں ڈال کر اسے اچھی طرح سے مکس کر کے چینی سی بنائی جائے اور پھر لچھے دار کٹا ہوا پیاز پیسٹ کے ٹکڑوں پر پھیلا دیا جائے، اس کے بعد اس پر سرکے والی چینی ڈال دی جائے اور اس پر کٹا ہوا ادرک اور سیسم آئل ڈال دیں، اس کے بعد نان اور روسٹ گوشت کے ساتھ پیش کریں، سلاد کی عمدہ ترین اور لذت سے بھرپور ڈش تناول فرمائیں۔

☆☆☆

السلام علیکم!

نومبر کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی نیک تمناؤں کے ساتھ۔

وقت ہے کہ تیزی سے ہاتھوں سے پھسلتا جا رہا ہے، وقت کی دوڑ میں زیادہ سے زیادہ کام نمٹا لینے کی خواہش سب کو حواس باختہ کیے ہوئے ہے، الجھا الجھا ذہن ہمہ وقت بے اطمینانی اور بے سکونی کا شکار رہتا ہے، انسان کے سارے جتن، آرام و سکون اور خوشی کے حصول کے لئے ہوتے ہیں، لیکن ترقی کی انتہا کو پہنچ کر بھی وہ یہ طے نہیں کر پایا کہ خوشی کا حصول کس طرح ممکن ہے۔

دولت و اقتدار کی ہوس اور بالادستی کے جنون نے کروڑوں انسانوں کی زندگیوں کو عذاب بنا رکھا ہے، روز بروز غیر محفوظ ہوتی اس دنیا کے بڑے سے بڑے معاملات میں تو نہ ہمارا دخل ہے اور نہ اختیار، ایسے میں ہم کیا کر سکتے ہیں سوائے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے، لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں اس میں تو کوئی کوتاہی نہ کریں، زندگی کی اس گہما گہمی اور بھاگ دوڑ سے کچھ لمحے نکال کر ایک دوسرے کا دکھ سکھ بانٹیں، زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے لطف اندوز ہونا سیکھیں اپنے آس پاس رہنے والوں کی خوشیوں میں شریک ہوں، ان کے دکھوں کو ہلکا کرنے کی کوشش کریں اس سے دل کو جو سکون نصیب ہو گا اس کا رنگ ہی دوسرا ہو گا۔

یاد رکھیے زندگی میں سب سے انمول تحفہ خلوص اور محبت کا ہے، ہم اپنی اور دوسروں کی زندگیوں کو محبت اور خلوص سے ہی بارونق بنا سکتے ہیں۔

آیئے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں آپ اپنی محبتوں کا اظہار کن الفاظ میں کر رہے ہیں۔

لیکن ٹھہریئے کیا آپ سب کو یاد ہے خطوط کی محفل میں پہنچنے سے پہلے ہم نے کون سا عہد دہرانا ہے، جی بالکل ہم سب نے درود پاک، تیسرا کلمہ اور استغفار کے ورد کو اپنی زندگی کا اہم حصہ بنانا ہے، اسی میں ہماری بھلائی ہے۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور اپنا بہت سا خیال رکھیے گا ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں جہلم سے موصول ہوا ہے لکھنے والی بہن ہے عائشہ گل، عائشہ گل اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

میں اس محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں، اس امید کے ساتھ آپ خوش آمدید کہیں گی، اکتوبر کا شمارہ عید کے دوسرے عائزہ کے خوبصورت ٹائٹل سے سجا ملا اس بات کو سچ ثابت کر گیا، خوبصورت لوگ ہر روپ میں خوبصورت ہی نظر آتے ہیں۔

اسلامیات کے حصے میں پہنچے، حمد و نعت پڑھی ماشاء اللہ کتنا خوبصورت انداز، اللہ اور اس کے محبوب کی ثناء کا، پیارے نبیؐ کی باتوں سے

معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوا، اللہ پاک آپ کو اس کار خیر کا اجر عطا کرے۔

ارے یہ کیا ابن انشاء پیٹ کے درد پر بات کرتے نظر آئے، انشاء جی کا لکھا حرف حرف سچ ہے، ڈاکٹر مریض کے ساتھ یہی کچھ کرتے ہیں۔

ایک دن حنا میں سدرۃ المنتہیٰ نے بہت مختصر مگر جامع اپنا ایک روز کا احوال لکھا، فوزیہ جی کیا ہی اچھا ہو جو آپ ساتھ میں مصنفین کی تصاویر بھی لگا دیا کریں، آگے بڑھے مگر یہ کیا اُم مریم کا سلسلے وار ناول تو غائب اور ان صفحات پر اُم مریم کی ہی تحریر ''روشنی کی خواہش'' میں نظر آئی، پسند آئی، اُم مریم کی یہ تحریر بھی، عمران خان اور ملکی سیاست کے پس منظر پر لکھی گئی یہ تحریر دلچسپی کا نمایاں عنصر لئے ہوئے تھی، مدیحہ تبسم بڑے طویل عرصے کے بعد حنا کے صفحات پر براجمان نظر آئیں، اللہ اللہ کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے، مدیحہ جی کہاں غائب تھیں آپ؟ پلیز پلیز اتنا طویل وقفہ، اب نہ دیجئے گا، مجھے آپ کی تحریریں بے حد پسند ہیں، اس بار آپ کا مکمل ناول بے حد پسند آیا، بہت عرصے بعد اتنی مزے کی تحریر پڑھنے کو ملی، مدیحہ کے لئے ڈھیروں دعائیں اور مبارک باد، شدت سے اگلی قسط کا انتظار ہے۔

ناولٹ میں عالی ناز نے اپنے مخصوص چلبلے انداز میں عید کے حوالے سے تحریر لکھی، بہت خوبصورت انداز ہے عالی کا، مجھے ان کی تحریر ہمیشہ پسند آتی ہے، حبیبہ طارق کا ناولٹ ''آخری خواہش'' نے جہاں اداس کیا وہیں شائستہ کے حسن سلوک نے متاثر کیا، پہلے کبھی مصنفہ کا نام حنا کے صفحات پر نظر نہیں آیا، یقیناً نئی ہیں لیکن تحریر میں کافی پختگی تھی۔

سلسلے وار ناول ''اک جہاں اور ہے'' فہرست میں سے تو غائب تھا جبکہ اندر صفحات پر موجود تھا، سدرۃ المنتہیٰ کہانی کو بڑی خوبصورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں، ہر کردار اپنی اپنی جگہ اہم ہے سدرۃ المنتہیٰ کی یہ تحریر ان کی شائع ہوئی اب تک تمام تحریروں سے مختلف ہے۔

افسانوں میں سب نمایاں تحریر ''انما الاعمال بانیات'' سب سے بہترین تھی، بے شک عملوں کا دارو مدار نیتوں پر ہوتا ہے، دعا فاطمہ اتنی اچھی تحریر پر بہت سی دعائیں آپ کے نام، جبکہ فرحین اظفر کا افسانہ ''میرے بچے'' اور حیاء بخاری کا ''وطن سلامت رہے'' بھی بے حد پسند آئے، ہما راؤ کافی عرصے بعد آئیں، مگر ان کی طرز تحریر میں کوئی نمایاں فرق نظر نہیں آیا، صبا جاوید نے اچھی کوشش کی، تمام مصنفین کو مبارک باد۔

مستقل سلسلوں میں شگفتہ شاہ کا سلسلہ چٹکیاں بہترین سلسلہ ہے، وہ بہت حساس موضوع پر لکھتی ہیں، بڑے سے بڑے مسئلے کو چند سطروں میں قلم بند کرنا شگفتہ جی کی ایک نمایاں خوبی ہے، حاصل مطالعہ میں فریال امین، نازیہ کمال اور آسیہ وحید کا انتخاب نمایاں رہا، میری ڈائری میں سب کی پسند اے ون تھی۔

حنا کے رنگ ہمیشہ کی طرح مسکرانے پر مجبور کر گئے، بیاض میں انتخاب بہت خوب تھا جبکہ حنا کا دستر خوان ہمیشہ کی طرح لذیذ اور عین غین کے جوابات چٹ پٹے تھے، قیامت کے یہ نامے میں ہر ایک کی رائے قابل احترام تھی۔

عائشہ گل سب سے پہلے تو آپ ذرا آگے آ جائیں، جی جی اس طرف اور اطمینان سے بیٹھیے تاکہ ہم آپ کو خوش آمدید کہہ سکیں، آپ نے لکھا کہ آپ ایک عرصے سے حنا کی قاری ہیں تو آپ یہ جانتی ہوں گی اس محفل میں آنے والا ہر قاری ہمارے لئے اہم ہے، اس محفل کے تمام ہی آنے والوں کے لئے بڑی خندہ پیشانی سے جگہ

بناتے ہیں دیکھئے جیسے آپ کے لئے بنائی خوش۔

اکتوبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی مبارک باد ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں ان کی طرف سے بھی شکریہ قبول کیجئے، آئندہ بھی ہم آپ کی پرخلوص رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

شمع ناز شکیل: نامعلوم مقام سے لکھتی ہیں۔

میں حنا ڈائجسٹ کی گزشتہ سات برس سے مستقل خاموش قاری ہوں، مگر آج مجھے اُم مریم نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا، ڈیئر اُم مریم بے شک آپ ایک عمدہ رائٹر ہیں مگر مجھے آپ سے ایک شکایت ہے کہ آپ نے اپنی تقریباً تین سلسلے وار ناول میں ہیروئین کو اچانک بیماری لگا دی ہے یا تو کسی اور وجہ سے مروا دیا ہے، مجھے ''میرے ساحر سے کہو'' کہانی پڑھ کر اتنا رونا آیا ہے آپ نے اب ''ژالے'' کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے، آپ بے شک بہترین موضوع پر لکھتی آ رہی ہیں، مگر آپ کی کہانیوں میں ایسا ضرور ہوتا ہے کہ ایک ہیرو کے ساتھ دو ہیروئنز ہوتی ہیں، جن میں سے ایک کو بیماری یا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے، انسان ڈائجسٹ اپنا مائنڈ فریش کرنے کے لئے پڑھتا ہے ورنہ تو زندگی کی تلخیاں کم ہیں۔

پلیز ژالے کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

شمع ناز شکیل یہ آپ نے کیسے سوچا ہم آپ کی رائے شامل نہیں کریں گے، تنقید اور تعریف دونوں آپ کا حق ہے آپ کی رائے اُم مریم کو مل گئی، ناول کے آخر میں انشاء اللہ وہ قارئین کے ان تمام سوالوں کے جواب دیں گی جو ناول کے شائع ہونے کے دوران کیے گئے اور بے فکر رہیے اُم مریم بہت اچھی اور محبت کرنے والی ہے وہ ژالے کے ساتھ کچھ غلط نہیں کریں گی، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

عظمیٰ شاہین رفیق: فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔

ماہ اکتوبر کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے، جو کہ آپ کی طرف سے ملا، اس کے لئے میں آپ کی بہت مشکور ہوں، آپ کو خط لکھنے کی وجہ جو چیز بنی وہ ہے اُم مریم کا ناول ''روشنی کی خواہش میں'' اُم مریم آپ کی سوچ آپ کے الفاظ کی کن لفظوں میں تعریف کروں؟ بس یہ کہوں گی۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ چلے۔

بہت سٹریٹ فارورڈ سچے الفاظ سے آپ نے تمام محب وطن پاکستانیوں کے جذبات کی ترجمانی کی، سیاست میں ہر کسی کا اپنا اپنا نظریہ ہوتا ہے لیکن پاکستانیوں! لکیر کو مت پیٹتے رہیں، یہ بھی دیکھ لیں اس ملک کے ساتھ برا کون کر رہا ہے اور اچھائی کی امید کس سے ہے؟

حنا کے ساتھ میرا تعلق جوڑنے کا سبب بھی اُم مریم کا قسط وار ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' بنا۔

سندس جبیں کا ناول ''کاسہ دل'' جو پچھلے ماہ مکمل ہو گیا، وہ بھی بہت اچھا تھا۔

اب آتی ہوں اپنی طرف، ستمبر کے شمارے میں میری تحریر شائع ہوئی، ''تجھ پہ اگر جاں ہو نثار'' میرا نام شاید مس پرنٹنگ کی وجہ سے عظمیٰ شاہین بھٹی لکھا گیا، میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میرا نام بھٹی نہیں، عظمیٰ شاہین رفیق ہے۔

عظمیٰ شاہین رفیق، اس محفل میں خوش آمدید، حنا کی تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کے جذبات اُم مریم تک پہنچائے جا رہے ہیں، آپ کے افسانے ''تجھ پہ اگر ہو جان نثار'' پر آپ کا نام غلط شائع ہوا جس کے لئے ادارہ آپ سے معذرت خواں ہے، آپ کی اگلی تحریر کے لئے منتظر ہیں جلد لکھ کر بھجوائیں شکریہ۔

نثار یہ زمان۔ بہاولنگر سے اپنی رائے کا اظہار